سلسلۂ نصابات علمیۂ جامعۂ عثمانیہ

نمبر

الاحکام السلطا

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری

البغدادی الماوردی المتوفی سنہ ۴۵۰ھ

ترجمہ

مولوی سید محمد ابراہیم صاحب ایم۔ اے

رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۳۵۰ھ سنہ ۱۳۴۰ف سنہ ۱۹۳۱ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

احکام السلطانیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ

شیخ امام ابوالحسن الماوردی فرماتے ہیں

"تمام تعریفیں اُس خدا کے لئے ہیں جس نے اصول دین ہمارے لئے واضح کر دئے جس نے ہم پر اپنی کتاب مبین نازل فرما کر احسان کیا، ہمارے لئے احکام مقرر کیے، حلال و حرام میں تمیز کردی اُسے دنیا پر حکم بنایا جس سے خلق اللہ کے مصالح متعین ہو گئے اور اصول صداقت و حق ثابت ہوئے۔ نیز اس نے ارباب حکومت کو خلق اللہ کی نگہبانی سپرد کی تاکہ عالم کا انتظام بحال رہے، جو کچھ اس نے کیا اس پر اس کا اتنا ہی شکریہ، اسکے رسول محمد النبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر جنھوں نے اس کے حکم کو نافذ کیا اس کے حق کو قائم کیا اور انکی آل و اصحاب پر درود و سلام ہو۔

چونکہ وہ آئین حکمرانی جن پر ارباب حل و عقد کو عمل پیرا ہونا چاہئیے بجائے خود نہایت ہی اہم ہیں لیکن (بد قسمتی سے) ان کے عام ہدایات اس قدر پیچیدہ ہو گئے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ سرکاری فرائض کی مصروفیتوں کی وجہ سے یہ آئین عمال کے پیش نظر نہیں رہتے اس وجہ سے ان کے لئے ایک علیحدہ کتاب لکھی گئی جس میں حکومت کے تمام اختیارات کہ جن کی بجا آوری ضروری ہے بیان کیا گیا ہے جس سے اس بارے میں فقہا کے مختلف مذاہب معلوم ہو جائیں گے تاکہ حکمراں اُس پر کاربند ہوں یا اگر کاربند ہیں تو اُسے پوری طرح کام میں لائیں تاکہ احکام کے نفاذ اور معاملات کے تصفیے میں پورا پورا عدل ہو سکے اور یہ معلوم ہو کہ کہاں انھیں دخل دینا چاہیے اور کہاں مداخلت نہ کرنا چاہیے اس کام کی تکمیل کے لئے میں اللہ سے امداد طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے

توفیق اور ہدایت عطا فرمائے اور وہی میرے لئے کافی ہے۔
(اما بعد) اللہ جل شانہ نے اپنی مخلوق کے لئے ایک رہبر کو نبوت عطا فرماکر مبعوث فرمایا اور اسی کو مخلوق کے لیے مرکز قرار دیا اُسے حکومت بھی دی تاکہ وہ اسکے دین کے احکام نافذ کرے اور سب لوگ اس کی بات مانیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامت وہ بنیاد ہے جس پر ملت کے قواعد قائم اور جس سے امت کے مصالح منتظم ہیں اسی سے عام قوانین بنے اور خاص اختیارات صادر ہوئے۔ اسی بنا پر یہ ضروری ہوا کہ نبی کے احکام کو شاہی احکام پر مقدم کیا جائے اور چونکہ ارباب حل وعقد کے اختیارات و ہدایات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اس لئے یہاں صرف سیاست و حکمرانی سے متعلقہ احکام کو بیان کیا جاتا ہے۔
اس کتاب میں جو آئین حکمرانی اور ہدایات دینی بیان کئے گئے ہیں اُنھیں بیس ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے (پہلا باب) امام کس طرح مقرر ہوتا ہے۔ (دوسرا باب) تقرر وزرا کے متعلق (تیسرا باب) ملکی عمال کے تقرر کے متعلق (چوتھا باب) فوجی سپہ سالاروں کے تقرر کے متعلق (پانچواں باب) کوتوالی کے متعلق (چھٹا باب) عدالت (ساتواں باب) فوجداری (آٹھواں باب) شرفا کے انساب کی دیکھ بھال کے لئے۔ (نواں باب) امامت نماز (دسواں باب) امارت حج (گیارھواں باب) صدقات (بارھواں باب) مالگزاری اور مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق (تیرھواں باب) جزیہ و خراج کے عائد کرنے کے متعلق (چودھواں باب) جزیہ و خراج کے بارے میں مختلف ممالک کے احکام مختلفہ۔ (پندرھواں باب) افتادہ زمینوں کو زیر کاشت لانے اور آب پاشی کے ذرائع بہم رسانی کے متعلق (سولھواں باب) محصورہ اور غیر محصورہ چراگاہوں کے متعلق۔ (سترھواں باب) جاگیر۔ (اٹھارھواں باب) دفاتر کا قیام اور ان کے احکام (انیسواں باب) جرائم کے متعلق (بیسواں باب) احتساب (اخلاق رعیت) کی عام نگرانی کے متعلق۔

پہلا باب

تقرر امام

نبوت کی جانشینی کے لئے امامت ہے تاکہ دین کی حفاظت ہو اور دنیا کا انتظام برقرار رہے کسی نہ کسی شخص کا امت میں اجماع امت سے (جو بہرے اس سے مستثنیٰ کر دئے گئے ہیں) امام مقرر کیا جانا واجب ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس مسئلہ کا وجوب از روئے عقل ثابت ہے یا از روئے شرع بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ از روئے عقل واجب ہے کیونکہ تمام ارباب خرد فطری طور پر اپنے معاملات ایسے رہبر کے سپرد کر دینا چاہتے ہیں جو انھیں ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روکے اور مخاصمت باہمی میں ان کے درمیان فیصلہ کرے اگر ذی اقتدار افراد نہ ہوں تو عام میں شخصی اقتدار پھیل جائے اور تہذیب و اجتماع کا شیرازہ بکھر جائے افوہ الاودی ایک جاہلی شاعر کہتا ہے۔

(بحر بسیط) لا یصلح الناس فوضی لا سراۃ لهم ولا سراۃ اذا جهالهم سادوا

(ترجمہ) جب لوگوں پر ذی اقتدار لوگ نہ رہیں تو انھیں اقتدار شخصی کبھی مفید نہیں ہوتا اسی طرح جب جاہل سردار بنجائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں ارباب اقتدار ہی نہیں رہیں۔

اور لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا وجوب عقل سے نہیں بلکہ شرع سے ثابت ہے اس لئے کہ امام احکام شرعیہ کو قائم کرتا ہے اور عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ ان کے زبردستی تسلیم کرائے جانے کا ارادہ نہ ہو اس لئے عقل نے

اس کا وجوب ثابت نہیں ہوتا علاوہ بریں عقل اس بات کو ضروری سمجھتی ہے کہ ہر عاقل خود کو باہمی ظلم و عداوت کی سے بچائے اور تقسیم حقوق و میل جول میں مقتضائے عقل کے بموجب عمل کرے مگر وہ اس وقت میں خود اپنی ہی عقل سے کام لے سکتا ہے دوسرے کی اسے ضرورت نہیں البتہ شریعت نے دین کے معاملہ میں تمام امور کی باگ ایک شخص مجاز کے تفویض کر دی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (ترجمہ) اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اپنے حکمرانوں کی۔ اس آیت سے اللہ نے ہم پر اپنے حکام کی اطاعت فرض کر دی ہے اور یہ حکام وہ امام ہیں جو ہم پر مقرر کئے گئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے میرے بعد تم پر حکام متعین ہونگے نیک اپنی نیکی کے ساتھ اور بد اپنی بدی کے ساتھ مگر تم لوگ انکے ہر اس حکم کی جو حق کے موافق ہو تعمیل کرو اگر وہ حکومت میں بھلائی کرینگے تو اس کا فائدہ تمھیں اور انھیں دونوں کو ہوگا اگر برائی کرینگے تو فائدہ تمھیں ہوگا اور اس کا وبال انکے ذمہ ہوگا۔

فصل

جب امامت کا وجوب ثابت ہو گیا تو یہ اپنے حکم میں جہاد اور حصول علم کی طرح فرض کفایہ ہے، اگر کوئی ایک امام بنگیا تو تمام لوگوں سے اسکی ذمہ داری ساقط ہو جائیگی اور اگر کوئی شخص اس ذمہ داری کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوا تو اب لازمی طور پر جمہور میں سے دو قسم کے لوگ ہونگے ایک اہل اختیار جو کسی کو امام منتخب کریں، دوسرے اہل امامت کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی اس منصب کیلئے خود کو پیش کرے، انکے علاوہ باقی قوم کے افراد پر امامت کے انعقاد کی تاخیر میں کوئی الزام نہیں،

جب معلوم ہو گیا کہ صرف یہی دو قسم کے لوگ انعقاد امامت میں ضروری ہیں تو دیکھا جائیگا کہ اس بارے میں جن صفات کا ہونا ضروری خیال کیا گیا ہے وہ بھی ان میں پائی جاتی ہیں؟ اہل اختیار میں تین صفتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے پہلے حق پژوہی مع اپنے پوری شرطوں کے، دوسرے علم جس سے انھیں معلوم ہو کہ کون امامت کا اس کی تمام شرطوں کے ساتھ مستحق ہے تیسرے دانائی و فکر کیونکہ یہ باتیں بہترین اہلیت رکھنے والے آدمی کے انتخاب میں ممد ہوتی ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جو لوگ امام کے شہر میں سکونت رکھتے ہیں انھیں اس

معاملے میں دوسرے شہر والوں پر کوئی تفوق حاصل نہیں ہے مگر چونکہ یہی ہوتا چلا آرہا ہے کہ اس شہر کے باشندے ہی امام کے اختیار کرنے کے اہل سمجھے گئے ہیں اس لئے یہ حق انھیں محض رسماً حاصل ہوگیا لیکن شرعاً اس کے جواز کی کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ انھیں امام کی موت کا سب سے پہلے علم ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اکثر و بیشتر امامت کی اہلیت رکھنے والے اصحاب انھیں کے ہم وطن ہوتے ہیں۔

فصل

امامت کی اہلیت کے لئے ان سات شرطوں کا ہونا ضروری سمجھا گیا ہے، (پہلی) حق پژوہی (اپنی تمام شرطوں کے ساتھ) (دوسری) علم (امام ایسا عالم ہو کہ وہ عام ہدایات اور غیر معمولی واقعات کے وقت اجتہاد کر سکے) (تیسری) صحت حواس و نطق (چوتھی) صحت اعضاء تاکہ وہ اسے حرکت سے نہ روکے اور بہ آسانی اٹھنے بیٹھنے میں حارج نہ ہو (پانچویں) عقل و فراست (جو رعیت کی نگہبانی اور مصالح ملکی کے روبکار لانے میں معین ہو) (چھٹی) شجاعت و دلیری (جس سے ملک کی حفاظت اور دشمن سے جہاد کیا جائے) (ساتویں) نسب (یعنی امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ قریش سے ہو کیونکہ اس بارے میں نص موجود ہے دوسرے یہ کہ اس پر اجماع امت ہو چکا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس کے محدود کئے جانے سے نقصان ہے اس لئے تمام لوگوں کو اس کا حق ملنا چاہئے تو اس اعتراض کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا واقعۂ سقیفہ میں حضرت ابوبکر نے اپنی امامت کے بارے میں انصار کے سامنے یہی وجہ ترجیح قرار دی تھی اور اگرچہ وہ سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے مگر آپ نے رسول اللہ صلعم کا یہ قول پیش کیا الائمۃ من القریش (امام قریش ہی سے ہوں گے) اس روایت کو انھوں نے قبول کیا اور صحیح سمجھا اور اب تک وہ خود تنہا جو کارروائی کر رہے تھے اس سے

رک گئے اور کہنے لگے ہم میں سے ایک امیر ہو اور تم میں سے ایک امیر ہو، پھر جب حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہم امیر ہیں اور تم وزیر ہو تو انصار نے ان کی اس بات کو منظور کر لیا۔

اس کے علاوہ حدیث میں آیا ہے قدموا قریشا ولا تقدموھا (قریش کو آگے کرو اور تم ان کے آگے مت ہو) یہ حکم مسلم و متفق علیہ ہے

فصل

امام دو طریقے سے مقرر ہوتا ہے ایک یہ کہ اہل اختیار اسے منتخب کریں، دوسرے یہ کہ سابقہ امام نے اسے اپنا ولی عہد بنایا ہو۔ پہلی صورت میں علماء کا اہل اختیار کی تعداد میں اختلاف ہے، علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جب تک ہر شہر کے ارباب حل و عقد اسے اختیار نہ کریں امام نہیں ہو سکتا۔ اس شرط کو وہ اس لئے ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس کی امامت کو سب لوگ پسند کریں اور متفقہ طور پر امامت کو اس کے سپرد کریں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے واقعے سے یہ خیال دور ہو جاتا ہے کیونکہ جو لوگ وہاں موجود تھے صرف انھوں نے ہی آپ کو انتخاب کر لیا تھا جو نہ تھے ان کی بیعت کا انتظار نہیں کیا گیا۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ امام کے تقرر کے لئے کم از کم پانچ آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، چاہے وہ پانچوں کسی ایک پر متفق ہو جائیں، یا ایک کے مجوزہ امام کو باقی چار بھی تسلیم کر لیں۔ اس کے لئے وہ دو دلیلیں پیش کرتے ہیں ایک تو حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کا واقعہ کہ پہلے صرف پانچ آدمیوں نے جن میں حضرت عمرؓ۔ ابوعبیدہؓ۔ ابن الجراح، اسیدؓ بن حضیر بشیرؓ بن سعد، اور سالم ابوحذیفہ کے آزاد غلام شامل تھے، آپ کی امامت پر اجماع کیا پھر اوروں نے ان کی تقلید کی، دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کے انتخاب کے لیے چھ آدمیوں کو مقرر کیا کہ وہ اپنے میں سے

ایک کو دوسرے پانچ صاحبوں کی رضامندی سے امام مقرر کریں، اکثر فقہا اور بصرے کے متکلمین کا یہی مذہب ہے البتہ علمائے کوفہ کہتے ہیں کہ امامت کے انعقاد کے لئے تین آدمیوں کا ہونا بھی کافی ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے دو کی رضامندی سے امام ہوتا کہ ایک حاکم اور دو گواہ ہوں جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے، علماء کی ایک جماعت کا یہ بھی خیال ہے کہ امام صرف ایک شخص کی بیعت سے بھی منتخب ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تم اپنا ہاتھ لاؤ میں تمھارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں جب لوگ تذکرہ کریں گے کہ رسول اللہ صلعم کے چچا نے ان کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس بناء پر کوئی بھی تمھاری امامت میں اختلاف نہ کرے گا علاوہ بریں امامت بمنزلہ حکم کے ہے اور حکم تو ایک شخص کا ہی نافذ ہوتا ہے۔

فصل

جب ارباب حل وعقد امام کو مقرر کرنے لگیں وہ سب سے پہلے اپنے میں امامت کی اہلیت رکھنے والے اشخاص کے حالات پر غور کریں گے کہ ان میں امامت کی کون کون سی شرطیں موجود ہیں اور ان میں سے اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں گے جو سب سے زیادہ اہل ہوگا اور اس میں تمام شرطیں سب سے زیادہ کامل شکل میں موجود ہوں گی اور جس کی اطاعت کو عام لوگ فوراً قبول کریں گے اس میں کسی قسم کی درنگ جائز نہ رکھیں گے جب جماعت میں سے ایسا شخص انھیں مل جائیگا وہ اس اہم منصب کو اس کے سامنے پیش کریں گے اگر اس نے اسے اپنے ذمے لینے پر رضامندی ظاہر کی تو یہ لوگ فوراً اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، اور اس کے ساتھ ہی وہ امام بن جائے گا اور اب تمام لوگوں کے لئے ضروری ہو جائے گا وہ بھی اس کی بیعت کریں اور اس کی اطاعت

کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں ۔

اگر اہل امامت اس کے قبول کرنے سے انکار کر دے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ اپنی خوشی و پسند کا سودا ہے یہ زبردستی کسی کے گلے نہیں منڈھا جا سکتا اور اس صورت میں امامت دوسرے مستحق کے سامنے پیش کی جائے گی ۔

اگر امامت کی تمام شرطیں دو شخصوں میں مساوی طور پر موجود ہوں تو ایسی صورت میں جو صاحب عمر میں بڑے ہوں گے انھیں مقرر کیا جائے گا اگرچہ بالغ ہونے کے بعد زیادتی عمر شرط امامت میں داخل نہیں چنانچہ اگر ایسی صورت میں کسی کمسن کے ہاتھ پہ بیعت کر لی جائے تو وہ بالکل جائز ہے ۔

اگر دو صاحبوں میں سے ایک زیادہ عالم اور دوسرا زیادہ شجاع ہو تو اس صورت میں ضرورت وقت کا لحاظ کیا جائے گا اگر بغاوتوں کی اشاعت اور سرحدوں کی حفاظت کی وجہ سے شجاعت کی ضرورت داعی ہوگی تو جو زیادہ شجاع ہے اسے ترجیح دی جائے گی ۔ اگر امن و امان ہو اور اہل بدعت ظاہر ہو رہے ہوں تو ایسی صورت میں علم کی زیادہ ضرورت ہوگی اور جو زیادہ عالم ہوگا اسے اپنے مقابل پر ترجیح دی جائے گی ۔

ایسے دو شخصوں میں سے اگر ایک کے امام بنائے جانے کا تصفیہ کیا گیا اور ان دونوں نے اس کے لئے جھگڑا کیا تو بعض فقہاء کی یہ رائے ہے کہ اس کے بدلے میں وہ دونوں امامت سے محروم کر دئے جائیں گے اور ان کے علاوہ کسی اور کا انتخاب کیا جائے گا ۔ مگر جمہور علماء اس بات کو مانع امامت نہیں سمجھتے اور نہ امامت کی خواہش کو مکروہ جانتے ہیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو انتخاب امام کا حق دیا تھا انھوں نے اس کے لئے تنازع کیا مگر اس بنا پر کسی امیدوار کو اس سے محروم نہیں کیا گیا ۔

اب اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب دو شخص

مساوی حقوق کے موجود ہیں تو ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیوں ترجیح دی جائے اور کیوں کر اس کا فیصلہ کیا جائے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کی امامت کے لئے قرعہ نکل آئے گا اسی کو دوسرے پر ترجیح دی جائے گی، مگر دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ اہل اختیار بالکل اس بات کے مجاز ہیں کہ وہ بغیر قرعہ اندازی جس کے ہاتھ پر چاہیں بیعت کر لیں۔

اگر اہل اختیار نے کسی ایک شخص کو جو ان کے نزدیک تمام قوم میں بہترین تھا امام بنا لیا اور اس کی بیعت کے بعد ایک اور شخص ایسا نکل آیا جو اس سے بھی بڑھ کر ہے تو ایسی حالت میں جس شخص کے لئے انھوں نے بیعت کر لی ہے وہی نافذ رہے گی اور اب یہ نہیں ہو سکتا کہ امامت کو اس سے چھین کر دوسرے کے سپرد کر دیا جائے اب اگر افضل فرد کے ہوتے ہوئے انھوں نے اس سے کمتر درجے کے آدمی کو بنا لیا ہے تو اس صورت کے نفاذ و عدم نفاذ میں بحث ہے، یہ دیکھا جائے گا کہ کونسی ضرورت اس کی داعی ہوئی اگر انھوں نے اس لئے اس کا انتخاب کیا تھا کہ جو شخص اس سے بھی افضل تھا وہ اس وقت وہاں موجود نہ تھا، یا مریض تھا یا یہ کہ جس کم درجہ شخص کو انھوں نے امام بنایا ہے عوام اس کے زیادہ گرویدہ ہیں اور وہ ان میں زیادہ مقبول و محبوب ہے تو یہ بیعت نافذ ہے اور اس کی امامت میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے

اگر ان وجوہ کے بغیر بیعت کی گئی ہے تو اس کے نفاذ میں اختلاف ہے اس کے متعلق ایک گروہ کا جس میں جاحظ بھی ہے یہ خیال ہے کہ اس کی بیعت صحیح نہیں اور وہ باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ اختیار کے معنی ہیں دو باتوں میں سے بہتر بات کو اختیار کرنا اور زیادہ اہل کے ہوتے ہوئے اس کے ماسوا کا انتخاب بغیر کسی وجہ کے کسی طرح جائز نہیں جیسا کہ احکام شرعیہ میں اجتہاد کے متعلق حکم ہے، مگر اکثر فقہا اور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اس کی امامت جائز اور بیعت کامل ہے،

اور ایک افضل شخص کی موجودگی اُس سے کمتر درجے والے کی امامت کے لئے بشرطیکہ اس میں امامت کے شرائط پوری طرح پائے جاتے ہوں مانع نہیں اس کی مثال قضاۃ کے تقرر سے دی جاتی ہے کیونکہ وہاں ایک افضل شخص کے ہوتے ہوئے کمتر درجے کے شخص کی قضات جائز ہے اسلئے کہ افضلیت وجہ ترجیح ہو سکتی ہے مگر شرط استحقاق میں اس کا اعتبار نہیں۔

اگر ایک وقت میں صرف ایک آدمی ہی میں امامت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہوں تو اس کے لئے امامت متعین ہوگی کسی دوسرے کو امام نہیں بنایا جاسکتا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا باضابطہ بیعت اور انتخاب کے بغیر بھی اس کی امامت وحکمرانی ثابت ہوگی یا نہیں، بعض فقہائے عراق کا خیال ہے کہ ان باتوں کے بغیر بھی اس کی امامت ثابت اور حکمرانی نافذ ہوگی اور تمام اُمت کو اس کی اطاعت کرنا چاہئے کیونکہ ارباب حل وعقد کے اختیار وانتخاب کا مقصد یہ ہے کہ سب سے زیادہ اہلیت رکھنے والا شخص برسرکار آنے کے لئے نمایاں ہو مگر جب یہ بات خود اسکے ذاتی صفات سے نمایاں ہوگئی تو باضابطہ انتخاب کی چنداں ضرورت نہیں رہی، مگر جمہور فقہا اور متکلمین کہتے ہیں کہ جب تک اس کا باقاعدہ انتخاب نہ کیا گیا ہو اور اسے لوگوں نے پسند نہ کر لیا ہو اس کی امامت صحیح نہیں۔ ہاں اب یہ بات اہل حل وعقد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اب باضابطہ طور پر بھی اس کا انتخاب کرکے اس کے لئے امامت کی بیعت لیں اگر سب نے اتفاق کر لیا تو اس کی امامت مکمل ہوگی۔

امامت ایک عہد ہے جو بغیر کسی سپرد کرنے والے کے انعقاد ہی نہیں پاتا اس کی مثال بھی فقہا کی سی ہے کہ ہر چند ایک ہی شخص اس کی اہلیت رکھتا ہو مگر وہ خود بخود تاوقتیکہ کوئی اور اسے مقرر نہ کرے قاضی نہیں بنجاتا مگر اس کے متعلق بھی بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر ایک ہی شخص میں

تمام صفات قضا موجود ہوں تو خود بخود قاضی بن جائے گا جیسا کہ وہ شخص جس میں تمام صفات امامت موجود ہوں امام بن جاتا ہے مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا شخص خود بخود قاضی نہیں بن سکتا البتہ امام بن جاتا ہے کیونکہ قضا ایک شخص کی نیابت ہے اور باوجودیکہ قاضی میں تمام صفات موجود رہیں قضا اس سے علیحدہ کرکے دوسرے کو دی جاسکتی ہے اس لئے کوئی شخص اسوقت تک قاضی نہیں ہو سکتا جبتک کہ اسے وہ شخص جس کی یہ نیابت کرے گا اسے اس منصب پر فائز نہ کرے برخلاف اس کے امامت ان تمام فرائض میں سے ہے جن میں اللہ اور بندوں کا مشترک حق ہے اسی بناء پر جب یہ ایک مرتبہ کسی کا طغرائے امتیاز بن جاتی ہے تو جبتک اس کا حامل ان صفات معہودہ سے متصف رہیگا کوئی اس منصب جلیلہ کو اس سے چھین نہیں سکتا اور اسی بناء پر جب کسی شخص میں اسکے تمام صفات موجود ہوں تو اس کو کسی باضابطہ تقرر یا انتخاب کی چنداں ضرورت نہیں۔

فصل

اگر دو شہروں میں دو امام بنائے گئے تو ان دونوں کی امامت باطل ہے کیونکہ وقت واحد میں امت کے لئے دو امام نہیں ہوسکتے اگرچہ بعض لوگوں نے اس اصول سے اختلاف کیاہے اور ایسی صورت میں امامت کو جائز قرار دیا ہے۔

اب فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں میں سے کون امام تسلیم کیا جائے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ وہ شخص جو امام سابق کے شہر میں امام بنایا گیا ہو اس کی امامت ثابت رہے گی کیونکہ امام کے ہم وطن اور دوں کی بہ نسبت انتخاب امام کے زیادہ مستحق واہل ہیں باقی تمام دوسرے شہروں کے باشندوں کو چاہئیے کہ وہ اس کام کو انھیں کے سپرد کردیں اور جب وہ کسی کو امام بنالیں تو یہ بھی اسی کو تسلیم کریں تاکہ

اختلاف رائے اور تباین خواہش سے نظام ملت میں خلل نہ واقع ہو۔
دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں اماموں کو چاہئیے کہ وہ امامت سے خود علیحدہ ہو جائیں اور اسے اہل اختیار کے سپرد کر دیں تاکہ فتنہ و فساد بپا نہ ہونے پائے اور اہل حل و عقد کو اختیار رہے کہ وہ چاہیں انھیں میں سے ایک کو امام بنالیں یا کسی اور کا انتخاب کرلیں۔
بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تنازع و مخاصمت سے بچنے کے لیے قرعہ اندازی کی جائے جس کے نام قرعہ نکلے اس کی امامت ثابت رہیگی مگر اس معاملے میں صحیح مسلک یہ ہے اور یہی محققین فقہا کا مذہب ہے کہ جس کے ہاتھ پر پہلے بیعت کی گئی ہے اسی کی امامت درست و ثابت ہے اس کی مثال ان دو ولیوں کی ہے جنھوں نے ایک عورت کو دو آدمیوں کے نکاح میں دیدیا ہو تو اس صورت میں وہ اس شخص کی بیوی رہے گی جس کے نکاح میں وہ پہلے دی گئی ہے جب یہ بات معلوم ہوجائے کہ کس کے لئے پہلے بیعت کی گئی ہے تو اسی کی امامت برقرار رہے گی اور دوسرے امام کو چاہئیے وہ خود امامت کو پہلے کے سپرد کر کے خود بھی اس کی بیعت کرلے۔
اگر ایک ہی وقت میں دو شخصوں کو امام بنایا گیا اور کسی کی سبقت ثابت نہ ہو سکے تو دونوں کی امامت باطل ہے اور اب نئے سرے سے ان میں سے کسی ایک کے لئے یا ان کے سوا کسی اور کے لئے بیعت لی جائے۔
اگر بیعت ایک کے لئے پہلے لی گئی مگر اب پتا نہیں چلتا کہ کون پہلے ہے تو جب تک اس کی اصلیت معلوم نہ ہو ان دونوں کی امامت موقوف رہے گی اگر ہر ایک نے اپنی اپنی سبقت کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا اور نہ اس پر اس سے قسم لی جائے گی کیونکہ یہ صرف اسی کا حق نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا حق ہے اس امر میں نہ اس کی

قسم کو دخل ہے اور نہ اس پر خود اس کی علیحدگی کا کوئی اثر ہو سکتا ہے
اسی طرح اگر جھگڑے کو مٹانے کے لیے ان میں سے ایک شخص امامت
کو دوسرے کے سپرد کرے تو اس کی امامت تاوقتیکہ اس بات کی شہادت
ہم دست نہ ہو کہ اسی کے لیے بیعت پہلے کی گئی تھی ثابت نہیں بالفرض
اگر ایک نے دوسرے کے متعلق اس قسم کا اقرار بھی کیا، تو یہ دوسرے
کے حق کے ثبوت کے لیے ناکافی ہے البتہ خود اس مقر کا امامت
کے لئے اس اقرار کے بعد کوئی حق نہ رہے گا اس لیے کہ اس کا یہ اقرار اس
حق کے متعلق ہے جو عام مسلمانوں کا ہے اگر اس شخص کے بیان کی تائید
میں جس نے دوسرے کی سبقت کا اقرار کیا کسی اور نے بھی شہادت دی تو
اس کی یہ شہادت اس وقت قبول کی جائے گی جب کہ امامت کے لئے
تنازع کے وقت مستعفی نے بیعت کے تسابق میں اپنا اشتباہ ظاہر کیا
ہو اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا ہے تو اس دوسرے شاہد کی شہادت
مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں مستعفی کے بیان میں تناقض ہو گیا۔

فصل

کیا امامت سابق امام کے کسی شخص کو امام مقرر کرنے سے انعقاد
پذیر ہوتی ہے ؟۔ اس کے جائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے ان
حسب ذیل دو وجہوں کی بنا پر تمام مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے اور وہ
اسے ناجائز نہیں سمجھتے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین
مقرر کر دیا اور مجرد حضرت ابوبکرؓ کے فرمان کی بنا پر تمام مسلمانوں نے حضرت
عمرؓ کی امامت کو تسلیم کر لیا۔

دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ نے امامت کو اہل شوریٰ کے سپرد کر دیا۔
اور اہل شوریٰ نے جو اس وقت کے تمام مسلمانوں میں سربرآوردہ تھے اس

تجویز کی صحت کی بنا پر اس میں شرکت قبول کرلی، باقی صحابہ اس سے نکل گئے۔ چنانچہ جب حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ان کی شرکت پر ڈانٹا تو انھوں نے کہا کہ یہ انتخاب امامت مسلمانوں کا ایک نہایت ضروری کام تھا میں کسی طرح اس سے علاحدہ نہیں رہ سکتا تھا اس صورت میں امامت کے متعلق جو عہد کیا جائے وہ حکم میں اس عہد کے ہوگا جو اجماع امت سے ہوتا ہے۔

جب امام اپنی زندگی میں کسی کو اپنا ولی عہد بنانے لگے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پوری کوشش کرکے ایسے شخص کا انتخاب کرے جو سب سے زیادہ مستحق ہو اور جس میں تمام شرائط امامت مکمل طور پر موجود ہوں جب اس کی نظر انتخاب ایک ہی شخص پر جم جائے تو یہ دیکھا جائیگا کہ یہ شخص امام کا بیٹا یا باپ تو نہیں ہے اگر وہ نہ ہوا تو امام کے لئے تن تنہا ایسے شخص کو اپنا ولی عہد بنا لینا جائز ہے اور اس کی بیعت بھی ثابت رہیگی چاہے امام نے اہل حل وعقد سے مشورہ بھی نہ لیا ہو، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا اہل حل وعقد کا اس کے تقرر پر اپنی رضامندی کا اظہار اس کی بیعت کے انعقاد کے لئے شرط ہے یا نہیں ؟ بصرے کے بعض علماء کی رائے ہے کہ اہل حل وعقد کی رضامندی ضروری ہے جب تک وہ اس کے تقرر کو منظور نہ کریں امت کے لئے اس کی بیعت کرنا لازمی نہیں کیونکہ انتخاب امام تمام مسلمانوں کا حق ہے اور تا وقتیکہ اہل حل وعقد ولیعہد خلافت کو منظور نہ کرلیں عام مسلمانوں کو اس کا تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے، مگر اس مسئلے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ اس کی بیعت منعقد ہو جائے گی اور پسند یا عدم پسند کا اس میں اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ حضرت عمرؓ کی بیعت صحابہ کی پسند پر موقوف نہ تھی اس پر دلیل یہ ہے کہ اس بارے میں امام تمام امت سے زیادہ انتخاب امام کا مستحق ہے اور جسے وہ اپنا جانشین پسند کرے اس کی بیعت زیادہ نافذ اور عمل پذیر ہے اگر ولی عہد بیٹا یا باپ ہو تو مجرد امام کے

اس کو اپنا جانشین بنا لینے کے جواز اور عدم جواز میں تین مذہب ہیں، ایک مذہب یہ ہے کہ تا وقتیکہ امام نے اہل حل وعقد سے اس کے لئے مشورہ نہ لے لیا ہو اور انھوں نے اس کی اہلیت نہ دیکھ لی ہو یہ بیعت جائز نہیں البتہ جب اہل حل وعقد بھی اس میں شریک رہے ہوں تو اسوقت بیٹے یا باپ کی ولیعہدی جائز و نافذ ہو گی کیونکہ اگر امام اپنے بیٹے یا باپ کو اپنا ولیعہد بنائے گا تو اس کا یہ فعل اس ولیعہد کے حق میں تو بمنزلہ شہادت ہو گا اور عام امت کے لئے بمنزلہ حکم ہو گا تو اب امام کے لئے یہ یہ دونوں صورتیں اس لئے ناجائز ہیں کہ میلان فطری کی وجہ سے اس پر جانبداری کا الزام عائد ہو سکتا ہے

دوسرا مذہب یہ ہے کہ بیٹے اور باپ دونوں کے لئے اس کا عہد نافذ و جائز ہے کیونکہ وہ امت کا امیر ہے اس کا ہر حکم امت کے لئے واجب الاذعان ہے اس سے معلوم ہوا کہ عہدے کے اختیارات رجحانات نسبی پر غالب ہیں اور چونکہ اب تک اس کی امامت پر کسی خیانت کا اتہام نہیں لگایا گیا اس لئے اس سے اختلاف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے تو اس کا اپنے بیٹے یا باپ کو ولیعہد بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کسی غیر کو بنا دیا۔ اب ولی عہد کے تقرر کے صحیح ہونے کے بعد تمام امت کیلئے اس کی بیعت اہل حل وعقد کی پسند پر محول نہیں رہی گی اس کی دونوں صورتیں ہم نے پہلے بیان کر دی ہیں۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ امام کا خود تنہا باپ کو اپنا ولی عہد بنانا جائز ہے بیٹے کو نہیں کیونکہ یہ انسان کا فطری خاصہ ہے کہ اس کی طبیعت باپ کے مقابلے میں بیٹے کی جانب زیادہ مائل ہوتی ہے کیونکہ جو کچھ وہ حاصل کرتا ہے وہ بیشتر بیٹے کے لئے جمع کرتا ہے نہ کہ باپ کے لئے۔

امام کا اپنے بھائی، عزیز، یا رشتہ دار کو اپنا ولی عہد بنانا اسی طرح جائز ہے جس طرح کسی غیر کو۔

فصل

جب امام کسی ایسے شخص کو جس میں امامت کے تمام شرائط معتبرہ موجود ہوں اپنا ولی عہد مقرر کردے تو یہ تقرر اس کے قبول کرنے پر موقوف رہے گا، اس میں اختلاف ہے کہ زمانہ قبول کونسا ہو، ایک مذہب یہ ہے کہ موجودہ امام کی موت کے بعد کا زمانہ ہے کیونکہ اسی وقت ولی عہد امامت کو اس منصب کے قبول یا انکار کا حق معتبر حاصل ہوگا دوسرا مذہب یہ ہے اور یہی صحیح ہے کہ جس وقت امام نے ولی عہد مقرر کیا اس وقت سے اس کی وفات تک کا زمانہ ہے کیونکہ اگر ولیعہد اس کے قبول کرنے سے انکار کردے تو امامت پھر اسی امام کی طرف منتقل ہو جائے گی کہ اس وقت اپنے سابقہ قبول کی وجہ سے اس کا حامل ہے۔

کسی امام کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ولیعہد کو تاوقتیکہ اس کا حال نہ بدل جائے معزول کردے اگرچہ امام کو اس کا حق ہے کہ اگر وہ اپنے تمام مقاموں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کرے تو اُسے معزول بھی کردے کیونکہ امام نے ان لوگوں کو اپنا شخصی قائم مقام بنایا ہے، تو وہ انھیں معزول بھی کرسکتا ہے برخلاف اس کے ولی عہد امامت عام مسلمانوں کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اسے امام معزول نہیں کرسکتا اسی طرح اہل حل وعقد کسی ایک امام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد تاوقتیکہ اس کے حال میں تغیر نہ واقع ہو جائے اُسے معزول نہیں کرسکتے۔

بالفرض اگر امام نے ایک ولیعہد کو معزول کرکے اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کیا تو دوسرے کا تقرر باطل سمجھا جائے گا اور پہلے کی بیعت بدستور قائم وثابت رہے گی اگرچہ پہلے نے خود ہی علٰحدگی کیوں نہ اختیار کرلی ہو تب بھی دوسرے کے لیے بیعت اس وقت صحیح ہوگی جب کہ از سر نو اُس کے لیے بیعت لی جائے۔

اگر کسی ولی عہد نے اپنے منصب سے استعفا دیدیا تو جب تک اس کا استعفا منظور نہ کر لیا جائے وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ذمہ داری اس پر امام کی جانب سے عائد کی گئی ہے، ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ آیا کوئی اور ایسا ہے جس میں اس عہدے کی قابلیت ہو اگر ایسا شخص موجود ہوا تب اگر اس کا استعفا امام منظور کرلے تو وہ بری الذمہ ہوجائے گا اگر کوئی اور اہل موجود نہ ہوا تو نہ اس کا استعفا جائز ہے اور نہ امام کو اس کے قبول کرنے کا حق ہے اور اس صورت میں یہ ذمہ داری جانبین سے اس پر عائد رہے گی امامت کے شرائط ولی عہد میں اس کے تقرر کے وقت ہی معتبر سمجھے جاتے ہیں اگر کوئی ولیعہد تقرر کے وقت کم سن یا فاسق ہے اور امام کے مرنے کے وقت وہ بلوغ کو پہنچگیا یا نیک روش ہوگیا تو تاوقتیکہ اہل حل وعقد تجدید بیعت نہ کریں اس کی خلافت صحیح نہیں۔

اگر امام نے ایسے شخص کو ولی عہد مقرر کیا جو اس کے سامنے نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا وہ زندہ بھی ہے یا نہیں تو عہد خلافت درست نہیں اور اگر یہ بات معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے اور اس تقرر کا نفاذ اس کے آنے پر موقوف ہے تو اس صورت میں اگر امام اپنے ولیعہد کی غیبت ہی میں مرجائے تو اہل حل وعقد اسی کو ترجیح دیں گے، اگر اس کے آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ اس سے مسلمانوں کے مصالح عامہ کو ضرر پہنچے گا تو اہل حل وعقد کسی اور کو اس کا نائب بنالیں گے مگر اسے مستقلاً خلیفہ نہیں بناسکتے اور جب یہ مستقل خلیفہ آجائے گا تو وہ نائب اپنی خدمت سے علیحدہ ہوجائیگا، خلیفہ کے آنے سے پہلے جو ہدایات واحکام اس نے دئے ہونگے وہ نافذ العمل رہیں گے اور جو ہدایات اس کے آنے کے بعد دئے گئے ہوں گے وہ نافذ العمل نہ سمجھے جائیں گے۔

اگر ولی عہد نے خلیفہ کی موت سے پہلے اپنی ولایت عہد کسی اور کو دینا چاہی تو جائز نہیں کیونکہ وہ موجودہ خلیفہ کے مرنے کے بعد خلیفہ

ہوگا اور تب اُسے اس بات کا حق ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ولی عہد کسی سے کہے کہ جب میں خلیفہ ہوجاؤنگا تو اسے اپنا ولی عہد بناؤں گا تو اُس سے اس کا حق ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ جب وہ اس سے ایسا کہہ رہا ہے اس وقت وہ خلیفہ ہی نہیں ہے اس لئے اس کا کسی کو عہدۂ خلافت دینا درست نہیں۔

اگر کسی خلیفہ نے خود منصب خلافت سے خلع کردیا تو اب ولی عہد خلیفہ ہوگا اور یہ علیٰحدگی بمنزلہ موت کے سمجھی جائے گی اگر کسی خلیفہ نے اپنے دو ولیعہد مقرر کئے مگر کسی کو دوسرے پر مقدم نہ رکھا تو ایسا کرنا جائز ہے اور اب اہل حل وعقد خلیفہ کے مرنے کے بعد ان دونوں میں سے کسی کو خلیفہ بنالیں گے جیسا کہ اہل شوریٰ نے کیا کیونکہ حضرت عمرؓ نے خلافت کو چھ شخصوں میں ان کے لئے محدود کردیا تھا۔

ابنؓ عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے عمرؓ کو بہت بے چین پایا اور وہ فرمانے لگے کہ مجھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں خلافت کے بارے میں کیا کروں۔ میں نے کہا آپ علیؓ کو کردیجئے۔ فرمایا بیشک وہ اس کے اہل ہیں مگر ان میں ظرافت ہے علاوہ بریں میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمھارے خلیفہ ہوگئے تو وہ تمھیں بالکل ظاہری شریعت پر چلائیں گے جیسے تم جانتے ہو۔ میں نے کہا پھر آپ عثمانؓ کو کردیجئے۔ فرمایا اگر میں ایسا کروں تو ابی معیط کا بیٹا (مروان) لوگوں کی گردنوں پر سوار ہوجائے گا تمام عرب عثمانؓ سے ناراض ہوجائیں گے بلکہ ان کو قتل کردیں گے پھر فرمایا بخدا اگر میں عثمانؓ کو خلیفہ مقرر کردوں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مروان کی حکومت ہوجائے گی اور اس صورت میں ضرور عربوں میں ایسی زبردست شورش پیدا ہوجائے گی کہ وہ عثمانؓ کو قتل کردیں گے پھر میں نے کہا طلحہؓ کو کردیجئے فرمایا وہ مغرور ہیں اللہ باوجود جاننے کے کبھی انھیں امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکمران نہیں بنائے گا میں نے کہا زبیرؓ، فرمایا بیشک وہ بہادر ہیں مگر بازار میں نرخ اشیاء

دریافت کرتے پھرتے ہیں کیا ایسا شخص مسلمانوں کا حکمراں بن سکتا ہے؟ پھر میں نے سعدؓ بن ابی وقاص کا نام لیا فرمایا وہ اس کے اہل نہیں وہ ایک سپاہی ہیں سیاست میں دخل نہیں، پھر میں نے عبدالرحمان بن عوف کا نام لیا فرمایا بیشک تم نے اچھے آدمی کا ذکر کیا مگر وہ بہت سن رسیدہ ہوگئے ہیں اے ابن عباسؓ خلافت کا وہ شخص اہل ہے جو قوی ہو مگر سخت نہ ہو۔ مسکین مزاج ہو مگر کمزور نہ ہو، خرچ کرنے میں محتاط ہو مگر بخیل نہ ہو، سخی ہو مگر مسرف نہ ہو۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب آپ کو ابولؤلوہ نے زخمی کیا اور طبیب آپ کی زندگی سے مایوس ہوگیا تو صحابہ نے آپ سے کہا کہ خلافت کے متعلق ہمیں حکم دیجیے آپ نے اس معاملے کو چھ آدمیوں پر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ خلافت علیؓ کے لئے ہے اور ان کے مقابلے پر زبیرؓ ہیں، عثمانؓ کے لئے ہے اور ان کے مقابلے پر عبدالرحمان ابن عوف ہیں، طلحہؓ کے لیئے ہے اور ان کے مقابلے پر سعدؓ بن ابی وقاص ہیں۔

چنانچہ عمرؓ کے مرنے کے بعد جب شوریٰ ہونے لگا تو عبدالرحمان نے کہا اپنے اپنے حق سے تین آدمیوں کے لئے دست بردار ہوجاؤ۔

زبیرؓ نے کہا میں نے اپنا حق علیؓ کو دیا۔ طلحہؓ نے کہا میں نے اپنا حق عثمانؓ کو دیا۔ سعدؓ نے کہا میں نے اپنا حق عبدالرحمان کو دیا۔ عبدالرحمان نے کہا کیا آپ حضرات اس حق انتخاب کو میرے سپرد کرتے ہیں اس شرط پر کہ میں خود اپنے حق خلافت سے دست بردار ہوجاتا ہوں اور خدا اس پر گواہ ہے کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ اپنی خیر اندیشی میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ دونوں صاحبوں نے کہا ہمیں منظور ہے، عبدالرحمٰن نے کہا اچھا میں نے اسے قبول کیا اس طرح شوریٰ پہلے چھ سے تین پر محدود ہوا، اور پھر تین سے بھی صرف دو یعنی علیؓ و عثمانؓ میں منحصر رہ گیا کہ ان میں سے کسے خلافت دی جائے، اس کے بعد عبدالرحمان

لوگوں کی رائے دریافت کرنے چلے گئے' جب رات ہوگئی تو انھوں نے مسور بن مخرمہ کو بلایا اور اپنے ساتھ انھیں بھی شریک کر لیا پھر ان دونوں صاحبوں سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کی اور دونوں سے یہ عہد لے لیا کہ اگر وہ خلیفہ ہوا تو اُسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق حکومت کرنا پڑے گی اور اگر ان میں سے ایک کے بجائے دوسرے کو کر دیا گیا تو یہ اس کی پوری اطاعت اور اس کے احکام کی تعمیل کرے گا جب یہ عہد لے لئے تو اب انھوں نے عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

تو یہ شوریٰ جس میں کہ اہل امامت داخل ہوئے اور اس پر سب نے اتفاق رائے کیا اصل میں امامت بالعہد کے انعقاد کا موجب ہوا اور نیز اسی سے ایک جماعت محدود کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے میں سے ایک کو ارباب حل و عقد کی پسند سے منتخب کریں نیز جب اہل حل و عقد کی ایک تعداد متعین کر دی جائے تو چاہے شوریٰ دو میں ہو یا اس سے زیادہ میں دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ایسی صورت میں امامت اس کے علاوہ کسی اور کے تفویض نہیں کی جا سکتی۔

جب اہل اختیار نے ان میں سے کسی ایک کو امام بنا لیا تو اب اس امام کو یہ حق ہو جائے گا کہ وہ ان لوگوں کے علاوہ اوروں کو انتخاب امام کا حق دیدے۔

جب امام نے متعین تعداد کے لوگوں کا شوریٰ مقرر کر دیا تو ارباب شوریٰ کو موجودہ امام کی زندگی میں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امامت کے لئے نامزد کریں البتہ اس کی اجازت سے وہ ایسا کر سکتے ہیں کیونکہ اس وقت تو بحیثیت امام ہونے کے اسی کو اس کا حق ہے کہ وہ کسی کو اپنا ولی عہد بنائے۔ اور اس حق میں اوروں کی شرکت جائز نہیں۔

اگر انھیں یہ خوف ہو کہ امام کی موت کے بعد خلفشار پیدا ہو جائے گا

تو پہلے وہ اس سے اجازت لے لیں اور جب وہ اجازت دے دے تو پھر اپنے میں سے ایک کو نامزد کر دیں۔

اگر امام کی زندگی سے مایوسی ہو گئی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے ہوش وحواس جاتے رہے ہیں تو اس حالت کا حکم وہی ہے جو موت کا ہے اس وقت اہل اختیار کو حق ہے کہ وہ ولیعہد امامت کا انتخاب کر لیں اور اگر اس کے ہوش وحواس بالکل درست ہیں تو پھر بغیر اس کی اجازت کے وہ انتخاب نہیں کر سکتے ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہو کر اپنے مکان تشریف لائے تو آپ نے شور وغوغا سنا، پوچھا کیا ہے۔ بیان کیا گیا کہ لوگ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں آپ نے انھیں اپنے پاس آنے کی اجازت دی ان لوگوں نے کہا امیر المؤمنین آپ عثمان کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کر دیجئے، آپ نے فرمایا بھلا ایسا شخص کیسے اس منصب کا اہل ہو سکتا ہے جو دولت کو بھی چاہے اور جنت کا بھی طلبگار ہو، یہ جواب سنکر یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے آئے، پھر ایک ہنگامے کی آواز آئی آپ نے پوچھا کیا ہے کہا گیا کہ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، آپ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دی اس جماعت نے کہا آپ علیؓ کو ہمارا خلیفہ مقرر فرماتے جائے، آپ نے فرمایا وہ تھیں بالکل ظاہری شریعت کے احکام پر چلائیں گے۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ سنکر میں آپ پر جھک گیا اور میں نے کہا امیر المؤمنین پھر کیوں آپ علیؓ کو خلیفہ نہیں بنا دیتے۔ آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے کیا تم زندگی اور موت دونوں میں اس طرز عمل کو برداشت کر لوگے؟

خلیفہ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ارباب اختیار کو بھی خود ہی مقرر کر دے جس طرح اسے اہل امامت کے مقرر کرنے کا حق ہے، اس لئے انتخاب امامت کے معاملے میں اختیار ایسے ہی لوگوں کا تسلیم کیا جائیگا جس طرح کہ امامت انھیں لوگوں کی مانی جائے گی جنھیں خلیفہ نے نامزد کر دیا ہے کیونکہ یہ دونوں باتیں اس کے منصب خلافت کے حقوق میں سے ہیں۔

فصل

اگر خلیفہ نے اپنے دو یا زیادہ جانشین نامزد کئے ان میں ترتیب قائم کردی اور کہدیا کہ میرے بعد پہلے فلاں ہو اگر وہ مرجائے اس کے بعد فلاں اگر وہ بھی مرجائے تو پھر فلاں ہو تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز ہے اور خلافت اسی ترتیب سے ان میں منتقل ہوتی رہے گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موتہ کی مہم پر زید بن حارثہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور فرمایا کہ اگر وہ شہید ہوجائیں تو پھر جعفر بن ابی طالب امیر جیش ہوں اگر وہ شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ امیر ہوں اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو پھر خود مسلمان جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں چنانچہ زید معرکۂ کارزار میں آگے بڑھے اور شہید ہوگئے اب جعفر نے علم لے لیا اور آگے بڑھے وہ بھی شہید ہوئے پھر عبداللہ بن رواحہ نے علم لے لیا اور آگے بڑھے وہ بھی شہید ہوئے انکے بعد مسلمانوں نے خالد بن الولید کو اپنا امیر بنالیا۔ تو جب امارت میں اس قسم کی نامزدگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بموجب جائز ہے تو اسی طرح خلافت میں بھی جائز ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ محض ایک تعین اور وقتی امارت کے متعلق ایک خاص حالت اور شرط کے ساتھ حکم دیا گیا تھا حالانکہ اس قسم کی امارتوں کا انعقاد خاص خاص شرائط اور صفات پر موقوف ہے اسلئے اس کا حکم خلافت کے انعقاد میں موثر نہیں، اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ حکم ان مصالح عامہ میں سے ہے جس کی نظیر سے خاص تقررات اور نامزدگیوں میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، کیونکہ بنی امیہ اور بنی عباس ہر دو کے دور حکومت میں ایسا کیا گیا ہے مگر ان کے اس فعل پر معاصر علماء نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ سلیمان بن عبدالملک کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ اس نے اپنے بعد عمر بن عبدالعزیز کو اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اگر سلیمان کے پاس ایسا کرنے کی دلیل نہ بھی تھی تو

بھی اس کے ایسے معاصر علمائے تابعین کا جو حق کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت پر اعتنا نہیں کرتے اس انتظام کو منظور کر لینا ہی اس کے جواز کی دلیل ہو گیا۔ رشید[2] نے اپنے زمانے کے اکابر علمائے امت سے مشورہ کرکے اپنے تین بیٹوں امین، مامون، اور موتمن کو ترتیب وار ولی عہد خلافت مقرر کیا۔

جب خلیفہ نے علی الترتیب تین ولی عہد مقرر کئے اور وہ مر گیا اور یہ تینوں زندہ ہیں تو خلافت اس کے مرنے کے بعد اول کو ملے گی اگر اول خلیفہ کی زندگی ہی میں مر گیا تو اب اس خلیفہ کے بعد خلافت دوسرے ولیعہد کو ملے گی، اگر اول اور دوسرا دونوں ولی عہد خلیفہ کی زندگی میں مر گئے تو خلیفہ کے مرنے کے بعد تیسرے ولی عہد کو خلافت ملے گی، کیونکہ خلیفہ نے اپنے بعد ان میں سے ہر ایک کو عہد خلافت دے دیا ہے۔

اگر خلیفہ مر گیا اور اس کے تینوں مقرر کردہ ولی عہد زندہ ہیں اور اب پہلا ولیعہد خلیفہ ہو گیا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ ان دونوں باقی ولی عہدوں کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی عہد مقرر کرے تو بعض فقہا نے ایسا کرنے سے اس ترتیب کی بنا پر جو ان میں خلیفۂ سابق نے قائم کر دی ہے منع کیا ہے البتہ صرف اس صورت میں اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا جبکہ خود ولی عہد خوشی سے اپنے حق سے دست بردار ہو جائے، سفّاح نے منصور کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اس کے بعد عیسیٰ ابن موسیٰ کو مگر بعد ازاں منصور نے مہدی کو عیسیٰ پر مقدم کرنا چاہا تو خود عیسیٰ بن موسیٰ نے اپنے حق خلافت سے دست برداری اختیار کی تب ایسا کیا۔ اس زمانے میں اگرچہ اکثر و بیشتر فقہائے امت موجود تھے مگر انھوں نے منصور کے لئے یہ بات جائز نہ سمجھی کہ وہ عیسیٰ کو محض اپنے حکم سے جبراً اس کے حق خلافت سے علیحدہ کر دے، بلکہ خود اس کی خوشی اور رضامندی سے اس کے حق سے استعفا لے کر مہدی کو ولی عہد بنایا۔ مگر امام شافعی اور

جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ولی عہدوں میں سے اب جو خلیفہ ہوا ہے اُسے یہ حق ہے کہ وہ جسے چاہے اپنا ولیعہد بنا لے اور اس کے ساتھ کے ولیعہدوں میں سے جسے چاہے حق خلافت سے علیحدہ کر دے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ترتیب کا فائدہ صرف اس حد تک باقی رہے گا کہ ولیعہد مقرر کرنے والے کی موت کے بعد دیکھا جائے گا کہ اُن ولیعہدوں میں سے اب کون خلافت کا مستحق ہے اور جب باعتبار ترتیب قائم کردہ ان میں سے کوئی ایک خلیفہ ہو گیا تو اب اپنے جانشین کے لئے اسے زیادہ حق حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے مقرر کر دے کیونکہ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد تمام اختیارات کلی وجزئی اسے حاصل ہو گئے تو اب اسے اس بات کا زیادہ قوی حق حاصل ہو گیا کہ وہ جسے چاہے ولیعہد مقرر کرے اور اسی کا تقرر اب زیادہ نافذ العمل ہوگا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے جیش موتہ پر امرا کی جو ترتیب قائم کر دی تھی وہ اس ما بہ البحث حق کے خلاف ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم اس وقت بقید حیات تھے اور امارت کے معاملات کسی اور کی جانب اس وقت تک منتقل نہیں ہوئے تھے ان دونوں صورتوں کا ایک حکم اسوقت ہوتا جبکہ رسول اللہ صلعم کے انتقال سے معاملات امارت کسی دوسرے کے تفویض ہو گئے ہوتے اور چونکہ ایسا نہیں ہوا تھا اس لئے دونوں احکام کی ایک نوعیت قائم نہیں رہی۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے اس کے حق سے دست برداری کے لئے اس لئے رضامندی حاصل کی تاکہ وہ اپنے خاندان کی تالیف قلوب کرے کیونکہ بنی عباس کی سلطنت کو قائم ہوئے ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا اور ان میں کا ہر شخص اپنے تئیں خلافت کا مستحق سمجھتا تھا اور وہ ایک دوسرے سے رقابت رکھتے تھے اس لئے اس کا یہ فعل زیادہ تر سیاست ملکی پر مبنی تھا، حالانکہ اگر وہ خود ہی اسے حق خلافت سے علیحدہ کر دیتا تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز تھا۔

اس ترتیب کی بنا پر اگر ولی عہدوں میں سے پہلا ولی عہد خلیفہ ہونے کے بعد مرجائے اور اس نے دو باقی ولی عہدوں کے علاوہ کسی اور کو ولی عہد بھی مقرر نہ کیا ہو تو اس کے بعد اب دوسرا ولی عہد پہلے ولی عہد کے بموجب خلیفہ ہوگا اور قایم شدہ ترتیب کی بنا پر اسے تیسرے پر مقدم کیا جائے گا اگر یہ دوسرا کسی اور کو ولی عہد مقرر کئے بغیر مرگیا تو اب تیسرا ولی عہد خلیفہ ہوگا کیونکہ تقرر کرنے والے کے حق تقرر کی صوت اس بات کو چاہتی ہے کہ اس کا تقرر تینوں کے لیئے اس وقت تک سود مند ہو جبتک کہ اسکے بعد کسی اور تقرر نے اس کے اس تقرر کو کالعدم نہ کردیا ہو۔

ان تینوں میں سے اول کے لئے یہ تقرر قطعی ہے اور دوسرے دونوں کے لئے موقوف ہے کیونکہ پہلے کو اس حق سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اس لیئے اس کے لئے قطعی ہوا اور مذکورۂ بالا مذہب کے بموجب دوسرے اور تیسرے کو اس حق سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے اس لئے ان دونوں کے لئے موقوف ٹھہرا۔

اگر ان تینوں میں سے پہلا خلیفہ ہونے کے بعد کسی کو اپنا ولیعہد مقرر کئے بغیر مرگیا اور اہل حل وعقد نے ارادہ کیا کہ دوسرے ولیعہد کے بجائے وہ کسی اور کو خلیفہ بنالیں تو ان کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اگر اسی طرح دوسرا بھی خلیفہ ہونے کے بعد مرگیا تب بھی اہل حل وعقد کو تیسرے ولی عہد کے بجائے کسی اور کو خلیفہ بنانے کا حق نہیں، مگر دوسرے ولیعہد کے لئے خلیفہ ہونے کے بعد یہ جائز ہے کہ وہ تیسرے کے بجائے کسی اور کو اپنا ولی عہد بنالے مگر جبتک ایسا کیا نہیں گیا ہے اس وقت تک اہل حل وعقد تیسرے کو اس کے حق خلافت سے محروم نہیں کرسکتے، البتہ اگر تقرر کرنے والے خلیفہ نے اپنے ولی عہد مقرر کرتے وقت یہ کہا کہ میں فلاں کو ولی عہد بناتا ہوں اور جب میرا ولی عہد خلیفہ ہوجائے تو پھر اسکے بعد فلاں خلیفہ ہو اس صورت میں دوسرے کی خلافت صحیح نہیں نہ اس سے وہ ولی عہد ہوا کیونکہ سردست تو اس نے اسے ولیعہد نہیں مقرر کیا ہے

بلکہ پہلے ولی عہد کے خلیفہ ہونے کے بعد اسے ولی عہد مقرر کیا ہے اور یہ ممکن ہے کہ وہ پہلا ولی عہد اپنے خلیفہ ہونے سے پہلے ہی مرجائے تو اب اس کی خلافت کی بنا ر پر اس کا جو عہد موثق ہوتا وہ نہ ہوا اس لئے سرے سے اس کی ولیعہدی ہی درست نہیں، اور پہلے ولی عہد کے لئے خلیفہ ہونے کے بعد یہ جائز ہے کہ وہ اس دوسرے کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی عہد مقرر کرلے اور اگر وہ بغیر تقرر کئے مرگیا تو اہل حل وعقد کو بھی اب یہ اختیار رہے کہ وہ اس دوسرے کے علاوہ بھی جسے چاہیں خلیفہ بنالیں

فصل

جب کوئی شخص عہد سابق یا انتخاب کے ذریعے سے خلیفہ متعین ہوجائے تو تمام امت کے لئے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ خلافت فلاں شخص کو دی گئی ہے جو اپنے صفات ذاتی کی بنا پر اس کا مستحق اور اہل تھا، تمام امت کے لئے خلیفہ کو خود دیکھنا یا اس کے نام سے واقف ہونا ضروری نہیں ہے البتہ ان ارباب حل وعقد کے لیئے اسے دیکھنا، اور اس کے نام سے واقف ہونا ضروری ہے جن کے انتخاب کی بنا پر تمام امت پر خلیفہ کی اطاعت لازم ہوتی ہے اور جن کے بیعت کرنے سے خلیفہ قانونی طور پر مسند خلافت پر متمکن ہوتا ہے۔

سلیمان بن جریر کا قول ہے کہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی معرفت ضروری ہے اسی طرح تمام امت کے لیے خلیفہ کو اپنی آنکھ سے دیکھنا اور اس کے نام سے واقف ہونا ضروری ہے۔ مگر جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ امام کی معرفت تمام امت کے لئے بحیثیت مجموعی ضروری ہے، فرداً فرداً ہر ایک شخص کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ امام کو خود دیکھے یا اس کے نام سے واقف ہو البتہ خاص حوادث کے موقع پر جس میں خلیفہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اُسے اپنی آنکھ سے

دیکھنا اور اس کے نام سے واقف ہونا ضروری ہے اس کی مثال قضاۃ
عدالت اور فقہا مفتیوں کی معرفت کی ضرورت یا عدم ضرورت سے
دیجا سکتی ہے کہ ان اصحاب کی معرفت ہی تمام امت پر مجموعی طور پر ضروری
ہے مگر شخصی طور پر نہیں البتہ سانحات کے پیش آنے کی صورت میں جبکہ
ان کی امداد کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے اس وقت ارباب حاجت
کو انھیں اپنی آنکھ سے دیکھنا اور ان کے نام سے واقف ہونا ضروری
ہے۔ اگر امت کے ہر فرد پر امام کا خود دیکھنا اور اس کے نام سے
واقف ہونا لازمی کر دیا جائے تو تمام امت کو امام کی طرف ہجرت کرنا
پڑے گی اور دور و دراز ممالک کے باشندوں کا اپنے گھروں میں بیٹھا
رہنا جائز نہ ہوگا ایسی صورت میں سب لوگ اپنے گھر بار خالی کر کے
چلے آئیں گے اور یہ ایک بالکل انوکھی بات ہوگی جس سے فساد کا
اندیشہ ہے۔

جب تمام امت کے لئے صرف اسی صورت سے جو ہم نے
بیان کی ہے خلیفہ کی معرفت لازمی ہوگئی تو اب تمام امت کو چاہیے کہ
وہ اپنے مصالح عامہ کلی طور پر بغیر اسے مشورہ دیئے یا اس سے معارضہ
کئے اس کے تفویض کر دیں تاکہ وہ انتظام و انصرام امور عامہ کے متعلق
اپنے فرائض انجام دینے لگے۔ اسے "خلیفہ" کے نام سے پکارا جائے
کیونکہ وہ امت کے لئے رسول اللہ صلعم کا قائم مقام ہے۔ اسے خلیفۂ
رسول اللہ کہنا بھی جائز ہے مگر عام طور پر صرف خلیفہ ہی کہا جاتا ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اُسے خلیفہ اللہ بھی کہہ سکتے
ہیں؟ بعض لوگوں نے اسے اس بنا پر جائز رکھا ہے کہ وہ مخلوق خدا
میں اس کے حقوق کو قائم کرتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے
بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے "وھو الذی جعلکم خلائف الارض
ورفع بعضکم فوق بعض درجات (ترجمہ) اور وہ ایسی ذات ہے جس نے
تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا اور بعض کو بعض پر کئی کئی درجے بڑھا دیا) مگر

جمہور علماء نے اس سے منع کیا ہے اور ایسا کہنے والے کو فاجر کہا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ اس کا ہوتا ہے جو غائب ہو یا جسے موت آجائے خداوند عالم نہ غائب ہو سکتا ہے اور نہ اسے موت آئے گی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو لوگوں نے یا خلیفۃ اللہ کہکر پکارا آپ نے فرمایا میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں بلکہ خلیفۂ رسول اللہ صلعم ہوں۔

خلیفہ کے حسب ذیل دس فرائض ہیں:۔

(پہلا) وہ دین کی حفاظت اس کے اصول مستقرہ اور سلف کے اجماع کے مطابق کرے۔ اگر کسی شخص نے مذہب میں کوئی بدعت نکالی یا کوئی متشکک اس سے علیحدہ ہو گیا تو خلیفہ کو چاہیئے کہ وہ دلائل سے اس کے شبہ کو دور کرے جو حق بات ہے وہ اس کے ذہن نشین کرے اور فرائض و منہیات پر اسے کاربند کرے تاکہ دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور امت لغزشوں سے محفوظ رہے۔

(دوسرا) جھگڑنے والوں میں احکام شرعیہ نافذ کرے اور مخاصمتوں کا فیصلہ کرے تاکہ انصاف کا دور دورہ ہو کوئی طاقتور دست تعدی دراز نہ کرنے پائے اور کوئی کمزور مظلوم نہ بنے۔

(تیسرا) ملک کی حفاظت کرے اور دشمن سے اسے بچائے تاکہ تمام لوگ اطمینان سے اپنی زندگی کے کاروبار میں مصروف ہوں اور بغیر جان و مال کے خطرے کے اطمینان سے سفر کر سکیں۔

(چوتھا) حدود شرعیہ کو قائم کرے تاکہ جن باتوں کو اللہ نے محارم قرار دیا ہے ان کا کوئی شخص ارتکاب نہ کرے نیز اس کے بندوں کے حقوق تلف و برباد نہونے پائیں۔

(پانچواں) سرحدوں کی پوری طرح حفاظت کرے کہ دشمن کو اس میں اچانک دراندازی کا موقع نہ رہے تاکہ مسلمانوں اور ذمیوں کی جانیں محفوظ رہیں

(چھٹا) پہلے اسلام کی دعوت دے، نہ ماننے پر مخالفین اسلام سے جہاد کرے تاکہ وہ مخالف یا تو اسلام قبول کریں یا ذمی بن جائیں کیونکہ خدا کی جانب سے خلیفہ پر ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے لئے تمام دوسرے ادیان پر غلبہ و تفوق حاصل کرے۔

(ساتواں) خوف جبر اور زیادتی کے بغیر احکام شرعیہ اور اجتہاد فقہی کے مطابق خراج و صدقات وصول کرے۔

(آٹھواں) بیت المال سے مستحقین کے لئے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کرے نہ اس میں اسراف ہو نہ امساک، اور یہ وظیفے اور تنخواہیں مستحقین کو بلا تقدیم و تاخیر وقت پر دی جائیں۔

(نواں) دیانت داروں کو اپنا قائم مقام اور قابل اعتماد لوگوں کو حاکم و عامل مقرر کرے اور خزانے کو ایسے ہی لوگوں کے سپرد کرے تاکہ انتظام قابل لوگوں سے مضبوط ہو اور خزانہ دیانت داروں کے قبضے میں محفوظ رہے۔

(دسواں) خود تمام امور سلطنت کی نگرانی کرتا رہے اور تمام واقعات سے باخبر رہے تاکہ امت کی پاسبانی اور ملت کی حفاظت وہ خود کر سکے اور عیش و عشرت یا عبادت میں مشغول ہو کر اپنے فرائض دوسروں کے حوالے نہ کر دے کیونکہ ایسی صورت میں دیانت دار بھی خیانت کرنے لگتا ہے اور وفادار بھی خواہ کی نیت میں بھی فرق پڑ جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

"یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ" (ترجمہ)
اے داؤد ہم نے تمھیں زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے تم لوگوں میں حق و صداقت سے حکومت کرو خواہشوں کے پیچھے نہ پڑ جانا ورنہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گی۔

اس آیۃ شریفہ میں خداوند عالم نے محض تفویض خلافت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود خلیفہ کو امور سلطنت کے انجام دینے کا حکم دیا ہے نیز اتباع خواہشاتِ نفسانی میں انھیں بری الذمہ نہیں کیا بلکہ اسے گمراہی سے تعبیر کیا ہے۔ اگرچہ خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کا اسے دینی احکام اور منصب خلافت کی وجہ سے حق حاصل ہے مگر رعیت کے جو حقوق اس پر واجب الادا ہیں ان کی بنا پر اسے ان باتوں سے گریز کرنا چاہئیے، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے تم میں کا ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کی فلاح و بہبود کا جواب دہ ہے ایک شاعر نے ایک اعلیٰ حکمراں کی کیا اچھی تعریف کی ہے، وہ کہتا ہے:

وقلدوا امرکم للہ درکم	رحب الذراع بامر الحرب مضطلعا
لا مترفا ان رخاء العیش ساعدہ	ولا اذا عض مکروہ بہ خشعا
ما زال یحلب در الدھر اشطرہ	یکون متبعا یوما و متبعا
حتی استمر علی شزر مریرتہ	مستحکم الرائ لا قحما ولا ضرعا

(ترجمہ) اللہ ہی کو تمھاری خوبیاں سزاوار ہیں ایسے شخص کو اپنا حاکم بناؤ جو سخی اور جنگجو ہو، اگر وہ خوش حال ہو تو مغرور نہ ہو اور اگر تنگدستی نے اُسے آگھیرا ہو تو وہ اس سے گھبرا نہ جاتا ہو، وہ زمانے کے رنگ کے مطابق کام کرتا ہو۔ کبھی وہ خود دوسرے کی اتباع کرلے اور کبھی لوگ اس کی اتباع کریں اور جب وہ کسی مشکل کام کے کرنے کا ارادہ کرلے تو وہ ایسی مضبوط رائے کا آدمی ہو کہ نہ اس کے لیے وہ لمھڈا ثابت ہو اور نہ کمزور۔"

محمد بن یزداد نے جو مامون کا وزیر تھا یہ شعر مامون کے لئے

کہتے تھے۔

من کان حارس دنیا انہ فمن ان لاینام وکل الناس نوّام
وکیف ترقد عینا من تضیّفہ ھمان من امرہ حل وابرام

"جو دنیا کا نگہبان ہو اسے سزاوار ہے کہ خود نہ سوئے، چاہے تمام عالم سوتا ہو، اور بھلا ایسے شخص کو کیونکر نیند آسکتی ہے جس کا دماغ ہر وقت انتظام سلطنت کی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے۔"

فصل

جب امام نے مذکورۂ بالا حقوق امت کی بجا آوری کی تو اس نے اللہ کے اس حق کو جو اس پر اس کے بندوں کی صیانت و انتظام کے متعلق عائد تھا پورا کر دیا تو اب امت پر یہ واجب ہے کہ جبتک خلیفہ کی حالت میں تغیر نہ ہو وہ اس کی اطاعت و نصرت کرے۔

اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی خلیفہ میں پیدا ہو جائے تو وہ امامت سے خارج ہو جائیگا، پہلی بات اس کے اخلاق (عدالت) کی خرابی۔ دوسری بدن میں کسی نقص کا پیدا ہو جانا، عدالت میں خرابی پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ فاسق ہو جائے ایک فسق یہ ہے کہ اس نے خواہش نفسانی کی اتباع کی دوسری وہ باتیں جو مشتبہ ہیں، پہلی بات افعال جوارح سے متعلق ہے کہ وہ ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب کرے اور شہوت نفسانی سے مغلوب ہو کر اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے بری باتیں کر گزرے، یہ ایسا فسق ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص نہ امام بن سکتا ہے اور نہ امام رہ سکتا ہے، جب کسی امام پر یہ حالت طاری ہو جائے گی وہ امامت سے خارج ہو جائے گا، اور چاہے وہ پھر اپنے اخلاق درست کر کے عادل بن جائے مگر تا وقتیکہ اس کے لئے تجدید بیعت نہ کی جائے وہ امام نہیں ہو سکتا مگر بعض متکلمین کہتے ہیں کہ جب

وہ عادل ہو جائے گا تو بغیر اس کے کہ اس کے لئے کوئی جدید عہد لیا جائے وہ خود بخود امام ہو جائے گا، کیونکہ اس کی ولایت بیعت وسیع ہوتی ہے اور تجدید بیعت میں دشواری لاحق ہوتی ہے، دوسری بات امام کے ایسے اعتقاد سے متعلق ہے جو اس نے کسی شبہ کی بنا پر تاویل کر کے اختیار کر لیا ہو، اور اب اس کے عقائد صحیحہ کے بالکل خلاف تاویل کی جا سکے تو فقہا کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ایسی صورت میں نہ وہ امام بن سکتا ہے اور نہ رہ سکتا ہے اگر کسی امام کے عقائد میں ایسی خرابی پیدا ہو جائے تو وہ امامت سے خارج ہو جائے گا، کیونکہ اب یہ ضروری ہوا کہ کفر کا حکم چاہے وہ تاویل سے ہو یا بغیر تاویل کے حالت فسق کے برابر سمجھا جائے۔ مگر اکثر علمائے بصرہ کا یہ خیال ہے کہ ایسی صورت اسی طرح نہ انعقاد امامت کی مانع ہے اور نہ اس بنا پر کوئی شخص امامت سے خارج ہوگا جس طرح کہ یہ بات ولایت قضا اور شہادت سے نہیں روکتی۔

نقص بدن کی تین قسمیں ہیں۔ ایک نقص حواس، دوسرے نقص اعضا، تیسرے نقص عمل و تصرف۔

اب نقص حواس کی پھر تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو مانع امامت ہے، دوسری جس سے کوئی حرج امامت میں واقع نہیں ہوتا۔ تیسری مختلف فیہ نقص بدن کی اس قسم میں جو مانع امامت ہے دو چیزیں ہیں ایک زوال عقل دوسرے زوال بصارت زوال عقل کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو عارضی ہو اور جس کے دور ہو جانے کی امید کی جاتی ہو جیسے بیہوشی یہ صورت نہ انعقاد امامت کی مانع ہے اور نہ اس بنا پر کوئی شخص امامت سے خارج ہوتا ہے اس لئے کہ یہ ایسا مرض ہے جو تھوڑی دیر تک عارض ہوتا ہے اور جلد دور ہو جاتا ہے خود رسول اللہ صلعم پر حالت مرض میں یہ کیفیت طاری ہو چکی ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو ہمیشہ طاری رہے اور جس کے دور ہونے کی کوئی امید نہ ہو جیسے جنون یا پاگل پن اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ دائمی طور پر لاحق ہو اور کسی وقت بھی اس سے افاقہ نہ ہوتا ہو یہ صورت انعقاد امامت کی بھی مانع ہے اور نیز اس کے لاحق ہونے سے امام امامت سے خارج بھی ہو جائیگا، جب کسی امام کو مستقل طور پر یہ مرض لاحق ہو جائے تو اس کی بنا پر امامت قطعی طور پر باطل ہو جائے گی، اس میں دوسری صورت یہ ہے کہ کبھی کبھی اس مرض سے ایسا افاقہ بھی ہوتا ہو کہ اس کے اثر سے امام بالکل علیحدہ ہو جائے تو اس شکل میں دیکھا جائے گا کہ حالت جنون کا زمانہ زیادہ ہوتا ہے یا حالت صحت کا، اگر پہلی صورت ہے تو اس شکل میں کوئی شخص امام نہیں بنایا جا سکتا، البتہ اگر امام ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی ہے تو اس کے حکم میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلی صورت کا ہے کہ اس کے طاری ہوتے ہی امامت باطل ہو جائے گی کیونکہ ایسی حالت میں امام کی فرائض کی انجام دہی میں اکثر خلل واقع ہوگا، دوسرے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس صورت میں کوئی شخص امام تو نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ انعقاد امامت کے لیئے صحت کامل کی ضرورت ہے مگر امام ہونے کے بعد وہ اس حالت کے طاری ہونے سے اپنی امامت سے اس لئے خارج نہیں ہو سکتا کہ اس کے لئے نقص کامل ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح زوال بصارت انعقاد امامت اور استقرار امامت دونوں کی مانع ہے۔ جب یہ حالت طاری ہوگی تو اس سے امامت باطل ہو جائے گی کیونکہ بصارت کے چلے جانے سے ولایت قضاء باطل ہو جاتی ہے اور شہادت بھی جائز نہیں ہوتی اور جب وہ ان حقوق کو باطل کر دیتی ہے تو امامت تو بدرجۂ اولی ایسی صورت میں باقی نہیں رہ سکتی غشاء عینین یعنے یہ کہ انسان رات کے وقت نہ دیکھ سکے یہ عارضہ مانع انعقاد و استقرار امامت نہیں ہے اس لئے کہ یہ عارضہ ایسا ہے جو

آرام اور راحت کے وقت لاحق ہوتا ہے اور اس کے دور ہوجانے کی امید کی جاتی ہے، البتہ ضعف بصر اگر وہ ایسا ہے کہ دیکھنے سے صورتیں پہچانی جاتی ہیں، تو یہ مانع امامت نہیں البتہ اگر صورتوں کی شناخت نہیں ہوتی تو یہ عارضہ مانع انعقاد و استقرار امامت ہے۔

(دوسری قسم) وہ حواس جن کے نہ ہونے سے امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ دو چیزیں ہیں ایک فقدان قوت شامہ جس سے خوشبوئیں تمیز نہ ہوسکے دوسرے فقدان ذائقہ کہ اشیاء کے مزے میں فرق نہ معلوم ہوسکے یہ باتیں انعقاد امامت میں موثر نہیں اس لئے کہ ان کا اثر لذت پر ہے رائے اور عمل پر نہیں۔

(تیسری قسم) ان حواس کی کمی جن کے متعلق فقہا کا اختلاف ہے ان میں دو چیزیں ہیں، بہرا پن، اور گونگا پن ان کمزوریوں کی موجودگی میں چونکہ تکمیل اوصاف نہیں ہوسکتی اس لئے ایسے شخص کو امام تو نہیں بنایا جاسکتا مگر اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا ان کے بعد کو پیدا ہوجانے سے کوئی امام امامت سے خارج ہوگا کہ نہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ جس طرح بینائی کے چلے جانے سے امامت باطل ہوجاتی ہے اسی طرح ان کمزوریوں کے پیدا ہوجانے سے بھی امامت باطل ہوجائے گی کیونکہ ان قوتوں کا رائے اور عمل پر اثر پڑتا ہے، مگر دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے امام اپنی امامت سے خارج نہیں ہوگا کیونکہ ان کے بجائے اشارہ کام دے سکتا ہے اور امامت سے خارج ہونے کے لئے نقص کامل کی شرط ہے اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام اچھی طرح لکھ سکتا ہے تو ایسی صورت میں وہ امامت سے خارج نہیں ہوگا اور اگر اچھی طرح نہیں لکھ سکتا ہے تو خارج ہوجائے گا اور ان میں فرق یہ ہے کہ لکھا ہوا سمجھ میں آتا ہے مگر اشارے سے جو بات کہی جاتی ہے وہ بھی موہوم ہی ہوتی ہے، مگر پہلا مذہب ہی زیادہ صحیح ہے۔

زبان کی لکنت اور ثقل سماعت ایسی کہ اگر بلند آواز سے بات

کی جائے تو سن سکے ان کمزوریوں کے پیدا ہو جانے سے کوئی شخص امامت سے خارج نہیں ہو گا۔ ان کی موجودگی میں کسی شخص کے لیئے انعقاد امامت کے بارے میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ چونکہ ان کی موجودگی میں کمال اوصاف پایا نہیں جاتا اس وجہ سے کوئی ایسا شخص جس میں یہ کمزوریاں ہوں امام نہیں بنایا جا سکتا اور لوگوں نے کہا ہے کہ یہ نقص مانع انعقاد امامت نہیں ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکنت زبان مانع نبوت نہیں ہوئی تو یہ نقص مانع امامت بدرجۂ اولی نہیں ہو سکتے

فصل

اعضاء کا فقدان۔ اس کی چار قسمیں ہیں ایک وہ جو انعقاد و استقرار امامت کی صحت میں مانع نہیں یعنے اگر وہ نہ ہوں تو تدبیر و عمل یا نقل و حرکت میں ان کا کوئی اثر نہیں اور نہ وہ چہرہ و جسم کی زیبائش کو خراب کرتے ہوں اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی کے اعضائے تناسل قطع کر دئے جائیں تو یہ بات نہ انعقاد امامت میں مانع ہے اور نہ بیعت کے بعد استقرار امامت میں مانع ہے کیونکہ ان اعضاء کا فقدان توالد و تناسل میں موثر ہے مگر تدبیر و تفکر میں بالکل موثر نہیں تو اب یہ صورت پیدائشی نامرد کے قائم مقام ہو گی حالانکہ اللہ تعالی نے حضرت یحیی علیہ السلام کی اسی وجہ سے تعریف و توصیف کی ہے اور فرمایا "وسیدًا وحصورًا ونبیًّا من الصالحین" اس میں اللہ تعالی نے ملفظ حصور استعمال فرمایا ہے اس کے متعلق دو بیان ہیں ایک یہ کہ حصور وہ پیدائشی نامرد ہے جو عورت سے صحبت نہ کر سکے یہ بیان حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت ابن عباس کا ہے دوسرا بیان یہ ہے کہ حصور وہ شخص ہے جس کے یا تو عضو تناسل ہی نہ ہو جس سے وہ عورت سے صحبت کر سکے یا ہو تو اس قدر چھوٹا ہو جیسے کھجور کی گٹھلی۔ یہ بیان سعید بن المسیّب کا ہے۔ بہر حال جب یہ کمزوری مانع نبوت نہ ہوئی تو

مانع امامت بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگی، کان کٹا ہونے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ یہ دونوں باتیں تدبیر وعمل میں حارج نہیں ہوتیں البتہ اس سے ایک قسم کی بدنمائی پائی جاتی ہے تو وہ پوشیدہ ہے اور ممکن ہے کہ وہ اس طرح چھپا رکھی جائے کہ کبھی ظاہر ہی نہ ہو۔

دوسری قسم ان اعضا کے فقدان کے متعلق ہے جن کی وجہ سے نہ امامت کا انعقاد ہو سکتا ہے اور نہ امامت اس کے بعد باقی رہ سکتی ہے یعنے اس قسم کا فقدان جو عمل میں حارج ہو، جیسے دونوں ہاتھوں یا دونوں پیروں کا نہ ہونا جو نقل وحرکت میں حارج ہو۔ ان خرابیوں کی موجودگی میں نہ انعقاد امامت ہو سکتا ہے اور نہ ان کے بعد امامت باقی رہ سکتی ہے کیونکہ یہ خرابیاں امام کو اس کے فرائض کی بجا آوری سے روک دیتی ہیں۔

تیسری قسم ان اعضا کا فقدان ہے جو انعقاد امامت میں تو مانع ہے مگر استقرار امامت میں ان کے مانع ہونے میں اختلاف ہے یعنے یہ کہ اس کی وجہ سے عمل یا نقل وحرکت میں کچھ خرابی واقع ہو جائے جیسے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کا نہ ہونا۔ ان صورتوں میں انعقاد امامت تو صحیح نہیں کیونکہ تصرف کامل کرنے سے امام عاجز رہے گا، البتہ اگر انعقاد امامت کے بعد یہ صورت پیدا ہو گئی ہے تو اس کی وجہ سے خارج از امامت ہونے کے بارے میں فقہا کے دو مذہب ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں امام امامت سے خارج ہو جائے گا کیونکہ یہ ایک ایسی کمزوری ہے جس کے ہوتے ہوئے انعقاد امامت نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے استقرار بھی نہیں رہے گا۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ خرابی انعقاد امامت میں تو مانع ہے مگر انعقاد کے بعد اس سے خارج کرنے کے لئے کافی نہیں کیونکہ جس طرح انعقاد میں کمال سلامتی شرط ہے اسی طرح امامت سے نکلنے کے لئے بھی کمال نقص کی شرط معتبر ہے۔

چوتھی قسم۔ ان اعضا کا فقدان ہے جو استقرار امامت میں

مانع نہیں، البتہ ابتدا میں جن کے انعقاد امامت کے لئے مانع ہونے میں اختلاف ہے۔ یعنے وہ خرابیاں جو محض ظاہری بدنمائی تک محدود ہیں عمل اور نقل و حرکت میں ان کا کوئی اثر نہیں جیسے ناک کا کٹ جانا، یا کانا ہو جانا اگر یہ خرابیاں انعقاد امامت کے بعد لاحق ہوئی ہوں تو اس سے امام امامت سے خارج نہ ہوگا کیونکہ اس کے فرائض کی بجاآوری میں ان سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا البتہ ان کی موجودگی میں کوئی امام بنایا جا سکتا ہے یا نہیں اس میں فقہا کے دو مذہب ہیں ایک میں یہ چیزیں مانع انعقاد امامت نہیں ہیں کیونکہ یہ ان شرائط میں داخل نہیں ہیں جن کا اعتبار انعقاد امامت میں کیا جاتا ہے کیونکہ یہ خرابیاں امام کے فرائض کی بجاآوری میں مخل نہیں۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ انعقاد امامت میں مانع ہیں کیونکہ امامت کے شرائط ضروری میں سے سلامتی بھی ہے تاکہ امت کے حکمران ہر قسم کی بدنمائی ونقص سے پاک ہوں اور ان پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی نہ کی جا سکے کیونکہ ان خرابیوں کی وجہ سے رعب وداب میں فرق پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے لوگ اطاعت سے متنفر ہو جاتے ہیں اور ہر ایسی چیز جس سے یہ صورت معاملات پیدا ہو جائے وہ یقینی طور پر ایسا نقص ہے جس کا تعلق حقوق امت سے ہے۔

فصل

فرائض کی بجاآوری میں نقص، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک اعتزال دوسری مجبوری، اعتزال یہ ہے کہ امام کے مشیروں اور مددگاروں میں سے کوئی شخص اس پر ایسا حاوی ہو جائے کہ وہ خود تمام احکام نافذ کرے اور اس پر عمل کرائے، اب اگر اس شخص نے کھلم کھلا اطاعت امام سے انحراف نہیں کیا تو یہ صورت امام کے لئے مانع امامت نہیں ہے اور نہ اس کی آئینی حکومت میں کوئی حرج واقع ہوگا، البتہ اس کارکن کے افعال پر غور کیا جائے گا وہ

افعال اگر احکام دین اور مقتضائے عدل کے مطابق ہوں گے تو اس کا اس منصب پر برقرار رہنا جائز ہے تاکہ امامت کے احکام برابر نافذ و جاری رہیں اور امور دینی کے عدم نفاذ سے امت میں فساد واقع نہ ہو۔

اگر اس شخص کے افعال احکام دینی اور مقتضائے عدل کے خلاف ہوں تو اس کا اس منصب پر فائز رہنا جائز نہیں اور اس وقت امام کے لئے لازم ہے کہ وہ کسی اپنے شخص سے امداد طلب کرے جو اس غاصب کے اختیارات سلب کر کے اس کے اقتدار کو اٹھا دے۔

دوسری قسم "مجبوری" یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی طاقتور دشمن کے ہاتھ میں قید ہو جائے کہ اس کی رہائی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں وہ امام نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ وہ اب مسلمانوں کے معاملات کی روبکاری سے عاجز ہے، دشمن چاہے مشرک ہو یا کوئی باغی مسلمان دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے اور امت کو اختیار ہے کہ اس کی جگہ کسی اور صاحب مقدرت کو اپنا امام بنائے۔

اگر انعقاد امامت کے بعد امام قید ہو گیا ہے تو تمام امت پر اسے رہائی دلانا واجب ہے کیونکہ منصب امامت پر فائز ہونے کے بعد تمام امت کو اس کی مدد کرنا ضروری ہے اور جب تک اس کی رہائی کی امید فدیہ یا جنگ کے ذریعے سے باقی رہے گی وہ بدستور امام سمجھا جائے گا۔

جب اس کی رہائی سے مایوسی ہو جائے تو اس کے قید کرنیوالے یا مشرک ہوں گے یا باغی مسلمان، اگر وہ مشرکین کے ہاتھ میں قید ہو گیا ہے تو چونکہ اب اس کی رہائی سے مایوسی ہو چکی ہے وہ امامت سے خارج ہو جائے گا اور ارباب حل و عقد کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی اور کو امام بنا لیں۔

اگر کسی کو حالت قید میں امام بنایا گیا تو دیکھا جائے گا کہ عہد امامت

کس وقت لیا گیا ہے، اگر وہ عہد ایسی حالت میں ہوا ہے جب کہ رہائی کی کوئی امید باقی نہ تھی تو یہ عہد باطل ہے کیونکہ یہ عہد اس وقت ہوا ہے جبکہ وہ امامت سے خارج ہو چکا ہے اس لئے یہ صحیح نہیں۔

اگر عہد امامت ایسے وقت میں لیا گیا ہے کہ ابھی اس کی رہائی سے مایوسی نہیں ہوئی اور ابھی اس کی رہائی کی امید باقی ہے تو یہ عہد صحیح ہے کیونکہ امامت ہنوز باقی ہے۔

جب کسی امام کی رہائی سے مایوسی ہو جائے تو اس کے ولی عہد کی امامت استقرار پا جائے گی، کیونکہ امام کی امامت اب زائل ہوگئی اب اگر اس ولی عہد کی امامت کے انعقاد پذیر ہونے کے بعد امام کو قید سے رہائی مل گئی تو اس کی رہائی میں غور کیا جائے گا، اگر وہ مایوسی کے بعد رہا ہوا ہے تو اب وہ امام نہیں ہو سکتا کیونکہ رہائی سے مایوسی طاری ہونے کی وجہ سے وہ امامت سے خارج ہو چکا اور اس کا ولی عہد بدستور امام رہے گا البتہ اگر وہ مایوسی طاری ہونے سے پہلے چھوٹ گیا ہے تو وہی بدستور امام ہے اس کا ولی عہد ولی عہد باقی رہے گا اگرچہ وہ صحیح طور پر امام نہیں ہوا۔

اگر امام مسلمان باغیوں کے ہاتھ میں قید ہے اور اس کی رہائی کی توقع ہے تو وہ بدستور امامت پر قائم رہے گا اور اگر رہائی سے مایوسی ہو چکی ہے تو ان باغیوں کی ان دو حالتوں میں سے ایک حالت ہوگی یا تو انھوں نے اپنا کوئی امام مقرر کر لیا ہوگا یا نہ کیا ہوگا اور بدنظمی کا دور ہوگا دوسری شکل میں مقید امام بدستور اپنی امامت پر قائم رہے گا کیونکہ امام کی وہ بیعت کر چکے ہیں اور اس کی اطاعت ان پر واجب ہے یہ صورت بعینہ ایسی ہے جس طرح کہ امام اعتزال کی حالت میں اہل عدل کے زیر اثر ہو جاتا ہے، اور اب اہل حل وعقد کو یہ اختیار ہے کہ اگر خود امام کسی کو اپنا جانشین نہ بنا سکے تو وہ خود کسی کو اس کا قائم مقام بنائیں اگر وہ کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کر سکے تو وہ اس تقرر کرنے کا دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہے۔

اگر اس مقید امام نے امامت سے خود علیحدگی اختیار کر لی یا وہ مر گیا تو یہ قائم مقام امام نہیں ہو سکتا کیونکہ قائم مقامی موجود کی ہوتی ہے اور جب اصل ہی نہ رہا تو نیابت بھی ختم ہو گئی۔

اگر باغیوں نے کسی کو اپنا امام بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور اس کی اطاعت میں اپنی گردنیں خم کر دی ہیں تو وہ امام جو ان کے ہاتھوں میں قید ہے رہائی سے مایوسی طاری ہونے کے باعث منصب امامت سے خارج ہو جائے گا اس لیے کہ انھوں نے اسے ایک ایسے گھر میں بند کر دیا ہے جہاں اس کی حکومت جماعت عامہ سے علیحدہ ہو چکی ہے اور وہ لوگ اپنی اس جدید بیعت کے باعث اس کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں تو اب جو اہل عدل موجود ہوں ان کے لیے اس کی امداد کرنا ضروری نہ رہا اور نہ خود اس مستند امام کو کوئی قدرت رہی، البتہ دارالعدل میں ارباب حل و عقد کو چاہیئے کہ وہ کسی اور کو اپنا امام بنا لیں اب اگر مقید امام رہائی بھی پالے تو بھی وہ امام نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ پہلے ہی امامت سے خارج ہو چکا ہے۔

فصل

احکام امامت کی اس تفصیل کے بعد جو ہم نے اوپر بیان کی ہے کہ مذہب و قوم کے تمام مصالح امامت سے وابستہ ہیں اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص باقاعدہ امام بن جائے تو وہ اپنے اختیارات اپنے اس چار قسم کے عہدہ داروں کو تفویض کر دیتا ہے۔

پہلی قسم میں وہ عہدہ دار ہیں کہ امام اپنے اختیارات عامہ انکے سپرد کر دیتا ہے یہ وزرا ہیں جو بلا تخصیص تمام امور میں امام کی نیابت کرتے ہیں، دوسری قسم میں وہ عہدہ دار ہیں جو خاص خاص حلقوں میں امام کے اختیارات عامہ استعمال کرتے ہیں ان میں صوبوں کے نظماء اور شہروں کے

عامل ہیں، ان کی حکومت اگرچہ ایک مخصوص حصۂ ملک پر ہوتی ہے مگر ان کو کلّی اختیارات حاصل ہوتے ہیں، تیسری قسم میں وہ عہدہ دار ہیں جنھیں خاص خاص شعبوں میں اختیارات کلّی حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے قاضی القضاۃ، نقیب لشکر، محافظ سرحد، مالگزاری کا افسر اعلیٰ، صدقات کا محصّل اعلیٰ یہ عہدہ دار اپنے اپنے مخصوص شعبوں میں اختیارات کلّی رکھتے ہیں، چوتھی قسم میں وہ عہدہ دار ہیں جنھیں خاص حلقوں میں محدود اختیارات حاصل ہوں۔ مثلاً کسی صوبے یا شہر کا قاضی، کسی صوبے یا شہر کا مالگزاری کا افسر یا اس کا محصّل صدقات اس کی سرحد کا محافظ یا وہاں کی فوج کا نقیب ان میں سے ہر ایک کے اختیارات خاص خاص حلقوں میں محدود ہیں۔

ان تمام عہدہ داروں کے تقرر کے لیئے شرائط ہیں جن کی وجہ سے ان کا تقرر کیا جاتا ہے اور انھیں شرائط کی موجودگی میں امام کے لیے ان کا تقرر درست ہے خدا نے چاہا تو اب ہم ان تمام شرائط کو ان کے ابواب اور موقع پر بیان کریں گے۔

دوسرا باب

تقرر وزارت کے متعلق

وزارت کی دو قسمیں ہیں وزارت تفویض اور وزارت تنفیذ۔ وزارت تفویض کے یہ معنی ہیں کہ امام کسی شخص کو وزیر بنا کر امور سلطنت کی باگ اسکے ہاتھ میں دیدے جسے وہ اپنی رائے اور صوابدید سے انجام دے اس قسم کی وزارت کے جواز کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ان کی زبانی فرماتا ہے واجعل لی وزیرا من اھلی ھرون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری"

ترجمہ:- میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا تاکہ اس کی مدد سے میں اپنی کمر مضبوط کرلوں اور اسے اپنے کام میں شریک کرلوں"

جب نبوت میں وزارت جائز ہے تو امامت میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہے کیونکہ امام جس کے سپرد تمام امت کے معاملات کی انجام دہی ہے وہ خود اپنے اختیارات کو تقسیم کئے ہوئے بغیر ان تمام معاملات کو انجام نہیں دے سکتا، نیز تدبیر حکومت میں ایک شخص کا اور شریک ہوجانا شخص واحد کے مقابلے میں زیادہ مفید ہے کیونکہ اس صورت میں امام اپنے وزیر سے معاملات ملکی میں امداد اور مشورہ لیتا رہے گا اور اسطرح

غلطیوں اور لغزشوں سے زیادہ محفوظ رہے گا۔"

ایک ایسے وزیر کے تقرر میں جو اس قسم کے اختیارات کا حامل ہو سوائے نسب کے وہی شرائط معتبر ہیں جو خود امامت کے لئے ضروری ہیں کیونکہ یہ عہدہ نہایت ذمہ داری کا ہے اور اس میں اپنی عقل و اجتہاد رائے سے بھی کام لینا پڑتا ہے اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ مجتہدین کے صفات اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اس عہدے کے لئے امامت کے شرائط کے علاوہ اور چند شرائط بھی ضروری ہیں یعنی وزیر کو جنگی اور مالی معاملات سے بخوبی آگاہی ہونا چاہیئے کیونکہ بعض مرتبہ یہ کام خود اسے کرنا پڑتے ہیں اور بعض مرتبہ وہ دوسروں سے ان کاموں کو انجام دلاتا ہے تو جب تک وہ خود ان معاملات سے باخبر نہ ہوگا وہ مناسب آدمی کا تقرر نہ کرسکے گا اور نہ ان کی عدم موجودگی میں خود ان کاموں کو انجام دے سکے گا' یہ شرط وزارت کی بنیاد ہے جس سے سیاست ملک قائم ہوتی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ مامون رضی اللہ عنہ نے وزراء کے تقرر کے متعلق لکھا تھا کہ میں اپنی حکومت کے امور ایک ایسے شخص کے سپرد کرنا چاہتا ہوں جس میں تمام خوبیاں موجود ہوں' وہ عفیف اور وضعدار ہو' مہذب و تجربہ کار ہو' اسرار حکومت کا امین ہو' مشکل سے مشکل کاموں میں مستعد ہو' جس کے سکوت سے علم اور گفتگو سے علم نمایاں ہو' صرف آنکھ کے اشارے سے وہ بات سمجھ جائے اور ایک لمحے کی مدت ہی اسکے لیے کافی ہو' اس میں امرا کا سا دبدبہ ہو' حکما کی سی دوراندیشی' علماء کی سی تواضع اور فقہا کی سی سمجھ ہو' اگر اس پر احسان کیا جائے تو وہ ممنون ہو' اگر کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو صبر کرے وہ آج کے فائدہ کو کل کے نقصان کی وجہ سے ضائع نہ کرے' وہ اپنی چرب زبانی اور فصاحت سے قلوب کو موہ لے۔

کسی شاعر نے ان اوصاف کو اختصار کے ساتھ اپنے ان اشعار میں جو اس نے بنی عباس کے کسی وزیر کی مدح میں لکھے ہیں جمع کردیا ہے

بدیھتہ وفکرتہ سواء اذا شتبھت علی الناس الامور
واحزم مایکون الدھر یوما اذا اعیا المشاور والمشیر
وصدر فیہ للھم اتساع اذا ضاقت من الھم الصدور

ترجمہ:۔ اس کا سوچکر یا بغیر سوچے کسی کام کا کرنا دونوں برابر ہیں درآنحالیکہ اور لوگوں کے لئے ان کا صحیح طور پر عمل میں لانا سخت دشوار ہو رہا ہو۔

وہ نفس نہایت ہی دور اندیشی سے کام لیتا ہے حالانکہ مشورہ لینے اور مشورہ دینے والے دونوں عاجز ہوگئے ہیں وہ ایسا فراخ سینہ ہے کہ ہر قسم کے رنج وغم کو برداشت کرلیتا ہے جب کہ اوروں میں اس کے برداشت کی طاقت نہیں رہی۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ یہ تمام اوصاف کسی ایک شخص میں جمع ہوجائیں اور اگر جمع ہوجائیں تو اس کے انتظام کی خوبی ہر شے میں پائی جاتی ہے اور وہ جو بات کرتا ہے اُسے تکمیل کو پہنچا دیتا ہے۔

اگر ان شرائط میں کمی ہوگی تو اسی نسبت سے انتظام حکومت میں بھی خلل واقع ہوگا، یہ باتیں اگرچہ خالص دینی شرائط میں داخل نہیں ہیں مگر یہ ایسے سیاسی شرائط ہیں جن کا دینی شرائط سے اس لیے تعلق ہے کہ امت وملت کے مصالح کے لیے ان شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

جب کسی شخص میں یہ شرائط موجود ہوں تو اس کے تقرر کے معاملے میں اس خلیفہ کا جو اُسے اپنا وزیر بنا رہا ہے حکم صریح کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ یہ معاملہ "تقرر" کے متعلق ہے جس میں معاہدے کی ضرورت ہوتی ہے اور معاہدہ بغیر قول صریح کے درست نہیں ہوتا۔

اگر کسی خلیفہ نے کسی کو امور سلطنت کی نگرانی کی اجازت دی تو یہ اجازت سرکاری طور پر تقرر وزارت کا حکم نہیں رکھتی۔

البتہ عرف عام میں عہدۂ وزارت پر حکام کا تقرر ایسے لفظ کے ساتھ ہونا چاہئے جس میں یہ دو باتیں موجود ہوں ایک "عام نگرانی" دوسرے "نیابت" اگر تقرر میں صرف "عام نگرانی" سپرد کی گئی ہے

اور نیابت نہیں دی گئی ہے تو یہ تقرر ایک مخصوص عہدے کے لیے محدود ہوگا اس سے کوئی شخص وزیر نہیں ہو سکتا۔

اگر تقرر میں صرف "نیابت" کا اظہار کیا گیا ہے تو اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نیابت کن امور میں دی گئی، آیا امور عامہ سپرد کیے گئے ہیں یا مخصوص کاموں کے لیے نائب مقرر کیا گیا ہے یا اختیارات کلی عطا ہوئے ہیں یا محض اجرائے احکام کا اختیار تفویض ہوا ہے، پس ان حالات میں محض اس لفظ سے وزارت کا تقرر نہیں ہو سکتا البتہ جب دونوں باتیں جمع کر دی جائیں تو وزارت کا تقرر مکمل ہو جائے گا۔

ان دونوں باتوں کا یکجا ہونا دو طریقوں پر ہوتا ہے۔

ایک احکام عقد کے ساتھ خاص طور پر اگر یہ کہا جائے "میں تم کو اس منصب میں اپنا نائب بناتا ہوں جس پر میں فائز ہوں" تو اس سے وزارت انعقاد پذیر ہو جاتی ہے، کیونکہ اس جملے میں عام نگرانی اور نیابت دونوں جمع کر دی گئی ہیں۔

اگر امام نے کسی سے کہا "میرے منصب کی تم نیابت کرو" اس جملے سے دونوں باتیں پائی جاتی ہیں ممکن ہے کہ اس سے وزارت منعقد ہو جائے، کیونکہ اس لفظ میں عام نگرانی اور نیابت دونوں جمع ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وزارت منعقد نہ ہو اس لیے کہ یہ جملہ محض "اجازت" ہے اور اس سے پہلے عقد کی ضرورت ہے اور احکام عقود میں محض اجازت سے عقد صحیح نہیں ہوتا۔

البتہ اگر کسی امام نے یہ کہا "میں تم کو اپنے اس منصب میں جس پر میں ہوں اپنا نائب بناتا ہوں" اس سے وزارت منعقد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس جملہ میں اجازت سے قطع نظر کر کے الفاظ عقد استعمال کیے گئے ہیں اگر امام نے کہا "اس امر کی نگرانی کرو جو مجھے حاصل ہے" تو اس سے وزارت منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آیا اس سے مراد امور سلطنت میں

غور و خوض کرنا ہے، یا ان کا اجرا ہے، یا تعمیل کرنا ہے، اور عقد مشتبہ الفاظ سے تاوقتیکہ کہ اس کا اشتباہ دور نہ کر دیا گیا ہو ثابت نہیں ہوتا۔

عقود عامہ میں جنھیں خود خلفا یا سلاطین اقوام خود انجام دیتے ہیں ان شرائط موکدہ کا ان دو وجوہ سے لحاظ نہیں کیا جاتا جن کا تقررات خاص میں کیا جاتا ہے ایک تو یہ کہ ان کی عادت یہ ہوگئی ہے کہ وہ بجائے بہت سی باتوں کے مختصر بات (حسکم) کیا کرتے ہیں اور یہ بات اس طبقۂ خاص کی عادت عرفی ہوگئی ہے بلکہ بسا اوقات انھیں بات کرنا بھی ناگوار گزرتا ہے اور اس کے بجائے وہ اشارے ہی سے کام لیتے ہیں البتہ شرع میں ایک ناطق سلیم کا محض اشارے سے کوئی بات کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا مگر ان لوگوں نے اپنی عادت کی وجہ سے اس معاملے میں شریعت کے حکم کو گویا خارج کر دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ چونکہ خلفا کی یہ عادت ہے کہ وہ خود بہت کم ان عقود کو انجام دیتے ہیں اس لئے ان دوسرے قرائن کی وجہ سے جو اس کارروائی کے سرانجام دیتے وقت پائے جائیں ان کے مجمل لفظ کو بھی ایک مقصود خاص پر محمول کیا جائے گا مگر مجرد احتمال سے اس تقرر میں کوئی فائدہ نہیں یہی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

دوسری وہ جو اس منصب جلیلہ کی تاریخ میں زیادہ عام ہے یہ ہے کہ امام کسی شخص سے کہے "میں نے تمھاری نیابت کو برائے کارہائے کے لیے تم کو وزیر مقرر کیا" اس جملے سے یہ وزارت منعقد ہو جائے گی اس لئے کہ اس میں عمومیت منظر اس جملہ سے کہ میں نے تم کو وزیر بنایا اس لیے موجود ہے کہ وزرا کی نگرانی عام ہوا کرتی ہے، اور نیابت تو صراحتاً مذکور ہے، یہ شکل وزارت تنفیذ سے نکل کر وزارت تفویض ہوگئی ہے۔

اگر امام نے کہا کہ میں نے اپنی وزارت تم کو تفویض کر دی" اس جملے سے دونوں شکلیں ممکن ہیں، ممکن ہے کہ اس سے وزارت تفویض

کا انعقاد ہو کیونکہ تفویض کے کھسکنے سے یہ وزارت تنفیذ سے خارج ہو گئی اور ممکن ہے کہ اس سے وزارت تفویض منعقد نہ ہو کیونکہ تفویض اس وزارت کے اور احکام میں سے ایک حکم ہے اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے لئے پہلے سے صریح عقد ہو مگر پہلا خیال زیادہ قرین ثواب ہے۔

اس بحث کو پیش نظر رکھ کر اگر امام نے کہا "ہم نے وزارت کو تمہارے تفویض کر دیا" تو یہ جملہ انعقاد وزارت تفویض کے لئے بالکل کافی ہے، کیونکہ صاحبان امر اپنے لیئے ہمیشہ جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں اور چونکہ وہ اپنے آپ کو کسی شئے کے انتساب سے بالاتر سمجھتے ہیں اس لیے اس میں عمومیت کی شان پیدا کر دیتے ہیں اس لیے ان کا یہ کہنا کہ ہم نے وزارت کو تمہارے تفویض کر دیا' یہ مرادف اس جملے کے ہے کہ میں نے تمہارے تفویض کر دیا نیز مجرد "وزارت" بجائے "اپنی وزارت" کے انعقاد وزارت تفویض کے لئے زیادہ عمدہ اور مختصر جامع ہے۔

اگر ملوک کے علاوہ اور کسی نے اپنے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا اور اضافت ترک کر دی تو اس کا وہ فائدہ نہ ہوگا جو شکل اول میں ہوا کیونکہ یہ صورت معہود عرفی سے خارج ہے اور وہ اختیار صرف صاحبان امر ہی کو حاصل ہے۔

اگر امام نے کہا "میں نے اپنی وزارت تمہارے سپرد کر دی" یا "ہم نے وزارت تمہارے سپرد کر دی" مجرد اس سے کوئی شخص وزیر مفوض نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ تفویض کا اظہار نہ کر دیا جائے اللہ تعالے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں کہتا ہے' واجعل لی وزیرا من اهلی هارون اخی اشدد به ازری واشرکه فی امری (ترجمہ) اے اللہ میرے خاندان سے میرا وزیر بنا' میرے بھائی ہارون کو تاکہ میں اپنی پیٹھ اس سے مضبوط کر دوں' اسے تو میرے کام میں شریک کر۔

اس دعا میں حضرت موسیٰ نے مجرد وزارت کے لفظ کا ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی پیٹھ کی مضبوطی اور شرکت سے اس کے معنی واضح کر دیئے وجہ اسکی یہ ہے کہ لفظ وزارت کے اشتقاق میں تین اختلاف ہیں ایک یہ کہ لفظ وزر "بوجھ" سے ماخوذ ہے کیونکہ وزیر اپنے بادشاہ کے بوجھ کو اٹھاتا ہے دوسرے یہ کہ یہ وزر "ملجا و ماوی" سے ماخوذ ہے جیسا کہ کلام اللہ میں آیا ہے "کلا لا وزر" (یعنے کوئی ملجا، باقی نہیں اور چونکہ بادشاہ اپنے وزیر کی رائے اور اعانت میں پناہ لیتا ہے اسی لئے اسے وزیر کہتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ آوزر سے ماخوذ ہے جس کے معنی پشت کے ہیں اور جسطرح کہ انسان کا جسم اس کی پشت سے قوی اور مضبوط ہوتا ہے اسی طرح بادشاہ اپنے وزیر کی وجہ سے قوی اور مضبوط ہوتا ہے۔

ان تینوں ماخذوں میں سے جس کسی سے اس لفظ کو ماخوذ سمجھا جائے اس سے امور سلطنت میں اختیار کلی ہونے کا مفہوم مستنبط نہیں ہوتا ہے۔

فصل

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس طرح وزارت تفویض منعقد ہوتی ہے تو اگرچہ اس وزارت کو اختیارات عامہ حاصل ہوتے ہیں مگر یہ دو باتیں ایسی ہیں جس سے امامت اور وزارت میں فرق پیدا ہوجاتا ہے ان میں سے پہلی بات وزیر سے مختص ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ جو اختیارات کام میں لاتا ہے، یا جو احکام نافذ کرتا ہے وہ امام کے ہوتے ہیں اس کے نہیں ہوتے، دوسری بات امام سے مختص ہے اور وہ یہ ہے کہ امام کو یہ حق ہے کہ وہ وزیر کی تمام کارروائیوں کو دیکھتا رہے ان میں سے جو ٹھیک ہوں انھیں برقرار رکھے جو غیر مناسب ہوں انھیں کالعدم کردے کیونکہ تمام امت کی فلاح و بہبود کا مدار امام کی ذات اور اسی کی تدبیر

واجتہاد سے وابستہ ہے۔

امام کی طرح وزیر تفویض کے لئے جائز ہے کہ وہ خود ہی احکام نافذ کرے اور حکام مقرر کرے کیونکہ اس کی اہلیت اسے حاصل ہے وہ فوجداری مقدمات کی خود بھی سماعت کر سکتا ہے نیز اسکے لئے اپنے قائم مقام بھی مقرر کر سکتا ہے کیونکہ اس میں قابلیت موجود ہے نیز وہ خود بھی جہاد کے لئے جا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنا قائم مقام مقرر کر کے بھیج سکتا ہے اس لئے کہ اسے جہاد کی اہلیت حاصل ہے۔

اُسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ مصالح ملکی کے متعلق جو امور اُس نے سوچے ہیں اُسے خود نافذ کر دے یا کسی اور کے ذریعہ سے نافذ کرائے کیونکہ ان دونوں باتوں کی صلاحیت پہلے سے اس میں موجود ہے۔

تمام وہ اختیارات جو امام عمل میں لاسکتا ہے وزیر بھی لاسکتا ہے البتہ یہ تین چیزیں اس کے اختیار سے باہر ہیں۔ (۱) امام اپنا ولیعہد بنا سکتا ہے وزیر کو اس کا اختیار نہیں (۲) امام امامت سے اپنا استعفا پیش کر سکتا ہے وزیر کو اس کا اختیار نہیں (۳) امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وزیر کے مقرر کردہ لوگوں کو برطرف کر دے مگر وزیر کو یہ حق نہیں کہ وہ امام کے مقرر کردہ لوگوں کو علیحدہ کر سکے۔ ان تین باتوں کے علاوہ وزارت تفویض کے مفہوم ومنشا کا یہ اقتضا ہے کہ اس کا ہر عمل جائز اور ہر حکم قابل عمل ونفوذ سمجھا جائے۔

اگر وزیر نے کوئی حکم نافذ کیا اور امام نے اس کی مخالفت کی اور اُسے منسوخ کرنا چاہا تو احکام کی نوعیت پر غور کیا جائے گا اگر یہ اختلاف کسی ایسے حکم کے متعلق ہے جو ضابطے کے تحت نافذ ہو چکا ہے یا کسی روپے کے متعلق ہے جو برمحل خرچ کیا گیا

ہے تو ان دونوں صورتوں میں امام وزیر کی کارروائی کو کالعدم نہیں کر سکتا، البتہ اگر وزیر نے کوئی والی مقرر کیا ہے، یا فوج تیار کر کے کہیں بھیجی ہے یا جنگ کی حالت میں کسی کو منصرم جنگ مقرر کیا ہے تو ان تینوں صورتوں میں امام کو حق حاصل ہے کہ وہ وزیر کے انتظامات و تقررات کو بدل دے، اور یہ وہ صورتیں ہیں کہ امام ان میں خود اپنے نظم و تقرر کو بھی بدل سکتا ہے اور جب یہ صورت ہے تو وزیر کے انتظامات کو بدرجۂ اولیٰ بدل سکتا ہے۔

اگر امام نے کسی کو کوئی عہدہ دیا اور اسی عہدے پر وزیر نے کسی اور کا تقرر کیا تو اب دیکھا جائے گا کہ پہلے کس نے تقرر کیا ہے، اگر امام نے تقرر کیا ہے تو اسی کا تقرر برقرار رہے گا اور وزیر کا تقرر کالعدم سمجھا جائے گا۔ اگر وزیر نے پہلے تقرر کیا ہے اور امام نے اس تقرر کے علم کے بعد دوسرے کا تقرر کیا تو سمجھا جائے گا کہ امام نے وزیر کے مقرر کردہ شخص کو علیحدہ کر کے جدید تقرر کیا ہے اس لیئے امام نے جو تقرر کیا ہے وہ برقرار رہے گا اور وزیر کا مقرر کردہ اس خدمت سے علیحدہ سمجھا جائے گا۔

اگر امام کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس عہدہ پر وزیر پہلے کسی کا تقرر کر چکا ہے تو اس صورت میں وزیر کا تقرر برقرار رہے گا اور امام نے جو تقرر کیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ پہلے تقرر کی لاعلمی میں دوسرے کا تقرر پہلے کا عزل قرار نہیں پا سکتا البتہ علم کے بعد اگر تقرر کیا ہے تو پہلے تقرر کو کالعدم کر دے گا مگر بعض شافعی فقہا کی یہ رائے ہے کہ امام کے علم کے بعد بھی وزیر کا تقرر اس وقت تک منسوخ نہ سمجھا جائے گا جب تک کہ امام صراحتہً پہلے تقرر کو کالعدم نہ کر دے مجرد اس کے تقرر کر دینے سے پہلا تقرر کالعدم نہیں ہوگا۔ بغیر برطرفی کے صریحی حکم کے پہلا شخص برطرف نہیں سمجھا جائے گا اس صورت میں اگر تقرر کی نوعیت اس قسم کی ہے کہ اس کا

دونوں کو حق تھا تو یہ دونوں تقرر صحیح ہیں اور دونوں کو اس پر غور کرنے کا حق ہے، اور اگر یہ تقرر اس قسم کا ہے کہ اس میں اشتراک صحیح نہیں ہے تو اس صورت میں ان دونوں کا تقرر ایک کے استقرار اور دوسرے کے عزل پر موقوف ہوگا، اگر خود امام نے ان تقررات پر مکرر غور کیا تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے علیحدہ کر دے اور جسے چاہے بحال رکھے، البتہ اگر وزیر نے ان تقررات پر نظر ثانی کی تو اسے صرف اپنے کئے ہوئے تقرر کو کالعدم کر دینے کا حق حاصل ہے امام کے کئے ہوئے تقرر کو وہ کالعدم نہیں کر سکتا۔

فصل

وزارت تنفیذ

جس طرح اس وزارت کا اقتدار و اختیار کم ہے اسی طرح اس کے لیئے شرائط بھی کم ہیں کیونکہ اس منصب کی کارگزاری امام کی رائے اور تدبیر پر موقوف ہے اور یہ وزیر، امام اور اس کی رعایا اور والیوں کے درمیان محض ایک ذریعہ یا واسطہ ہوتا ہے، اس کا کام صرف یہ ہے کہ امام جو ہدایتیں اور احکام دے انھیں وہ نافذ و ساری کر دے، دوسرے عہدہ داروں کے تقرر، فوجوں کی تیاری، واقعات حاضرہ اور حادثات فاجعہ سے امام کو مطلع کرتا رہے اور ان کے متعلق امام سے احکام حاصل کر کے انھیں جاری کرے اس کا کام ہدایات کی تعمیل ہے ہدایت نہیں۔

اگر اس وزیر کو مشورے میں شریک کیا جاتا ہو تو اُسے وزیر ہی کہیں گے اور اگر اسے مشورے میں شریک نہیں کیا جاتا تو اسے صرف واسطہ اور سفیر کہا جائے گا، اس وزارت کے انعقاد کے لیئے کسی حکم صریح کی ضرورت نہیں صرف رخصت کافی ہے، نیز ایسے شخص کے لیئے آزادی اور علم کی بھی ضرورت نہیں چونکہ یہ خود تنہا نہ کوئی تقرر کر سکتا ہے اور نہ اس کام کے لیئے حکم کر سکتا ہے اس لیئے اس میں حریت کی شرط معتبر نہیں اور چونکہ یہ خود کوئی حکم نہیں دے سکتا اس لیئے اس کے واسطے علم کی بھی شرط نہیں۔

اس وزارت کے صرف دو فرائض ہیں ایک یہ کہ اہم اخبار خلیفہ تک پہنچا دے دوسرے جو خلیفہ حکم دے اسے رعایا تک پہنچا دے، اس عہدے کے لیئے سات صفات کے وجود کا لحاظ کیا جاتا ہے، ایک امانت تاکہ جو بات اس سے کہی جائے اس میں خیانت نہ کرے اور جس خیر خواہی کی اس سے توقع کی گئی ہے اسے ملوث نہ کر دے، دوسرے صدق لہجہ تاکہ ہر قسم کے احکام میں اس پر پورا بھروسہ کیا جائے، تیسرے یہ کہ لالچی نہ ہو اگر لالچی ہوا تو رشوت لیکر جنبہ داری کرے گا یا احکام کی تعمیل میں تعویق کر دے گا، چوتھے یہ کہ اس میں اور عوام میں کوئی بغض و عداوت قائم نہ ہو، کیونکہ عداوت، انصاف و عدل دونوں سے روکتی ہے، پانچویں یہ کہ مرد ہو، تاکہ وہ ہر بات خلیفہ تک پہنچائے اور اس سے جو احکام ملیں انھیں رعایا تک پہنچا دے، یہ خلیفہ کے لیئے گواہوں کی حیثیت رکھتے ہیں، چھٹے ذکاوت و ذہانت تاکہ وہ خلیفہ کے احکام کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان پر ان کی غرض و غایت پوری طرح واضح ہو اگر ایسا نہ ہوگا تو بڑی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔

مامون کے وزیر محمد بن یزداد نے ان اوصاف کو جن کا

اس عہدے کے لیئے اعتبار کیا جاتا ہے اپنے ان اشعار میں بڑی خوبی سے بیان کر دیا ہے۔

اصابۃ معنی المرء روح کلامہ فان اخطا المعنیٰ فذلک موات

ترجمہ:۔ معنی تک پہنچ جانا، یا معنی کی اصابت، کلام کی روح ہے، اور معنی میں خطا کرنا، یا معنی کا قصور، موت کے برابر ہے۔

اذا غاب قلب المرء عن حفظ لفظہ فیقظتہ للعالمین سُبات

ترجمہ:۔ اگر کوئی شخص الفاظ کو یاد نہ رکھ سکے تو اس کی بیداری اہل عالم کیلیے خواب ہے۔

ساتویں یہ کہ وہ عاشق مزاج اور شوقین نہ ہو کیونکہ یہ باتیں حق سے باطل کی طرف لے جاتی ہیں اور ایسے شخص کے لئے سچ اور جھوٹ میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ، محبت عقل کو معطل کر دیتی ہے اور صحیح راستے سے ہٹا دیتی ہے۔ حدیث میں ہے حبک الشیء یعمی و یصم کسی شے کی محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

انا اذا قلت دواعی الھوی وانصت السامع للقائل
واصطرع القوم بالبابھم نقضی بحکم عادل فاصل
لا نجعل الباطل حقا ولا تلفظ دون الحق بالباطل
نخاف ان تسفہ احلامنا فیخمل الدھر مع الخامل

ترجمہ:۔ ہمارا یہ حال ہے کہ جب محبت اور میلان ذاتی کے ترغیبات یا دواعی باقی نہیں رہتے، یا کم ہو جاتے ہیں اور سب لوگ ایک شخص کی بات کو سن لیتے ہیں اور وہ خود اپنی اپنی عقلوں سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تب ہم میں ایک فیصلہ کرنے والا عادل حکم تمام امور مسلمہ کا فیصلہ کر دیتا ہے ہم باطل کو حق اور حق کو باطل نہیں کر دیتے، ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہماری عقلیں معطل ہو جائیں اور اس وقت زمانہ ہمیں بھی پیس ڈالے۔

اگر یہ وزیر خلیفہ کی رائے میں شرکت کرتا ہے تو اب اس موقع پر

ایک آٹھویں صفت کی طرف بھی اشارہ کیا جائے گا اور وہ تدبر اور تجربہ ہے تاکہ صحیح رائے اور تدبیر قائم ہو سکے اس لیے کہ تجربہ نتیجے اور انجام سے اطلاع دیتا ہے، اگر یہ وزیر رائے میں شرکت نہیں کرتا تو اس کیلئے اس صفت کا ہونا ضروری نہیں (اگرچہ وہ خود اس فرض کو انجام دیتے دیتے بروقت تجربہ کار ہو جاتا ہے۔

اس منصب پر کوئی عورت فائز نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ عورت کی خبر مقبول ہے مگر بعض اور امور اس عہدے کے ساتھ ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کا اسے حق نہیں دیا گیا ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے ما افلح قوم اسندوا امرھو الی امراۃ" اس قوم نے فلاح نہیں پائی جس نے اپنی حکومت کسی عورت کے حوالے کر دی، علاوہ بریں اس عہدے کے لیئے رائے حاصل کرنے کی قوت اور ثبات عزم کی بھی ضرورت ہے جس سے عورتیں عاجز ہیں نیز انھیں تمام کام خود انجام دینا پڑیں گے اور اس وجہ سے علانیہ باہر نکلنے کی ضرورت ہے جس کی انھیں ممانعت ہے۔

ایک ذمی وزیر تنفیذ ہو سکتا ہے مگر وزیر تفویض نہیں ہو سکتا جس طرح ان دونوں عہدوں کے اختیارات میں فرق ہے اسی طرح ان کے شرائط میں بھی فرق ہے۔ یہ فرق ان چار صورتوں سے نمایاں ہوتا ہے، پہلے یہ کہ وزیر تفویض خود ہی احکام نافذ کر سکتا ہے اور فوجداری مقدمات کا تصفیہ کر سکتا ہے یہ اختیارات وزیر تنفیذ کو حاصل نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ وزیر تفویض کو سرکاری عہدہ دار مقرر کرنے کا حق ہے، مگر وزیر تنفیذ کو یہ حق حاصل نہیں، تیسرے یہ کہ وزیر تفویض تمام فوجی اور جنگی انتظامات خود کر سکتا ہے وزیر تنفیذ کو اس کا حق حاصل نہیں، چوتھے یہ کہ وزیر تفویض کو خزانے پر اقتدار حاصل ہے وہ سرکاری مطالبہ وصول کر سکتا ہے اور سرکار پر جو واجب الادا ہے اسے ادا کر سکتا ہے یہ حق بھی وزیر تنفیذ کو

حاصل نہیں ہے، ان چار شرطوں کے علاوہ اور کوئی بات ایسی نہیں ہے جو ذمیوں کو اس منصب پر فائز ہونے سے روک سکے، البتہ اگر وہ سرکاری کارروائیوں میں طول دیں تو اس وجہ سے وہ اس منصب سے روکے جاسکتے ہیں چونکہ ان دونوں وزارتوں کے اختیارات میں یہ چار فرق ہیں اسی طرح ان کے تقرر کے شرائط میں بھی چار شرطوں کا فرق ہے۔ ایک یہ ہے کہ حرّیت وزارت تفویض میں معتبر ہے۔ مگر وزارت تنفیذ میں نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اسلام وزارت تفویض میں معتبر ہے وزارت تنفیذ میں نہیں۔ تیسرے احکام شرعیہ سے آگاہی وزارت تفویض میں معتبر ہے مگر وزارت تنفیذ میں نہیں۔ چوتھے جنگی اور مالی معاملات کی واقفیت وزارت تفویض میں معتبر ہے مگر وزارت تنفیذ میں نہیں ہے۔

چونکہ ان دونوں کے اختیارات میں چار صورتوں میں فرق ہے اسی طرح ان کے تقرر میں بھی چار شرطوں میں فرق ہے ان کے علاوہ ان دونوں عہدوں کے اختیارات اور شرائط تقرر یکساں ہیں۔

فصل

خلیفہ مجاز ہے کہ وہ دو وزیر تنفیذ عمومی یا خصوصی مقرر کردے مگر جس طرح دو امام نہیں ہوسکتے اسی طرح دو وزیر تفویض عمومی مقرر نہیں کئے جاسکتے اس عدم جواز کی وجہ خود ان کے اختیارات کی وسعت و عمومیت ہے کیونکہ اگر دو وزیر اس قدر وسیع اختیارات کے حامل ہیں تو وہ تقرر، عزل اور دوسرے مہمات سلطنت کے حل وعقد میں بسا اوقات مختلف الرائے ہوجائیں گے جس سے انتظام حکومت میں فساد واقع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا، اگر آسمان وزمین میں سوائے ایک

پروردگار کے بہت سے رب ہوتے تو ان میں فساد پیدا ہو جاتا۔

اگر ایک امام نے دو وزیر تفویض (مدار المہام) مقرر کئے تو ان کے اس تقرر کی یہ تین شکلیں ہوں گی ایک یہ کہ ان دونوں کو تمام اختیارات عام دے گئے ہوں گے تو ان دونوں کا تقرر وجوہ مذکورۂ بالا کی وجہ سے درست نہیں اب ان کے تقرر پر غور کیا جائے گا اگر وقت واحد میں یہ تقرر ہوا ہے تو دونوں کا تقرر کالعدم ہے اور اگر ایک کا تقرر پہلے ہوا ہے اور دوسرے کا اس کے بعد تو بعد والے کا تقرر غلط تصور کیا جائے گا اور پہلا تقرر درست سمجھا جائے گا، "تقرر کی خرابی" اور "برطرفی" میں یہ قانونی فرق ہے کہ پہلی صورت میں اگر کسی شخص نے اس ملازمت جلیلہ کے فرائض انجام دئے تو وہ سب غیر قانونی ناقابل نفاذ ہوں گے اور برطرفی کی شکل میں جو کارروائیاں اس برطرفی سے قبل کسی وزیر نے کی ہیں ان کے نفاذ میں یہ امر مانع نہیں ہوتا۔

اس تقرر کی دوسری صورت یہ ہوگی کہ امام نے اس عہدہ پر دو شخصوں کو مشترکہ طور پر مقرر کیا ہے کہ وہ دونوں مل کر اس خدمت کو انجام دیں نہ فرداً فرداً۔ یہ تقرر درست ہے، وہ دونوں مشترکہ طور پر مدار المہام ہوں گے فرداً فرداً نہ ہوں گے جب وہ متفقہ طور پر کوئی حکم دیں گے اس کی تعمیل ضروری ہوگی۔ البتہ اگر کسی معاملہ میں ان کا اختلاف ہے تو وہ اس وقت تک قابل نفاذ نہ ہوگا جب تک کہ خلیفہ اس کے لئے اپنی رائے نہ دے دے اور ایسی صورت میں مختلف فیہ مسئلہ ان دونوں وزیروں کے حیطہ اقتدار سے خارج سمجھا جائے گا۔

اگر یہ دونوں وزیر کسی بات پر اختلاف کے بعد متفق ہوئے تو اس پر غور کیا جائے گا، اگر اختلاف کے بعد ان کا اتفاق اس کی اصابت پر ہوا ہے تو وہ ان کے اقتدار میں داخل ہوگی اور پھر اس کا

نافذ کرنا اُن دونوں کی جانب سے درست ہوگا کیونکہ ان کا سابقہ اختلاف
بعد کے اتفاق کے جواز میں مانع نہیں ہے۔ اور اگر ایک وزیر نے باوجود مختلف الرائے
ہونے کے کسی بات میں اپنے دوسرے ساتھی کی متابعت کی تو
سمجھا جائے گا کہ وہ بات اُن دونوں کے اقتدار سے خارج ہوگئی کیونکہ
ایسی صورت میں ایک وزیر سے اُس بات کا نفاذ جسے درست نہیں
سمجھتا جائز نہیں ہوگی۔

تیسری قسم یہ ہے کہ ان دونوں کا اقتدار مشترک فیہ نہ ہو بلکہ
ہر ایک کو ایک شعبہ دیدیا جائے جس میں دوسرے کا دخل نہ ہو۔
یہ دو صورتوں سے ممکن ہے ایک یہ کہ ہر ایک وزیر کو ایک خاص
علاقہ سلطنت میں اختیارات عمومی دیدیئے جائیں مثلاً ایک کو
بلاد مشرق کا مدار المہام اور دوسرے کو بلاد مغرب کا مدار المہام بنادیا جائے
دوسرے یہ کہ ہر ایک کو کسی خاص شعبہ میں عام اختیارات
دیدیئے جائیں مثلاً ایک کو وزیر جنگ اور دوسرے کو وزیر مال بنادیا جائے
یہ دونوں صورتیں درست ہیں۔ مگر اس صورت میں یہ دونوں مدار المہام
نہ ہوں گے بلکہ صدر المہام ہوں گے کیونکہ مدار المہامی کے اختیارات
سلطنت کے تمام شعبوں کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں چاہے اُس
خدمت پر دو شخص ہوں۔ مگر مذکورہ بالا صورت میں ہر وزیر محض اپنے
شعبہ کا صدر المہام ہوگا اُسے دوسروں کے اختیارات اور حیطۂ اقتدار
میں دخل دینے کا حق نہ ہوگا۔

خلیفہ کے لئے جائز ہے کہ وہ دو وزیر مقرر کرے ایک وزیر تفویض
(مدار المہام) اور دوسرا وزیر تنفیذ (حاجب) پہلے وزیر کو اختیارات عام
اور کلی حاصل ہوں گے اور دوسرے کا کام صرف یہ ہوگا کہ خلیفہ جو
احکام دے انھیں نافذ کردے اس وزیر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی
برطرف شدہ کو پھر مقرر کردے یا کسی عہدہ دار کو برطرف کردے البتہ مدار المہام
کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی معزول کو مقرر کردے یا اپنے مقرر کردہ کو برطرف

کر دے مگر خلیفہ کے مقرر کردہ عہدہ داروں کو علیحدہ کر دینے کا حق اسے بھی حاصل نہیں ہے۔

وزیر تنفیذ کے لیے جائز نہیں کہ وہ خود اپنی طرف سے یا خلیفہ کی طرف سے بغیر اس کے حکم صریح کے کوئی حکم نافذ کرے مگر مدار المہام کو یہ اختیار ہے کہ وہ خود اپنی طرف سے اپنے مقرر کردہ اور نیز خلیفہ کے مقرر کردہ عمال کے نام احکام نافذ کرے اور ان عمال کا فرض ہوگا کہ وہ اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہوں۔

البتہ مدار المہام کو بھی کسی خاص یا عام بات کے لیے خلیفہ کی جانب سے بغیر اس کے حکم صریح کے کسی امر کے نافذ کرنے کا اختیار نہیں۔

اگر خلیفہ نے کسی وزیر تنفیذ کو برطرف کر دیا تو اس کی برطرفی کا اثر کسی عہدہ دار پر نہیں پڑے گا۔ اور اس نے مدار المہام کو برطرف کر دیا تو اس کی برطرفی سے تمام عمال وزارت تنفیذ برطرف ہو جائیں گے۔ مگر عمال وزارت تفویض علیحدہ نہ ہوں گے ان دونوں قسم کے عہدہ داروں میں فرق یہ ہے کہ عمال وزارت تنفیذ نائب ہوتے ہیں۔ اور عمال وزارت تفویض مستقل بالذات عہدہ دار ہوتے ہیں کیونکہ مدار المہام کو یہ اختیار ہے کہ وہ خود اپنے نائب مقرر کرے مگر وزیر تنفیذ کو اس کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ کسی کو اپنا نائب بنانا یہ تقلید ہے مدار المہام کو اس کا اختیار ہے مگر وزیر تنفیذ کو اس کا اختیار حاصل نہیں اس لئے مدار المہام کے تقررات درست سمجھے جائیں گے۔ مگر وزیر تنفیذ کے تقررات درست نہ سمجھے جائیں گے۔

اگر خلیفہ نے مدار المہام کو اپنے نائب مقرر کرنے سے منع کر دیا تو اس کے لیئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی کو اپنا نائب مقرر کرے اسی طرح اگر خلیفہ نے وزیر تنفیذ کو اپنے نائب مقرر کرنے کا اختیار دیدیا تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ کسی کو اپنا نائب مقرر کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں

تو یہ دونوں خلیفہ کے احکام کے تابع ہیں چاہے اپنے اختیارات کی وجہ سے
ان کے عہدوں میں کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو جیسا خلیفہ حکم دے گا وہ کریں گے
جس سے منع کرے گا وہ رک جائیں گے۔

اگر خلیفہ نے انتظام ممالک اُنہی والیوں کے سپرد کر دیا جو ان ممالک
پر غالب و متصرف ہو گئے ہیں جیسا کہ آج کل ہمارے زمانہ میں ہو رہا ہے تو
ہر ملک کے حکمراں کے لیئے یہ بات جائز ہے کہ وہ وزیر مقرر کرے ان
وزرا کی حیثیت اس حکمراں کے مقابلہ میں وہی ہو گی جو خلیفہ کے وزیر کی
خلیفہ کے ساتھ ہے اور انھیں بھی دونوں قسم کی وزارتوں کے تقرر کا اختیار
حاصل ہے۔
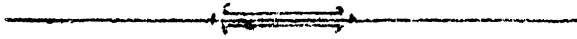
تیسرا باب

صوبہ داروں کا تقرر

جب خلیفہ نے کسی شخص کو ایک ملک یا شہر کا امیر مقرر کیا تو اس کی امارت دو طرح پر ہوگی عام اور خاص عام کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ خود خلیفہ نے اپنے اختیار سے کسی کو امیر بنایا ہے دوسرے یہ کہ پہلے سے کسی شخص نے کسی ملک یا شہر پر زبردستی غلبہ اور قبضہ حاصل کر لیا ہے اور اب خلیفہ کو مجبوراً اسے اس مقام کا امیر ہی بنانا پڑا۔ پہلی صورت میں یہ ہوگا کہ خلیفہ کسی شخص کو اپنے اختیار سے ایک محدود علاقہ کا مقررہ فرائض منصبی کو بجا آوری کی شرط پر امیر بنا دیگا۔ اس تقرر میں یہ ہوگا کہ خلیفہ کسی ملک یا شہر کی امارت مع اس کے تمام علاقہ کے اس کے تمام باشندوں پر حکمرانی مقررہ فرائض کے ساتھ کسی کے حوالے کر دیگا۔ وہ پورا علاقہ اس کے ماتحت ہوگا اور یہ سات چیزیں اس کے فرائض میں شامل ہوں گی۔ (۱) فوج کا انتظام اور مضافات میں اُن کی چھاونیاں مقرر کرے ان کی معاشیں مقرر کرے البتہ اگر خلیفہ نے پہلے سے ان کی معاشیں مقرر کر دی ہیں تو وہی ان پر بحال رکھے (۲) احکام سلطنت کو نافذ کرے اور اس کے لئے قاضی اور دوسرے حکام مقرر کرے۔ (۳) مالگزاری وصول کرے صدقات جمع کرے اس کے لئے کارندے مقرر کرے اور پھر اُسے ضرورت کے مطابق خرچ کرے (۴) دین کی حمایت اور جان و مال رعایا کی صیانت اور مذہب میں کوئی تغیر یا تبدیلی نہ ہونے دے (۵) حقوق اللہ اور حقوق العباد کو قائم کرے۔ (۶) خود نماز پڑھائے یا کسی کو اس کے لیے اپنا نائب مقرر کرے۔

(۷) اپنے علاقہ کے حاجیوں اور نیز دوسرے اُن حاجیوں کے لیئے جو اس کے علاقہ سے گزریں سفر کی سہولتیں بہم پہونچائے ' اگر اس کا علاقہ ایسا سرحدی علاقہ ہے جہاں ہر وقت دشمن کا خطرہ لگا رہتا ہے تو اُس کے فرائض میں یہ آٹھویں بات بھی ہے (۸) وہ اپنے پاس کے دشمنوں سے جہاد کرے جو غنیمت جہاد میں حاصل ہو اُسے مجاہدین میں تقسیم کردے اور خمس کو مستحقان خمس کے لیئے حاصل کرلے۔

اس امارت کے لیئے وہی شرائط درکار ہیں جو وزارت تفویض کے لیئے ہیں ان دونوں عہدوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ اگرچہ اس کی ولایت ایک خاص رقبہ میں ہے مگر بحیثیت نائب خلیفہ ہونے کے اوسے تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور اس عمومیت اور خصوصیت کی وجہ سے اُن کے شرائط میں کوئی فرق نہیں ہے اس امارت کے تقرر پر غور کیا جائے گا اگر خود خلیفہ نے اسے مقرر کیا ہے تو وزیر تفویض (مدار المہام) کو چاہیئے کہ وہ اس کے عہدہ کا لحاظ کرے اس کے اختیارات میں دخل نہ دے نیز وزیر کو اس کے عزل و نقل کا بھی حق نہیں ہے اگر خود وزیر نے یہ تقرر کیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی ' ایک یہ کہ خلیفہ کی اجازت حاصل کر کے اس کا تقرر کیا ہے تو اس صورت میں اُسے اُس کے عزل و نقل کا خلیفہ کا حکم حاصل کیئے بغیر کوئی اختیار نہیں اور اگر وزیر معزول ہو جائے تو اس کی بنا پر یہ امیر معزول نہ ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خود وزیر نے اپنے اختیار سے اسے امیر بنایا ہے اس صورت میں اسے اپنی صوابدید پر اس کے عزل و نقل کا حق ہے۔

اگر وزیر نے اس امیر کے تقرر کو مطلق چھوڑ دیا اور اس بات کی تصریح نہیں کی کہ آیا یہ تقرر خلیفہ کے حکم سے کیا گیا ہے یا خود وزیر نے کیا ہے تو یہ تقرر خود وزیر ہی کی جانب سے سمجھا جائے گا۔ اسے اس کے عزل کا بھی اختیار ہے نیز وزیر کے علٰحدہ ہو جانے کی صورت میں یہ امیر خود ہی اپنے عہدہ سے علٰحدہ ہو جائیگا البتہ ایسی صورت میں خود خلیفہ اسے اس کے عہدہ پر بحال رکھے تو اب یہ سمجھا جائے گا کہ خلیفہ نے نئے سرے سے اس کا تقرر کیا ہے اس کے لیئے باقاعدہ اُسے اپنی زبان سے الفاظ تقرر ادا کرنے کی اس وقت ضرورت نہیں

اگرچہ ابتدائی تقرر میں اس کی بھی ضرورت ہے۔ اس وقت خلیفہ کا یہ کہنا کافی ہے کہ میں نے تم کو تمہارے عہدہ پر بحال رکھا حالانکہ ابتدائے تقرر کے وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ خلیفہ امیر سے کہے کہ میں نے فلاں مقام تم کو سپرد کیا وہاں کے باشندوں کی امارت کلی تم کو دی۔ جب خلیفہ نے کسی شخص کو ایسی بااختیار امارت پر مقرر کیا تو اس سے وزارت کے جو اختیارات عام نگرانی یا ہدایت کے متعلق ہیں باطل نہیں ہوتے اسی طرح جدید وزارت کی تقلید کی صورت میں یہ امیر اپنے عہدہ سے علحدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب تمام سلطنت کے لئے تقلید عام اور خاص خاص صوبوں کے لیئے امارت عام جمع ہوجائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وزیر کو خاص خاص معاملات کی نگرانی اور ان کے متعلق ہدایات دینے کا حق اب بھی باقی ہے اور امیر مختار کے معنے یہ ہونگے کہ وہ خود ان احکام پر عمل کرے اور ان پر عمل کرائے۔ ایسے امیر کو اس کا حق ہے کہ وہ کسی کو اپنا وزیر تنفیذ مقرر کرے چاہے اس کے لیئے وہ خلیفہ کی اجازت حاصل کرے یا نہ کرے مگر ایسے امیر کو اپنا وزیر تفویض مقرر کرنے کا خلیفہ کے حکم کے بغیر حق حاصل نہیں ہے کیونکہ پہلا وزیر محض مددگار ہوتا ہے بخلاف وزیر تفویض کے کہ وہ خود صاحب اختیار ہوتا ہے۔

اس امیر کو بلا وجہ فوج کی معاش میں اضافہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ مصرف بیجا ہے اور اگر امیر نے کسی سبب کے پیش آجانے کی وجہ سے فوج کی معاش میں اضافہ کردیا اس سبب پر غور کیا جائے گا اگر وہ سبب ایسا ہے جس کے زائل ہوجانے کی امید ہے تو ایسی صورت میں یہ اضافہ عارضی ہوگا مستقل نہیں ہوگا، مثلاً اگر نرخ اشیاء گراں ہوگیا یا کوئی واقعہ پیش آگیا یا کسی جنگ میں خرچ ہوگیا ان صورتوں میں امیر کو خلیفہ کا حکم حاصل کیئے بغیر یہ اختیار ہے کہ وہ اس روپیہ کو بیت المال سے ادا کردے۔

ان صورتوں میں اس امیر کو خلیفہ سے حکم حاصل کرنے کی اس لیئے ضرورت نہیں ہے کہ یہ باتیں اس کے اختیار تمیزی میں ہیں اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ اس کی وجہ سے فوج کی معاش میں مستقلانہ اضافہ کرنا پڑے

جن سے کسی ایسی جنگ میں انھیں حصہ لینا پڑا جو طویل عرصہ تک جاری رہی اور یہ بھی فتح حاصل کرنے تک اس میں برابر جمے رہے تو ایسی صورت میں اس امیر کو اپنی کارروائی کے نفاذ کے لیئے خلیفہ سے حکم حاصل کرنا پڑے گا اور خود اُسے مستقلانہ ہمیشہ کے لیئے فوج کی معاش میں اضافہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ امیر کو اس کا حق ہے کہ وہ سپاہیوں کی اولاد میں سے جو بلوغ کو پہونچ جائے اس کا وظیفہ بغیر خلیفہ کے حکم کے خود مقرر کر دے مگر اسے اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ خود ابتداً میں کسی فوج کی معاش خلیفہ کا حکم لیئے بغیر مقرر کرے۔

فوج کی معاش سے جو روپیہ بچ جائے امیر کو چاہیئے کہ وہ اُس روپیہ کو خلیفہ کے پاس بھیج دے تاکہ بیت المال میں وہ روپیہ مصالح عامہ کے لیئے جمع کر دیا جائے۔ البتہ اگر صدقات کی مدمیں سے کچھ روپیہ فاضل ہو تو امیر کے لیئے اس روپیہ کو خلیفہ کے پاس بھیج دینا ضروری نہیں ہے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ اس فاضل رقم کو اپنے قریب ہمسایہ علاقہ کے مستحقین پر خرچ کر دے۔

اگر علاقۂ امارت کی آمدنی اتنی نہیں ہوئی جس سے کہ تمام فوجی اخراجات پورے ہوسکیں تو امیر علاقہ کو یہ حق ہے کہ وہ اس کمی کو خلیفہ کے حکم سے بیت المال سے پورا کرالے البتہ اگر صدقات کی آمدنی میں کچھ کمی واقع ہوگئی تو اس کمی کو خلیفہ سے پورا کرانے کا حق اُسے نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فوجی اخراجات بہرحال لازمی ہیں اور اہل صدقہ کے حقوق اُسی وقت قائم ہوتے ہیں جبکہ صدقہ کا روپیہ موجود ہو۔

اگر امیر کا تقرر خود خلیفہ نے کیا ہے تو خلیفہ کی موت سے امیر معزول نہیں ہوگا۔ اور اگر اسے وزیر نے مقرر کیا ہے تو وزیر کے مرنے کی صورت میں وہ امیر خود بخود معزول ہوجائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی شکل میں خلیفہ کا تقرر کرنا تمام مسلمانوں کی نیابت ہے بخلاف اس کے وزیر کا تقرر کرنا صرف اپنی ذات کی نیابت ہے خلیفہ کے مرتے ہی وزیر اپنی خدمت سے علیحدہ ہوجائے گا مگر امیر معزول نہ ہوگا وزارت خلیفہ کی نیابت ہے اور امارت عامۂ مسلمین کی نیابت ہے۔

امارت عامہ کی دو قسموں میں سے ایک قسم کی امارت کا یہ حکم ہے اور یہ وہ امارت ہے جس میں خلیفہ نے کسی شخص کو اپنی نیابت اپنی خوشی سے دی ہو اب ہم اس امارت کی دوسری قسم کے بیان سے پہلے یہاں امارت خاصہ کو بیان کرتے ہیں کیونکہ یہ دونوں خلیفہ کے اختیار سے عمل پذیر ہوتی ہیں اس کے بعد ہم امارت کی دوسری قسم یعنے امارت استیلا کو جس میں خلیفہ کو مجبوراً کسی شخص کو نائب تسلیم کر لینا پڑتا ہے بیان کریں گے۔ کہ ہم اس طرح اضطراری حکم کو حکم اختیار پر مبنی کریں تاکہ ان دونوں کے شرائط اور حقوق کا فرق معلوم ہو جائے۔

امارت خاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کو خاص خاص ابواب حکومت و سیاست تفویض کر دئے جائیں مثلاً فوج کا انتظام، رعایا کی سیاست ملک کی حفاظت اور ملت کے حریم کی صیانت اس کے متعلق کر دی جائے اس امیر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قاضی یا اُن کے احکام سے تعرض کر سکے یا خراج اور صدقات وصول کر سکے۔ حدود شرعیہ کے اقامت کی اُسے ضرورت نہیں کیونکہ اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے البتہ جب دو شخص اس میں تنازعہ کریں تو امیر کو فیصلہ کے لئے قطعی دلیل کے قائم کر لینے کی ضرورت ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں وہ خود اقامت حدود سے تعرض نہیں کرتا کیونکہ یہ بات اس کی امارت میں داخل نہیں کی گئی اگرچہ اسے اختیار اور دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔

یا اسے اُن دونوں چیزوں کی ضرورت لاحق ہو گئی ہے تو ایسی صورت میں وہ کسی حاکم کے فیصلہ کو نافذ کر دے گا یا اس کے سامنے دلیل قطعی ظاہر کرے گا۔ اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ وہ معاملہ یا اللہ کے حقوق سے تعلق رکھتا ہوگا یا آدمیوں کے حقوق سے متعلق ہوگا۔ دوسری شکل میں جیسے بہتان کی سزا یا قصاص چاہے وہ جان کا ہو یا کسی عضو جسم کا ہو اس کے تعرض کی ضرورت کا انحصار مدعی پر ہے اگر مدعی نے اُسے چھوڑ کر کسی حاکم کے یہاں رجوع کیا تو حاکم کو اس کے پورا کرنے کا زیادہ حق حاصل ہے کیونکہ یہ تمام باتیں اس کے فرائض مفوضہ میں داخل ہیں۔ اگر مدعی نے حدود قصاص کے استیفا کا امیر سے مطالبہ کیا تو

اس صورت میں امیر کو ان کے انجام دینے کا زیادہ حق ہوگا کیونکہ وہ خود کوئی ابتدائی حکم اپنی طرف سے نہیں دیتا بلکہ ایک حق کے استیفار پہ اعانت کر رہا ہے اور صاحب اعانت تو امیر ہی ہوتا ہے حاکم نہیں ہوتا۔ اگر یہ حد خاص اللہ کے حقوق میں شامل ہے جیسے زنا کی حد چاہے کوڑوں کی سزا ہو یا وہ اسکے نافذ کرنے کا حاکم کے مقابلہ میں امیر کو زیادہ حق ہے۔ کیونکہ یہ قوانین سیاست میں داخل ہے اسی طرح مذہب و ملت کی حمایت و حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ علاوہ بریں مصالح عامہ پر نظر رکھنا امراہی کا فرض ہے ان حکام کا نہیں ہے جو محض فصل خصومات کرتے ہیں۔ اس لئے یہ باتیں اس کی امارت میں داخل ہیں بشرطیکہ اس کے لئے قطعی احکام نہ ہوں۔

مظالم میں اس کے دخل دینے کے یہ معنی ہیں کہ جب اس کے متعلق عدالت کے احکام نافذ ہوگئے ہوں اور قاضی اور دوسرے حکام عدالت نے فیصلہ نافذ کردیا ہو تو اب امیر کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ دیکھے کہ اس فیصلہ پر عمل ہوا یا نہیں کیونکہ اس شکل میں اس کے دخل دینے کے یہ معنے ہیں کہ وہ ایک حقدار کی اس کا حق دلانے میں اس کے منکر کے مقابلہ میں مدد کر رہا ہے یا حقدار کے لئے ایک معترف ٹالنے والے سے اس کا حق لے رہا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ظلم اور بیجا قبضہ سے روکنا اس کے فرائض میں شامل ہے اور وہ مقرر ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ مہربانی اور انصاف کے ساتھ ان معاملات کا تصفیہ کرائے۔

اگر مظالم (معاملات) کی نوعیت ایسی ہے کہ اس میں پہلے عدالت کا حکم لینے کی ضرورت ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ قاضی اس کی ابتدا کرے تو ایسے معاملات میں امیر کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں کیونکہ یہ چیزیں اس کے حیطہ اقتدار سے خارج ہیں اسے چاہئے کہ وہ ان معاملات کو فوراً اپنے شہر کے حاکم عدالت کے پاس تصفیہ کے لئے بھیجدے اگر مخاصمین میں سے کسی ایک کے حق میں حاکم نے تصفیہ کردیا اور وہ اس پر عمل کرانے سے قاصر رہا تو اس صورت میں امیر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے اقتدار سے

اس فیصلہ کو عمل پذیر کرائے۔ اگر خود اس امیر کے شہر میں کوئی حاکم عدالت نہ ہو تو وہ مخاصمین کو اپنے سے قریب تر مستقر عدالت کو فیصلہ کے لئے بھیجدے گا بشرطیکہ انھیں وہاں جانے میں سفر کی صعوبت پیش نہ آئے اور اگر پیش آئے تو امیر انھیں ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ایسی صورت میں وہ تمام روئداد مقدمہ کو لکھ کر خلیفہ کے پاس بھیجدے گا۔ اور وہاں سے جو تصفیہ ہو کر آئے گا اُسے نافذ کردے گا۔

اب رہا حجاج کے بھیجنے کا معاملہ اور اپنے علاقہ سے امن و امان کیساتھ اون کے سفر کا انتظام یہ اس کے فرائض مفوضہ میں داخل ہے۔

جمعہ اور عیدین کے نماز کی امامت کے متعلق اختلاف ہے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ منصب صرف قضاۃ کا ہے یہ خیال امام شافعی کے مذہب سے مشابہ تر ہے، ایک یہ خیال ہے کہ یہ حق امرا کے لئے مخصوص ہے یہ خیال امام ابو حنیفہ کے مذہب سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔

اگر اس امیر کے ماتحت علاقہ کے کسی سرحدی مقام میں شورش برپا ہو جائے تو اس صورت میں خلیفہ کی اجازت حاصل کئے بغیر اسے وہاں کے باشندوں پر جہاد کرنے کا حق نہیں ہے البتہ اگر وہ لوگ خود اس امیر پر چڑھ آئیں تو یہ امیر خلیفہ کی اجازت حاصل کئے بغیر ان کے مقابلہ میں اپنی مدافعت کر سکتا ہے کیونکہ فتنہ پردازوں کو دفع کرنا اور اون کے شر سے ملک و ملت کو بچانا اسکے فرائض میں داخل ہے۔

اس امارت کے تقرر میں وہی شرائط ملحوظ رہنا چاہئیں جو وزارت تنفید کے تقرر میں معتبر ہیں مگر دو شرطیں اس امارت میں زیادہ معتبر ہوں گی اسلام اور حریت چونکہ اس امیر کے ساتھ دینی امور کا انصرام بھی شامل ہے اس لئے کفر و غلامی کی صورت میں اس کے لئے یہ باتیں درست نہیں ہو سکتیں اس میں تفقہ جاننے کی شرط نہیں ہے اگر ہو تو اور اچھا ہے اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ امارت اگرچہ خاص ابواب کے ساتھ مختص ہے مگر چونکہ اُن ابواب میں اسے کلی اختیارات حاصل ہیں اس وجہ سے وزارت تفویض میں

جو شرائط معتبر ہیں وہی امارت عامہ میں بھی معتبر ہوں گے۔

امارت عامہ کے لیے جن شرائط کا لحاظ کیا جاتا ہے ان میں سے امارت خاصہ کے شرائط میں ایک شرط کم ہو جاتی ہے اور وہ علم ہے کیونکہ جس شخص کی امارت عام سے اُسے فیصلہ کرنے کا حق ہے مگر جس شخص کی امارت خاص ابواب سلطنت سے متعلق ہے اُسے فیصلہ کرنے کا حق نہیں۔

جب اپنے اختیارات مفوضہ کے تحت یہ دونوں امیر اپنی سرکاری حیثیت میں کوئی کارروائی کریں تو اس کے لیئے اونھیں خلیفہ سے استصواب رائے کی ضرورت نہیں البتہ اگر وہ بطور خود ایسا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

اگر ان امیروں کو کوئی ایسی بات پیش آگئی جو ان کے اختیارات مفوضہ میں مذکور نہیں ہے تو ایسی شکل میں کارروائی کرنے سے پہلے انھیں چاہیئے کہ وہ امام سے اوس کی روئداد لکھ کر حکم حاصل کریں اور پھر اس کی ہدایت کے مطابق عمل کریں اگر اس صورت میں ان کو یہ خوف ہو کہ خلیفہ کی ہدایات موصول ہونے تک بدنظمی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں اونھیں اس وقت کے لیئے اپنی صوابدید پر عمل پیرا ہونے کا اختیار ہے جبتک کہ اس کے متعلق خلیفہ کے احکام موصول نہ ہوں اور جب وہ موصول ہوں تو پھر ان امیروں کو اونھیں احکام پر عمل کرنا پڑے گا اور اپنی رائے کو چھوڑ دینا پڑے گا کیونکہ اس قسم کے حوادث کے رونما ہونے کی شکل میں خلیفہ کی رائے اختیارات کلی حاصل ہونے کی وجہ سے ان کی رائے کے مقابلے میں زیادہ قابل عمل ہے۔

فصل

امارت استیلا، جو بلا اختیار امام منعقد ہوتی ہے یہ ہے کہ امیر کو اپنی قوت سے کسی علاقہ پر غلبہ حاصل ہو جائے اور امام اس کو امیر تسلیم کرکے تمام انتظامی و سیاسی اختیارات تفویض کردے۔ اس صورت میں امیر مستقل حکمراں ہوگا، لیکن امام اپنے اذن کی وجہ سے احکام دینیہ کا نافذ کرنے والا سمجھا جائے گا،

تاکہ ناجائز اور بے ضابطہ امارت جائز اور باضابطہ ہو جائے۔ یہ امارت اگرچہ عرفی تقرر امارت کی شرائط و احکام سے خالی ہے، مگر شرعی قوانین کا تحفظ احکام دینیہ کی بقا ایسے امور نہیں ہیں جو کسی طرح فاسد و مختل حالت میں چھوڑ دیئے جائیں۔ لہٰذا استیلا اور اضطرار کی وجہ سے اس میں وہ امور جائز کر دیئے گئے جو امارۃ استکفاء میں ناجائز تھے اس لئے کہ اضطرار و اختیار کی شرائط ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

امیر بالاستیلاء پر سات امور لازم ہیں اگرچہ امام بھی اس کا شریک ہے مگر امیر کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے (۱) منصب امامت کو خلافت نبوی اور تدابیر ملی باقی رکھے تاکہ موجبات شرعیہ اور جو احکام ان پر متفرع ہوتے ہوں محفوظ رہیں۔ (۲) دینی اطاعت پر پختگی سے عامل رہے کہ امام کے برخلاف ہونے کا شبہ نہ ہو اور نہ اس سے علیحدگی کا گنہگار ہو (۳) امام کے ساتھ عقیدت مندانہ مراسم رکھے اور ہمیشہ اس کی اعانت و نصرت پر آمادہ رہے تاکہ مسلمانوں کو غیروں پر شوکت و دبدبہ حاصل ہو (۴) حقوق دینیہ کی عقود و احکام اور فیصلے نافذ رکھے نہ کسی فساد کی بنا پر عقود کو باطل کرے اور نہ معاہدات کو کسی خلل کی وجہ سے بیکار ٹھہرائے (۵) شرعی محاصل کی وصولی اس طرح کرے کہ ادا کرنے والے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں اور لینے والوں کو جائز ہو جائے۔ (۶) حدود کو شرعی حقوق کے لئے ایسے لوگوں پر جاری کرے جو ان کے واقعی مستوجب ہیں بیشک مومن کا پہلو جائے امن ہے مگر نہ خداوندی حقوق [illegible] سے (۷) دین کا حافظ و ناصر اور ممنوعات شرعیہ سے محترز رہے۔ اگر لوگ دین کی اطاعت کرتے ہوں تو ان کو حقوق دینی کی تعلیم دے اور اگر دین سے منحرف ہوں تو اس کی طرف دعوت دے۔

چونکہ ان سات قوانین سے حقوق امارت اور احکام امت کا تحفظ ہوتا ہے اس لئے امیر بالاستیلاء کو منصب امارت دینا ضروری ہے۔ لیکن اگر بالاستکفاء کی شرائط بھی اس میں موجود ہیں تو قطعی طور پر امارت کی اجازت دیدی جائے تاکہ اطاعت کا دم بھرتا رہے اور مخالفت و عداوت پر آمادہ نہ ہو۔

اس اجازت کے بعد دینی حقوق اور احکام امت میں امیر کے تصرفات جائز سمجھے جائیں گے۔ اس کے وزیر و نائب کے وہی احکام ہوں گے جو خلیفہ کے وزیر و نائب کے ہوتے ہیں نیز اپنی اعانت کے لئے وزیر تفویض و تنفید مقرر کرسکے گا۔

اور امیر بالاستیلاء میں شرائط امیر بالاستکفاء موجود نہیں ہیں تب بھی خلیفہ اس کی امارت تسلیم کرنے کا مجاز ہے تاکہ امیر وفادار رہے اور اس کو عداوت و مخالفت کا موقع نہ ملے۔ مگر احکام وحقوق میں اس کے تصرفات اس وقت تک موقوف و غیر موثر رہیں گے جبتک کہ خلیفہ ایسے شخص کو اس کا نائب بنادے جس میں تمام و کمال شرائط موجود ہوں۔ نائب کے کامل الشرائط ہونے سے وہ کوتاہی پوری ہو جائیگی جو خود امیر میں پائی جاتی ہے۔ اس طرح منصب حکومت تو امیر کو حاصل ہوگا اور نفاذ احکام نائب کی طرف سے ہوگا یہ صورت اگرچہ اصول سے خارج ہے مگر دو وجہ سے جائز ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ ضرورت کی وجہ سے قدرت کی وہ شرطیں ساقط ہو جاتی ہیں جن کا وجود دشوار ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ مصالح عامہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ان کی شرائط کو مصالح خاصہ کی شرائط سے خفیف کردیتا ہے۔

جب امارت بالاستیلاء مکمل ہو جاتی ہے تو اس میں اور امارت بالاستکفاء میں چار چیزیں مابہ الامتیاز ہونگی۔ (۱) امارت بالاستیلاء امیر متغلب کیساتھ مخصوص ہوگی اور امارت بالاستکفاء خلیفہ کی رائے پر منحصر ہے جس کو چاہے دیسکتا ہے۔ (۲) حکومت بالاستیلاء اس تمام علاقے پر مشتمل ہوگی جس پر امیر نے غلبہ پایا ہے۔ اور امارت بالاستکفاء صرف اس علاقہ پر ہوگی جس کو امام نے باختیار خود محدود و متعین کر دیا ہے۔ (۳) امارت بالاستیلاء مقررہ نظام حکومت اور غیر معمولی واقعات دونوں کو حاوی ہوگی اور امارت بالاستکفاء صرف مقررہ نظام حکومت کے ساتھ خاص ہے واقعات شاذہ میں دارالخلافہ سے احکام طلب کرنے ہونگے۔

(۴) امارت بالاستیلاء کے لئے وزارت تفویض درست ہے اور

امارت بالاستکفاء کے لئے صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وزیر کے اختیارات مقرر و محدود ہوں گے اور امیر متغلب کے اختیارات مقررہ نظام اور غیر معمولی حوادث دونوں کو مشتمل ہونگے اور وزیر و امیر میں امتیاز باقی رہیگا بخلاف امارت بالاستکفاء کے کہ اس کے اختیارات کا محدود ہونا معلوم ہو چکا ہے اگر اس کے لئے وزارت تفویض جائز قرار دی جائیگی تو بحیثیت اختیارات دونوں مساوی ہو جائیں گے اور یہ بھی معلوم نہ ہو سکے گا کہ وزیر کون ہے؟ امیر کون؟
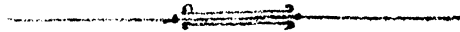
چوتھا باب

سپہ سالاروں کا تقرر

سپہ سالار کا تقرر صرف مشرکین سے پیکار کرنے کے لئے عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں پہلی یہ کہ سپہ سالار کو فقط ترتیب لشکر اور تدابیر جنگ کے اختیارات ہوں اس قسم میں امارت خاصہ کی شرائط ہونی چاہئیں دوسری یہ کہ امیر مذکورۂ بالا اختیارات کے علاوہ مال غنیمت کی تقسیم اور دشمنوں سے مصالحت کرنے کا مجاز ہو۔ اس قسم میں امارت عامہ کی شرائط ہونی چاہئیں۔ تمام مناصب خاصہ سے اس قسم کے احکام کثیر ہیں اور فصول و اقسام بہت ہیں اور چونکہ سپہ سالار خاص کے اختیارات و احکام سپہ سالار عام کے اختیارات و احکام میں داخل ہیں اس لئے ہم اختصاراً عام ہی کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سپہ سالاری عامہ کے چھ آئین ہیں۔ (۱) لشکر کی روانگی۔ اگر سپہ سالار لشکر کے ہمراہ ہے تو حسب ذیل امور کا لحاظ رکھے (۱) نرم رفتاری کہ ضعیف کو بھی چلنے میں دقت نہ ہو نیز چلنے میں ضعیفوں کی ہلاکت اور طاقتوروں کی کمزوری کا اندیشہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ھذا الدین متین

فلا تغلوا فیہ یرفق فان المنبت لا ارضا قطع ولا ظہرا ابقی وشر السیر الحقحقۃ نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا المضعف امیر الرفقۃ مراد یہ ہے کہ جس کی سواری کمزور ہو سب اسی کی رفتار سے چلیں (۲) لشکر کے گھوڑوں کا معائنہ کرے موٹے، بھاری، چھوٹے کمزور شکستہ حال سست ناتوان زخمی گھوڑوں کو نکال دے ایسے گھوڑوں کا ہونا کالعدم ہے مبادا لشکر کے ضعف اور پست ہمتی کا باعث ہو جائیں سواریوں کی پشتیں بھی دیکھے جو چل نہ سکیں ان کو چھوڑ دے طاقت سے زیادہ وزن لادنے کی ممانعت کرے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترجمہ:۔

(تم سے جسقدر ہو سکے قوت حاصل کر کے اور گھوڑے پال کر دشمن سے لڑنے کی تیاری کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ارتبطوا الخیل فان ظہورہا لکم عز وبطونہا لکم کنز ترجمہ

(گھوڑے رکھا کرو انکی پشت تمہاری عزت ہے اور پیٹ خزانہ)

(۳) سپاہیوں کا لحاظ رکھے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تنخواہ دار درج رجسٹر جو مجاہد اور مستحق غنیمت ہیں، ان کو بقدر ضرورت خزانہ عامرہ کے مال غنیمت سے تنخواہیں دے۔ دوسرے وہ دیہاتی قصباتی اور شہری لوگ جو نفیر عام کے حکم کی وجہ سے شریک لشکر ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انفروا خفافا وثقالا وجاہدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ترجمہ خواہ ہلکے ہو یا بھاری سب چلو اور اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال سے جہاد کرو۔ خفافا وثقالا میں چار توجیہیں کیجاتی ہیں (۱) جوان اور بوڑھے یہ حسن اور عکرمہ کا قول ہے (۲) مالدار اور مفلس یہ ابو صالح کا قول ہے (۳) سوار اور پیدل یہ ابو عمر کا قول ہے (۴) عیال دار اور غیر عیالدار یہ فراء کا قول ہے ان لوگوں کو مال غنیمت سے کچھ دینا جائز نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق سے جس کا تذکرہ آیۂ صدقات میں ہے دیا جائے۔

ایسے ہی تنخواہ داروں کو صدقات سے نہ دیا جائے ان کا حق صرف مال غنیمت
سے متعلق ہے بہرحال ہر فریق کا حصہ جدا ہے ایک کو دوسرے کے حق
سے دینا جائز نہیں البتہ امام ابو حنیفہؒ حسب ضرورت جائز کہتے ہیں مگر چونکہ
بتلایا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر ایک کا جدا جدا ذکر فرمایا ہے اس لئے
ایک مد کے روپیہ کو دوسرے میں کام نہ لایا جائے (۴) ہر دو فریق پر نگراں
اور نقیب مقرر کرے کہ ان کے ذریعہ سے لشکر کے حالات معلوم ہوتے
رہیں اور انھیں کے واسطے سے امیر کے سامنے پیش کئے جا سکیں غزوات
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے حق تعالیٰ فرماتا ہے وجعلنٰکم
شعوبًا وقبائل لتعارفوا ترجمہ
ہم نے تمھیں شاخ در شاخ اور قبیلہ در قبیلہ کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔
شعوب وقبائل میں تین تاویلیں ہیں (۱) شعوب قریب کے رشتہ دار قبائل
دور کے رشتہ دار (۲) شعوب عرب اولادِ قحطان اور قبائل عرب اولاد
عدنان (۳) شعوب عجمی خاندان اور قبائل عربی خاندان
(۵) ہر جماعت کے لئے مخصوص الفاظ بطور شعار (علامت) مقرر کرے
جن کو باہم مخاطب کرنے کے لئے استعمال کریں تاکہ تمام جماعتیں ممتاز
بھی معلوم رہیں اور مجتمع بھی ہو سکیں عروۃ ابن زبیر اپنے والد سے راوی
ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل علامتیں مقرر فرمائی تھیں مہاجرین
کے لئے یا بنی عبد الرحمٰن خزرج کے لئے یا بنی عبد اللہ۔ اوس کے لئے
یا بنی عبید اللہ۔ اور فوج کے سوار دستہ کا نام خیل اللہ رکھا تھا۔
(۶) لشکر اور اس کے متعلقین میں سے جو شخص مسلمانوں کی بزدلی یا اضطراب
کا سبب ہو یا کفار کا جاسوس ہو نکال دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
عبد اللہ بن ابی سلول کو بعض غزوات سے اسی جرم میں نکالا تھا حق تعالیٰ
فرماتا ہے وقاتلھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ مقصود یہ کہ تم
میں کوئی کسی کو فتنہ میں نہ ڈالے
(۷) اپنے ہم مذہب متفق الخیال اور عزیزوں کو ان لوگوں پر جو ایسے

نہیں ہیں ترجیح نہ دے ورنہ یکجہتی اور اتحاد نہ رہیگا اور آپس میں پھوٹ پڑجائیگی
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائً مسلمانوں کے ضعف کے وقت منافقین
سے انتہائی مسالمت فرمائی اور ان کی باطنی حالت کو علام الغیوب قلبی
ارادوں پر مواخذہ کرنے والے پر چھوڑ کر ظاہری حالت کا اعتبار کیا تاکہ
ان کی شرکت سے مسلمانوں کو کثرت، شوکت، قوت حاصل ہو حق تعالیٰ فرماتا
ہے ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم ترجمہ

آپس میں مت جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔
اس آیت میں دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ ریح سے مراد دولت ہے یہ ابو عبیدہ کا قول
ہے دوسری یہ کہ ریح سے مراد قوت ہے کیونکہ ریح قوی ہوتی ہے۔

فصل

آئین سپہ سالاری

دار الحرب کے مشرکوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کو دعوت اسلام
پہنچ چکی ہے مگر اسلام نہیں لائے ان کے ساتھ جنگ کرنے میں سپہ سالار کو
دو امر کا اختیار ہے جو امر مسلمانوں کے حق میں مفید اور کفار کو مضر ہو اس پر
عمل پیرا ہو۔ ایک یہ کہ رات یا دن کو ان پر ٹوٹ پڑے اور آگ لگا دے
دوسرے یہ کہ باضابطہ اعلان جنگ کر کے جنگ کے لئے صف بندی کرے
دوسرے وہ مشرک ہیں جن کو ابھی دعوت اسلام نہیں پہنچی اگرچہ خدائے تعالیٰ
نے اپنے رسول کی دعوت کا ڈنکا عالم میں بجا دیا ہے مگر ممکن ہے ترک یا
رومی (جو ہم سے برسر پیکار رہیں) کے علاوہ مشرقی یا مغربی کناروں پہ
کوئی ایسی بیخبر قوم آباد ہو جن سے ہم ناواقف ہوں ان لوگوں کے ساتھ
نہ اچانک جنگ کرنا، شبخون مارنا، آگ لگانا جائز ہے اور نہ تبلیغ دعوت،
معجزات نبوی کے بتلانے اور حجۃ الٰہیہ قائم کرنے سے پیشتر جس سے
وہ اسلام کی طرف مائل ہوں جنگ کرنا درست ہے اگر ان امور کے بعد

بھی وہ کفر پر قائم رہیں تو ان کا حکم بھی پہلے کفار جیسا ہو جائیگا حق تعالیٰ فرماتا ہے
ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن
یعنی اپنے رب کے دین کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دو حکمت
کے دو مطلب ہیں ایک نبوت دوسرے قرآن یہ کلبی کا قول ہے اور
موعظۂ حسنہ کے بھی دو مطلب ہیں ایک قرآن نرم کلامی کے اعتبار سے یہ کلبی
کا قول ہے دوسرے قرآن کے اوامر و نواہی۔ وجادلھم بالتی ہی احسن
یعنی حق اور دلیل کو ظاہر و واضح کرو۔

اگر تبلیغ و دعوت سے قبل دشمن پر حملہ کیا گیا یا شبخون مارا تو
مقتولین کا خونبہا دینا ہوگا چہ شافعی کے صحیح مسلک پر مسلمانوں کے خوں بہا
کے مساوی ہوگا اور بعض کا خیال ہے کہ کفار میں جسقدر خون بہا کا رواج ہو
اسی قدر دینا ہوگا۔ ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کچھ لازم نہ ہوگا ان کے قاتلوں
سے خوں بہا ساقط ہے۔

قتال کے وقت سپہ سالار کو اختیار ہے کہ اپنی کوئی خاص علامت تجویز
کر کے سب کو مطلع کر دے تاکہ ہر دو صف میں ممتاز نظر آئے مثلاً یہ کہ
ابلق گھوڑے پر سوار ہو اور دوسروں کے پاس شکلی یا کمیت ہوں۔ امام
ابو حنیفہ علامت مقرر کرنے اور ابلق گھوڑے پر سوار ہونے سے روکتے ہیں
مگر اس ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے عبداللہ بن عون عمر سے اور وہ ابو اسحٰق
سے راوی ہیں کہ بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا
علامتیں لگاؤ فرشتوں نے بھی علامتیں لگائی ہیں۔ میدان جنگ میں
پکارنے والے کے مقابلہ کو نکلنا بھی درست ہے احد کی لڑائی میں ابی بن
خلف نے میدان میں آکر ہل من مبارزہ کی صدائیں لگائیں حضور صلعم مقابلہ
کے لئے نکلے اور اس کو قتل کر دیا۔ جنگ بدر میں کہ سب سے پہلے حضور صلعم
اسی میں شریک ہوئے قریش کے شریف ترین لوگ عتبہ بن ربیعہ اسکا
بیٹا ولید، اس کا بھائی شیبہ میدان میں کود کر مقابلہ کے لئے پکارنے لگے
انصار میں سے عوف اور مسعود عفرار کے بیٹے اور عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو

بڑھے انھوں نے کہا ہم تمھیں نہیں جانتے ہمارے ہمسر آئیں
چنانچہ بنی ہاشم کے تین بہادر نکلے علی بن ابی طالب نے ولید
کو قتل کیا حمزہؓ بن عبدالمطلب نے عتبہ کا فیصلہ کیا اور عبیدہ
بن الحارثؓ شیبہ سے دوچار ہوئے اور دونوں زخمی ہوئے شیبہ تو فوراً مرگیا
اور عبیدہؓ کو زندہ اٹھا لائے پیر شق ہوگیا تھا صفراء کے علاقہ میں وفات فرمائی
کعب بن مالک نے ان کا مرثیہ کہا ہے۔ (بحر متقارب)

ایا عین جودی ولا تبخلی ... بدمعک وکفا ولا تنزری
علی سید ہدنا ہلکہ ... کریم المشاہد والعنصر
علیک تا امسی ولا تجیبہا ... لعرف عفاہا ولا منکر
وقد کان یحمی غداۃ القتال ... حامیۃ الجیش بالمبتر

اے آنکھ بارش کی طرح آنسوؤں کا تار باندھ دے نہ بخل کر نہ منقبض ہو۔
ایسے شریف النسب بہادر سردار پر رو کہ جس کی ہلاکت نے ہماری کمر توڑ دی۔

عتبہ کی بیٹی ہندہ نے وحشی کو بہت کچھ صلہ دینے کا وعدہ کرکے
اس پر آمادہ کیا کہ حمزہؓ کو میرے باپ کے بدلہ میں قتل کردے اور جب وحشی نے
سیدالشہداء حمزہؓ کو شہید کردیا تو ہندہ نے آپ کا سینہ چاک کرکے جگر کو
چبایا اور یہ اشعار پڑھے (بحر سریع)

نحن جزیناکم بیوم بدر ... والحرب بعد الحرب ذات سعر
ما کان لی عن عتبۃ من صبر ... ولا اخی وعمہ وبکر
شفیت نفسی وقضیت نذری ... شفیت وحشی غلیل صدری
فشکر وحشی علی عمری ... حتی ترم اعظمی قبری

ترجمہ:- آج ہم نے تم سے بدر کے دن بدلا لے لیا لڑائی کے بعد
دوسری لڑائی زیادہ اشتعال پکڑتی ہے عتبہ اور اپنے بھائی اور اس کے چچا اور بکر کی موت
کے بعد مجھے قرار نہ رہا تھا میں نے اپنا جی ٹھنڈا کرلیا اور منت پوری ہوگئی۔
وحشی تو نے میرے سینے کی پیاس بجھادی جیتے جی تیری شکرگزار ہوں گی یہاں تک
کہ میری ہڈیاں قبر میں گل جائیں۔

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کے لئے اپنے قابل قدر بہادر ترین عزیزوں کا نکلنا گوارا کیا آپ خود احد کی لڑائی میں ابیؓ کے مقابلہ کو میدان میں اترے۔ غزوۂ خندق میں خطرہ شدید ہونے کے باوجود آپ نے حضرت علیؓ کا میدان میں اترنا منظور فرما لیا حالانکہ آپ علیؓ کو بہت چاہتے تھے واقعہ یہ ہے کہ پہلے روز عمرو بن عبدود نے میدان میں آکر ہل من مبارز کہنا شروع کیا مگر کوئی مقابلہ کو نہ بڑھا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی ایسا ہی ہوا عمرو بن عبدود نے مسلمانوں کا سکوت اور خوف دیکھ کر کہا کہ کیا تم یہ نہیں کہتے کہ تمہارے مقتول شہید ہوتے ہیں اور جنت میں زندہ رہ کر کھاتے پیتے ہیں اور ہمارے مقتول دوزخ کی آگ میں جلتے ہیں پھر کیا تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اعلیٰ درجہ کے مراتب کا طالب ہو یا دشمن کو دوزخ کی طرف بھیجے اور یہ اشعار پڑھے (بحر کامل)

ولقد بححت من الندا　　　بجمعهم هل من مبارز
ووقفت اذ جبن المشجع　　　موقف القرن المناجز
انی کذلک لم ازل　　　متسرعا نحو الهزاهز
ان الشجاعة فی الفتی　　　والجود من خیر الغرائز

ترجمہ:- خدا کی قسم تمہارے میدان میں آکر سب کو مقابلے کے لئے آواز دیتے دیتے جہاں بہادر بزدل ہو گئے ہیں وہاں میں جوانمردوں کی طرح کھڑا ہوں ہمیشہ خطرناک لڑائی میں پیش قدمی کرتا ہوں بلاشبہ شجاعت و سخاوت انسان کی اعلیٰ ترین خصائل ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ضبط نہ ہو سکا اور رسالت مآب صلعم سے میدان میں نکلنے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دی اور فرمایا علی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حفظ و پناہ میں رکھے جاؤ۔ اسد اللہ میدان میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلتے ہیں۔ (بحر کامل)

ابشر اتاک مجیب　　　صوتک فی الهزاهز غیر عاجز
ذو نیة وبصیرة　　　یرجو الغداة نجاة فائز
انی لارجو ان اقیم　　　علیک نائحة الجنائز

من طعنة نجلاء یبقی ذکرھا عند الھزاھز

اے عمرو تجھے بشارت ہو کہ تیری آواز پر ایسا شخص نکلتا ہے جو عاجز و درماندہ نہیں ہے جس کی نیت صاف اور بصیرت کامل ہے جو دشمنوں کے لئے کامیاب نجات کا خواہشمند ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں ایسے وسیع زخم کے بعد کہ جس کا تذکرہ ہولناک لڑائیوں میں ہوا کرے گا۔ تیری نعش کے پاس نوحہ کرنے والیوں کی طرح کھڑا ہوا نظر آؤں گا۔

دونوں میدان میں گھومنے لگے اور غبار نے اڑکر دونوں کو آنکھوں سے پوشیدہ کر دیا اور جب دور ہوا تو عمرو مقتول تھا اور اسد اللہ اپنی تلوار کو عمرو کے کپڑوں سے پونچھ رہے تھے اس کو محمد بن اسحٰق نے مغازی میں لکھا ہے یہ دونوں واقعے اس امر کی دلیل ہیں کہ میدان میں نکلنا اور خود کو معرض ہلاکت میں ڈالنا جائز ہے۔ رہا یہ امر کہ ابتداءً میدان میں نکلنا اور مقابل کو طلب کرنا بھی جائز ہے یا نہیں امام ابو حنیفہ کہتے ہیں نہیں۔ اس لئے کہ ابتداءً میدان میں نکلکر مقابل کو طلب کرنا اور اظہار تکبر کرنا معصیت ہے اور امام شافعیؒ جائز فرماتے ہیں کہ اس میں دین الٰہی کی شوکت کا اظہار اور اس کے پیغمبر کی اعانت ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رغبت دلائی ہے جس نے میدان میں نکلنے کی طرف اقدام اور پہل کی آپ نے اسی کو منتخب فرمایا محمد بن اسحٰق نے لکھا ہے کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو زرہیں زیب تن فرما کر ایک تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لائے اور اس کو حرکت دیکر فرمایا اس تلوار کا حق کون ادا کریگا؟ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا حضور میں ادا کرونگا آپ نے ان کی طرف سے اعراض کیا اور پھر فرمایا اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا زبیر بن العوام کھڑے ہوئے اور عرض کیا حضور میں ادا کرونگا آپ نے ان کی طرف بھی التفات نہ فرمایا جس سے ان دونوں صاحبوں کو ملال ہوا تیسری بار پھر ارشاد ہوا کون اس تلوار کا حق ادا کریگا۔ اس دفعہ ابو دجانہ سماک بن خرشہ نے دست بستہ عرض کیا یا رسول اللہ اس کا کیا حق ہے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ دشمن پر ماری جائے

یہاں تک کہ ٹیڑھی ہو جائے ابو دجانہؓ نے تلوار لے لی اور ایک سرخ کپڑے کی پٹی کا علم بنایا لوگ یہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ عنقریب لڑ کر بہادری کے جوہر دکھائے گا اور لڑائی کی طرف یہ اشعار پڑھتے ہوئے گیا (بحر سریع)

انا الذی اخذته فی رفقة اذ قال من یاخذه فی حقه
قبلته بعدله وصدقه للقادر الرحمن بین خلقه
المدرك الفائض فضل رزقه من كان فی مغربه وشرقه

ترجمہ:۔ جب اس نے فرمایا کون اس تلوار کو لیکر اس کا حق ادا کرے گا تو میں نے اس کا غلام بنکر تلوار کو لے لیا میں نے اس کے عدل و صداقت کے باعث اس قادر مطلق کے لئے جس کی رحمت مخلوق پر عام ہے اور اس کے فضل و کرم کا دستر خوان مشرق و مغرب والوں کے لئے بچھا ہوا ہے۔ اس تلوار کو قبول کر لیا۔

سماک دونوں صفوں کے درمیان اکڑتے چل رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رفتار حق تعالیٰ کو ناپسند ہے مگر اس موقع پر بہادر سماکؓ نے لڑائی میں شریک ہونے کی پہل کی اور دشمنوں کو قتل و زخمی کر کے اپنی بہادری کا ثبوت دیا اور یہ شعر پڑھے (بحر سریع)

انا الذی عاهدنی خلیلی ونحن بالسفح من النخیل
ان لا اقوم الدهر فی الكیول اخذت سیف الله والرسول

ترجمہ:۔ جب ہم کھجور کے درختوں کے قریب ترائی میں کھڑے تھے میرے دوست نے مجھ سے عہد لیا کہ تازیست خود کو مقید کر کے نہ بیٹھاؤں اور میں نے اللہ اور اللہ کے رسول کی تلوار ہاتھ میں سنبھال لی۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ مبارزت کے لئے نکلنا دونوں طرح جائز ہے ابتدائً بھی اور مخالف کے پکارنے پر بھی تو اس کی دو شرطوں سے غفلت نہ کی جائے ایک یہ کہ مبارزت کرنے والا نہایت بہادر شجاع، نہ دبنے والا ہو اپنے اوپر بھروسہ رکھتا ہو کہ دشمن سے مقہور و مغلوب نہ ہو گا اگر ایسا نہ ہو تو اس کو قطعاً اجازت نہ دی جائے دوسری یہ کہ لشکر کا سردار نہ ہو جس کا فقدان لشکر کے ضعف یا شکست کا باعث ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

کا مبارزت فرمانا اس لیئے مناسب تھا کہ آپ کو کامیابی کا یقین تھا اور خدائے تعالیٰ کا وعدہ تھا جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے جہاد کی تیاری کے وقت امیر اپنی فوج کو شہادت کا شوق دلا سکتا ہے تاکہ مسلمان جی توڑ کر لڑیں اور کافروں پر تائید الٰہی کا سکہ بیٹھ جائے۔ محمد بن اسحٰق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی میں چھپر سے نکلکر لوگوں کو جہاد پر ابھارا اور فرمایا" جو جس کو ملے اسی کا ہے" نیز فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے آج جو شخص دشمنوں سے صبر کے ساتھ ثواب کی نیت سے بغیر پشت دیئے لڑے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ بنو سلمہ کے ایک شخص مسمی عمیر بن حمام نے کھجوروں کو کھاتے کھاتے ہاتھ سے پھینک دیا اور کہا واہ واہ میرے اور جنت کے درمیان صرف اتنا ہی فاصلہ ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کردیں تلوار لے لی اور خوب ہی کھول کر لڑا حتی کہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے شہادت حاصل کر لی (بحر سریع)

رکضاً الی اللہ بغیر زاد الا التقی وعمل المعاد
والصبر فی اللہ علی الجہاد وکل زاد عرضۃ النفاد
غیر التقی والبر والرشاد

ترجمہ:۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جاتا ہوں اور توشہ نہیں ہے بجز پرہیزگاری، اعمال صالحہ اور خدا کے لئے جہاد پر صبر کرنے کے۔ مگر میں خوش ہوں اس لئے کہ تقویٰ، نیکی ہدایت کے ماسوا ہر توشہ ختم ہونے والا ہے۔

لڑائی کے دوران میں مسلمان کو ہر کافر کا قتل کرنا جائز ہے خواہ وہ لڑ رہا ہو یا نہ لڑ رہا ہو۔ اور بوڑھوں اور عبادتگاہوں میں بیٹھے ہوئے راہبوں کے قتل میں اختلاف ہے ایک قول تو یہ ہے کہ جبتک وہ قتل نہ کریں ان کو قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ بچوں کی طرح وہ بھی امن پسند ہوتے ہیں دوسرا یہ کہ اگر قتال میں شریک نہ ہوں تب بھی قتل کئے جائیں ممکن ہے کوئی ایسا مشورہ دے بیٹھیں جو مسلمانوں کے حق میں مضر ہو درید بن صمۃ

کی عمر سو سال کی تھی ہوازن کی لڑائی میں حضور صلعم کے سامنے قتل کیا گیا اور آپ نے کچھ
نہ فرمایا قتل کے وقت اس کی زبان پر یہ شعر تھے (بحر طویل)

امرتهم امری بمنعرج اللوی فلم یستبینوا الرشد الا ضحی الغد
فلما عصونی کنت منهم وقد اری غوایتهم وانی غیر مهتدی

ریت کے موڑ پر میں نے انھیں اپنا مشورہ دیا مگر اگلے دن سورج نکلنے سے
پہلے کسی کی سمجھ میں میری بات نہ آئی ان کی نافرمانی دیکھ کر میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا
حالانکہ ان کی اور اپنی گمراہی کو آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

عورتوں اور بچوں کو اگر قتال نہ کرتے ہوں تو کسی حالت میں قتل کرنا جائز
نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے نیز خدمتگار
اور غلاموں کے قتل سے بھی آپ نے روکا ہے۔ اگر عورتیں اور لڑکے قتال
میں حصہ لے رہے ہیں تو ان کو بھی قتل کیا جائے بشرطیکہ سامنا کر رہے ہوں
اور اگر پشت دیکر بھاگ رہے ہوں تو قتل کرنا جائز نہیں۔ اگر دشمنوں نے
اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے بچاؤ کے لئے سامنے کھڑا کر لیا ہو تو اور ان پر
حملہ کئے بدوں دشمن تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو عورتوں اور بچوں کا قتل بھی جائز
ہے اور مسلمان قیدیوں کو سامنے کر کے بچاؤ کر رہے ہیں اور قیدیوں پر حملہ
کئے بدون دشمن تک نہیں پہنچ سکتے تو مسلمان قیدیوں کا قتل کرنا جائز نہیں
ایسی حالت میں اگر مسلمان محصور ہو جائیں تو نکلنے کی کوشش کی جائے مگر
مسلمان قیدیوں پر ہرگز حملہ کا قصد نہ کیا جائے اگر قتل کیا گیا تو قاتل پر دیت
اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے بشرطیکہ قتل کرتے ہوئے اس کو مسلمان
سمجھ رہا تھا اور اگر مسلمان نہیں سمجھ رہا تھا تو صرف کفارہ واجب ہوگا۔ اگر دشمن
گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑ رہے ہیں تو ان کے گھوڑوں کا قتل کرنا جائز ہے اور
بعض فقہا اس کے خلاف ہیں غزوہ احد میں حنظلہ بن راہب ابو سفیان کے
گھوڑے کو ذبح کر کے ابو سفیان پر قتل کرنے کے لئے چڑھ بیٹھے ابن شعوب
یہ دیکھ کر حنظلہ کی طرف یہ پڑھتا ہوا جھپٹا اور ان کو قتل کر دیا (بحر سریع)

لاحمینّ صاحبی ونفسی بطعنةٍ مثلِ شعاعِ الشمس

ترجمہ: میں اپنی اور اپنے ساتھی کی حمایت سورج کی شعاع کی مانند چمکتے ہوئے نیزے کے زخم سے کروں گا۔ ابن شعوب نے حنظلہ کو قتل کر کے ابوسفیان کی جان بچادی ابوسفیان نے خلاصی پا کر یہ شعر پڑھے۔ (بحر طویل)

وما زال مہری مزجر الکلب منہم　　لدن غدوۃ حتی دنت لغروب
اقاتلہم طرا و ادعو لغالب　　وادفعہم عنی برکن صلیب
ولو شئت نجانی حصان طمرۃ　　ولم احمل النعماء لابن شعوب

ترجمہ: صبح سے شام تک میرا نوجوان گھوڑا دشمنوں میں کتے کے مانند دھتکارا جاتا رہا میں ان سے لڑتا رہا اور میں ہی غالب رہا میں ایک مضبوط نیزے سے اپنے آپ کو ان سے بچاتا رہا۔ اگر میں چاہتا تو میرا قوی ہیکل گھوڑا مجھے بچا لیتا اور ابن شعوب کا کچھ احسان نہ ہوتا۔ ابن شعوب کو ان شعروں کی اطلاع ہوئی تو جواب میں یہ کہا (بحر طویل)

لولا دفاعی یا ابن حرب ومشہدی　　لالفیت یوم النعف غیر مجیب
ولولا مکری المہر بالنعف قرقرت　　ضباع علیہ او ضراء کلیب

ترجمہ: اگر ریت کے تودہ کی لڑائی کے دن میں نہ پہنچتا اور حرب کے بیٹے کو نہ بچاتا تو تم اس کو مرا ہوا پاتے اگر تودہ کی طرف میرا گھوڑا نہ مڑتا تو اس کی ہڈیوں پر بجو اور کتے بولتے۔

مسلمان اپنے گھوڑے کو ذبح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں روایت یہ ہے کہ جعفرؓ بن ابی طالب اپنے کمیت گھوڑے پر سوار ہو کر موتہ کی لڑائی میں شریک ہوئے لڑائی خوب گھمسان کی ہوئی گھوڑے سے اتر کر اس کو ذبح کر دیا اور دل کھول کر لڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ اسلام میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنا گھوڑا ذبح کیا مگر کسی دوسرے مسلمان کو ایسا جائز نہیں اس لئے کہ گھوڑا وہ قوت ہے جس کے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے: "واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم" ترجمہ: تم سے جو کچھ قوت اور گھوڑوں کی پرورش ممکن ہو کرو تاکہ اللہ کے اور اپنے دشمن کو مرعوب کر سکو۔ حضرت جعفرؓ کو گھوڑے کو ذبح کرنا اس لئے جائز تھا کہ دشمن کے نرغہ میں آچکے تھے اگر جیتا چھوڑ دیتے تو اس سے دشمن کو تقویت پہنچتی ورنہ حضرت جعفرؓ نہایت متشرع اور ممنوعات سے پرہیز کرنے والے تھے جب نہ

شکست خوردہ لشکر واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان آگے بڑھ کر ملے لوگوں نے لشکر پر مٹی پھینک کر کہا بھگوڑو! تم اللہ اور اس کے رسول کے راستہ میں بھاگتے ہو حضور صلعم نے فرمایا بھگوڑے نہیں ہیں بلکہ انشاء اللہ مڑ کر حملہ کرنے والے ہیں۔

فصل

سپہ سالاری کے احکام کی تیسری قسم فوجی انتظام سے متعلق ہے جس میں سپہ سالار پر دس امور کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ (۱) فوج کو دشمن کے اچانک حملہ سے محفوظ رکھے اس کی صورت یہ ہے کہ پوشیدہ مقامات کی خبر گیری اور ناکوں پر قابل اطمینان محافظ دستوں کا تعین کرے تاکہ سونے کے وقت فوج آرام کرے اور جنگ کے وقت دوسرے لوگ امن سے رہیں (۲) مقابلہ کے لئے ایسا مقام منتخب کرے جس کی زمین نرم ہو پانی' چارہ بکثرت ہو ہر طرف سے محفوظ ہو تاکہ وہاں اترنے اور قیام کرنے سے تقویت ہو۔ (۳) سامان رسد مہیا رکھے اور حسب ضرورت تقسیم کرے اس سے سپاہیوں کے دل مستغنی اور سیر رہیں گے اور بہادری کے ساتھ لڑیں گے (۴) دشمن کے حالات کا تجسس کرتا رہے تاکہ اس کے فریب سے مامون رہے اور غفلت کا منتظر اور موقع پا کر ٹوٹ پڑے (۵) صفوں میں گڑبڑ ہو جائے تو دشمن جس طرف متوجہ ہو اس طرف امدادی فوج روانہ کرتا رہے۔ (۶) فتح و نصرت کی امیدوں سے فوج کے حوصلے بڑھائے تاکہ دشمن ان کی نظروں میں حقیر ہو جائے اور جرات پیدا ہو کر مشکل آسان ہو جائے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے

اذ یریکھم اللہ فی منامک قلیلاً ولو اراکھم کثیراً لفشلتم ولتنازعتم فی الامر [illegible]

یاد کرو کہ اللہ نے تم کو تمہارے دشمن خواب میں تھوڑے دکھلائے اگر زیادہ دکھلاتا تو تم بزدل ہو جاتے اور آپس میں جھگڑتے۔ (۷) ثواب آخرت اور جنت سے [illegible] دلوں جزائے خداوندی کا وعدہ کرے اور دنیا داروں کو مال غنیمت کی امید دلائے حق تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہ منھا ومن یرد ثواب الآخرۃ

نؤتہ منہا۔ ترجمہ:۔ طالب دنیا کو ہم دنیا دیتے ہیں اور طالب آخرۃ کو آخرت۔
ثواب دنیا سے مراد مال غنیمت ہے اور ثواب آخرت سے جنت دیکھو اللہ تعالےٰ
نے دونوں فریق کی مرغوبات ذکر فرمائی ہیں

(۸) مشکل معاملات میں ارباب عقل اور سیاست دانوں سے مشورہ کرے
تاکہ لغزش وخطا سے محفوظ رہے اور فتح کی امید قوی تر ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے
رسول کو فرمایا:" وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ" ترجمہ
کاموں میں اپنے رفقاء سے مشورہ کیجئے اور جب بات طے ہو جائے تو اللہ پر
اعتماد کرلو۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
مشورہ کا حکم ہوا؟ حالانکہ امداد ربانی ہر وقت آپ کے شامل حال تھی۔ اور
یہ چار وجوہ بیان کی جاتی ہیں پہلی وجہ حسن فرماتے ہیں کہ آپ مشورہ کے
اس لئے مامور ہوئے کہ درست اور صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں اور اس پر عامل
ہوں کیونکہ مشورہ سے نہایت عمدہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری وجہ
قتادہ کہتے ہیں کہ آپ صلعم مشورہ کے اس لئے مامور ہوئے کہ رفقاء کی
دلجوئی اور دلداری ہو۔ تیسری وجہ ضحاک کہتے ہیں کہ آپ مشورہ کے لئے اس لئے
مامور ہوئے کہ اس میں بہتری اور منفعت یقینی ہے چوتھی وجہ سفیان
کہتے ہیں کہ آپ مشورہ کے لئے اس لئے مامور ہوئے کہ امتی بھی اس میں آپ کی
تقلید وپیروی کریں اگرچہ خود حضور صلعم ان کے مشورہ سے مستغنی
تھے۔

(۹) جہاد حقوق و امر و نواہی پر فوج کو کاربند رکھے کسی کو احکام دینیہ اور حقوق
سے انحراف کرنے کی جرأت نہ ہونے دے مجاہدین کا جو مذہب کے لئے
سرگرم ہیں حلال وحرام میں فرق کرنا عام لوگوں سے بھی زیادہ ضروری ہے
حارث بن نبہان عثمان بن آبان سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے لشکریوں کو فتنہ وفساد
سے روکو جن لوگوں نے فتنے پھیلائے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو
کمزور اور مرعوب کردیا خیانت سے روکو جن لوگوں نے خیانت کی

اللہ تعالیٰ نے ذلیل لوگوں کو ان پر مسلط کردیا زنا سے باز رکھو جن قوموں نے زنا کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر دوقسم کی موت مسلط کردی ابو الدرداء فرماتے ہیں مسلمانو! جہاد سے پہلے عمل صالح کرتے رہو فتح و نصرت اعمال پر موقوف ہے
(۱۰) کسی فوجی کو تجارت اور زراعت میں مصروف نہ ہونے دے ورنہ اس کی تمام تر توجہ ان چیزوں کی طرف مائل ہوجائے گی اور دشمن سے لڑنے اور جہاد کرنے کی جرات باقی نہ رہے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں تاجر اور کاشتکار بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ کافروں کو ذلیل کرنے والا اور مومنوں پر رحم کرنے والا مبعوث ہوا ہوں اس امت میں دینداروں کو مستثنیٰ کر کے سب سے برے لوگ تاجر و کاشتکار ہیں خدا تعالیٰ کے ایک نبی نے جہاد کی تیاری کے موقع پر یہ کہا کہ جو شخص مکان بنا رہا ہے اور مکمل نہیں ہوا یا جس کی شادی ہوئی ہے بستر نہیں ہوا یا جس کی کھیتی کھڑی ہے اور ابھی تک نہیں کاٹی میرے ساتھ جہاد میں ہرگز شریک نہ ہو۔

فصل

سپہ سالاری کے احکام کی تیسری قسم فوجی سپاہیوں سے متعلق ہے کہ انکے کیا فرائض ہیں؟ اس کی دو قسمیں ہیں قسم اول حقوق اللہ کی نگہداشت اور قسم ثانی سپہ سالار کے حقوق قسم اول میں چار امور داخل ہیں پہلا امر دشمن کیساتھ اس بہادری سے لڑنا کہ اگر دشمن دو چند بھی ہوں تو بھی ان سے پسپا نہ ہو ابتدائے اسلام میں حق تعالیٰ نے ایک مسلمان کو دس کافر کا مقابل قرار دیا تھا ارشاد ہوا ہے "یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانہم قوم لا یفقہون۔

ترجمہ: اے نبی مومنوں کو لڑائی پر آمادہ و برانگیختہ کیجئے اگر تم میں بیس مستقل اور جم کر لڑنے والے ہونگے تو سو کو مغلوب کر سکیں گے۔ اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار پر غالب رہیں گے مگر بعد میں تخفیف کردی گئی اور ایک مسلمان کو دو کا مقابل

ٹھیرایا گیا ارشاد ہوا الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین

ترجمہ :- اب اللہ تعالیٰ تم سے تخفیف کرتا ہے یہ معلوم ہوگیا کہ تم کمزور ہو لہذا اگر تم میں سو جم کر لڑنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب رہینگے اور اگر ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ مسلمان کو اپنے دو چند سے بجز دو صورتوں کے پسپا ہونا حرام ہے ایک یہ کہ تھکن اتارنے یا دھوکہ دینے کے لئے پیچھے ہٹ رہا ہے اور پھر مڑ کر حملہ کرنا چاہتا ہے دوسری یہ کہ اپنی جماعت کے ساتھ شریک ہوکر قتال کرنا چاہتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ" ترجمہ: جو شخص لڑائی کے دن بجز اس صورت کے کہ مڑ کر لڑنا چاہتا ہے یا اپنی جماعت میں شریک ہوکر لڑنا چاہتا ہے پشت دے گا تو بلاشبہ خدائے تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہو جائیگا یہاں یہ امر کہ اپنی جماعت جس میں ملنا چاہتا ہے قریب ہو یا بعید اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے لشکر کو جب پسپا ہوکر ان کے پاس آیا تو فرمایا "میں ہر مسلم کے لئے بمنزلہ ایک جماعت کے ہوں" اور اگر کفار دو چند سے زائد ہیں اور تاب مقاومت نہیں تو مذکورہ بالا دو صورتوں کے بغیر بھی پسپا ہونا جائز ہے یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور اگر دو چند سے بھی تاب مقابلہ نہیں اور ہلاکت کا خطرہ ہے تو پسپائی جائز ہے یا نہیں ؟ اس میں امام موصوف کے تلامذہ کا اختلاف ہے ایک جماعت کی رائے ہے کہ جان دیدو مگر پشت دیکر نہ بھاگو۔ اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ قتال کے لئے لوٹنے یا اپنی جماعت میں شامل ہونے کی نیت سے پسپا ہونا جائز ہے تاکہ قتل سے محفوظ رہے اور یہ مقتضائے آیت کے خلاف بھی نہیں ہے اس لئے مقابلہ میں جمنے پر اگرچہ قادر نہیں ہے مگر مذکورہ بالا نیت پر تو قادر ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل ناقابل اعتبار ہے اور آیت منسوخ ہے جب تک ممکن ہو مقابلہ پر جمارہے اور جب ہلاکت کا خوف قطعی ہو تو

پسپا ہو جائے۔

دوسرا یہ ہے کہ جہاد سے مقصود دین الٰہی کی نصرت اور دوسرے ادیان کا ابطال ہو تاکہ آیت لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (ترجمہ تاکہ اسلام کو جملہ مذاہب پر غلبہ ہو اگرچہ مشرک ناپسند کریں) کا مقتضا پورا ہو اس اعتقاد کے اثر سے جزائے خداوندی کا حصول دین کی امداد اور احکام الٰہیہ کی اطاعت میسر ہوگی مصائب و تکالیف کا تحمل آسان اور ثبات قدمی جلادت پیدا ہوگی۔ اپنی نیت کو حصول غنیمت کے خیال سے فاسد نہ بنائے یہ صفت حریص مال کی ہے نہ کہ مجاہد کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں بڑے بڑے سرداران قریش کے قتل ہونے کے بعد بقیہ چوالیس قیدیوں کے بارے میں صحابہ سے مشورہ فرمایا حضرت عمرؓ نے فرمایا" یا رسول اللہ یہ لوگ ضلالت کے سرگروہ کفر کے امام اور اللہ کے دشمن ہیں انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور وطن سے بے وطن کیا سب کو ایک طرف سے موت کے گھاٹ اتار دیجئے" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا" یا رسول اللہ یہ سب آپ کے عزیز واقربا اور گھر والے ہیں سب سے مسالمت فرمائیے کیا عجب ہے سب مسلمان ہو جائیں اور حق تعالیٰ آپ کی بدولت ان کو عذاب دوزخ سے بچالے" اس کے بعد آپ قیدیوں سے ایک روز قبل مدینہ تشریف لے گئے وہاں بھی کوئی حضرت عمرؓ کا ہمخیال نکلا اور کوئی حضرت ابوبکرؓ کا آپ نے صحابہ کے مجمع میں تشریف لاکر فرمایا صاحبو! ان دونوں شخصوں کے متعلق جن کی طبعیت اپنے پچھلے بھائیوں جیسی ہے تمھارا کیا خیال ہے۔ نوح علیہ السلام نے کہا رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا" ترجمہ: میرے رب! ان کافروں کا کوئی گھر زمین پر بسا ہوا نہ چھوڑ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ربنا اطمس علیٰ اموالھم واشدد علیٰ قلوبھم ترجمہ:۔ اے ہمارے رب! ان کا مال ومتاع ملیامیٹ اور ان کے دلوں کو سخت کردے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا" ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم" (ترجمہ:۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو

یہ تیرے بندے ہیں اور بخشدے تو بلاشبہ تو ہی عزیز و حکیم ہے) حضرت ابراہیم نے فرمایا " فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم ترجمہ (جس نے میرا اتباع کیا وہ میرا ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بیشک تو معاف کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے) حق سبحانہ وتعالیٰ کسی کا دل پتھر سے زیادہ سخت بناتا ہے اور کسی کا دودھ سے زیادہ رقیق اگرچہ تم میں بعض عزیز واقربا ہیں لیکن تمہارے لئے صرف دو صورتیں تجویز کی جاتی ہیں یا تو فدیہ دیکر خلاصی حاصل کرو یا قتل ہونا قبول کرو چنانچہ ہر قیدی نے چار ہزار درہم فدیہ ادا کیا۔ قیدیوں میں عباس بن عبد المطلب بھی تھے ان کو ابو الیسر نے گرفتار کیا تھا عباس جسیم اور ابو الیسر پست قامت تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو الیسر سے دریافت فرمایا کہ تم نے عباس کو کیسے گرفتار کر لیا! انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص نے جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا میری مدد کی آپ نے فرمایا کہ تمہارا مددگار ایک مقدس فرشتہ تھا۔ آپ نے عباس سے فرمایا اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ ابن عمر کا فدیہ پیش کرو انھوں نے کہا یا رسول اللہ میں تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا مگر لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگے آپ نے فرمایا اچھا اپنا اسلام ظاہر کردو اگر تمہارا قول صحیح ہوا تو اللہ تعالیٰ تمھیں اس کی جزا مرحمت فرمائیگا حضرت عباسؓ نے اپنی طرف سے سو اوقیہ ادا کئے اور ہر ایک بھتیجے اور حلیف کی طرف سے چالیس اوقیہ (اوقیہ ایک رطل کا بارھواں حصہ ہوتا ہے) اور حضرت عباسؓ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی " یٰایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسری ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یؤتکم خیرا مما اخذ منکم ویغفر لکم واللہ غفور رحیم " (اے نبی! اپنے قیدیوں سے کہدیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلوب کی بھلائی معلوم ہوئی تو تم کو اس سے بہتر دیگا جو تم سے لیا ہے اور تمہاری مغفرت فرمائے گا اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی تنگدستی و مفلسی کی وجہ سے فدیہ لے چکے تو حق تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا " ماکان لنبی ان یکون لہ اسری

حتی یثخن فی الارض (نبیؐ کو مناسب نہیں ہے کہ حصول مال کے لئے) قیدی گرفتار کرے تاوقتیکہ زمین پر خون نہ بہادے)۔ ثخن سے مراد قتل ہے۔ "تریدون عرض الدنیا" (تم مال دنیوی چاہتے ہو) یعنی فدیہ اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے" یعنی وہ اعمال جو ثواب اخروی کا ذریعہ ہوں" واللہ عزیز حکیم اللہ غالب اور حکمت والا ہے یعنی تمہاری فتح پر غالب اور جو تمہارے لیے چاہتا ہے اس میں حکیم ہے" لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم (اگر ایک بات اللہ کی طرف سے اب سے پہلے طے نہ ہو جاتی تو تمہارے لینے کی وجہ سے تم سب بڑے عذاب میں مبتلا ہو جاتے) اس سے مراد وہ فدیہ ہے جو قیدیوں سے وصول کیا گیا تھا۔ اس آیت میں تین تاویلیں ہیں (۱) یہ کہ اگر یہ بات طے شدہ نہ ہوتی کہ تمھیں عذاب نہیں دے گا تو فدیہ لینے کی وجہ سے عذاب عظیم میں مبتلا ہو جاتے یہ مجاہد کا قول ہے دوسری یہ کہ اگر اللہ کی طرف سے یہ بات طے شدہ نہ ہوتی کہ غنیمت حلال کر دی جائے گی تو تم پر اہل بدر سے فدیہ لینے کی وجہ سے عذاب عظیم نازل ہوتا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے تیسری یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے نہ ہو جاتا کہ کسی سے نادانستہ عمل پر مواخذہ نہیں ہوگا تو تم پر فدیہ کی وجہ سے عذاب عظیم نازل ہوتا یہ ابن اسحق کی رائے ہے جب آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اگر ہمیں اللہ تعالیٰ عذاب دیتا تو اے عمرؓ! سوائے تمہارے کوئی نہ بچتا۔ تیسرا امر حقوق اللہ سے متعلق یہ ہے کہ مال غنیمت میں ذرہ برابر خیانت نہ کرے جس قدر اپنے پاس جمع کیا ہو سب ادا کرے تاکہ تمام مجاہد اور ان کے معاونین میں تقسیم کیا جائے اس لیے کہ اس میں ان سب کا حق ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے" وما کان لنبی ان یغل ومن یغلل یات بما غل یوم القیامۃ (نبی کی شان یہ نہیں ہے کہ خیانت کرے اور جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن اس چیز کو لائے گا جس کی خیانت کی ہے) اس آیۃ میں تین تاویلیں ہیں پہلی یہ کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے مال غنیمت میں خیانت کرے یہ ابن عباسؓ کا قول ہے دوسری یہ کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کے ساتھی اس کے ساتھ رہ کر مال غنیمت

میں خیانت کریں یہ قول حسن اور قتادہ کا ہے تیسری یہ کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ
اپنے ساتھیوں سے ڈر کر یا کسی طمع کی وجہ سے کسی پیغام خداوندی کو پوشیدہ
رکھے یہ قول محمد بن اسحٰق کا ہے۔ حقوق اللہ میں سے چوتھا امر یہ ہے کہ کسی
مشرک عزیز کا معاون نہ ہو اور نصرت دین کے مقابلے میں کسی دوست
کے ساتھ مساہلت نہ کرے کہ حق اللہ اور نصرت دین زیادہ اہم ہیں
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء
تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق۔

ترجمہ:۔ (ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن سے دوستی مت کرو تم دوستی سے
ان کے ساتھ پیغام رسانی کرتے ہو حالانکہ وہ اس حق کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے
پاس آیا ہے) یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی
حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر چڑھائی کا ارادہ فرما رہے تھے حاطب نے
اس کی بابت ایک خط لکھ کر ایک عورت سارہ نامی کو دیا کہ وہ اہل مکہ کو
پہنچا دے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو اس سے مطلع فرما دیا آپ نے
علیؓ و زبیرؓ کو اسے گرفتار کرنے کے لئے روانہ فرمایا ان دونوں حضرات نے
اس خط کو سارہ کی چوٹی سے برآمد کیا آپ نے حاطب کو بلا کر پوچھا کہ یہ
تم نے کیا کیا؟ حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ اور اس کے رسول پر
میرا ایمان ہے نہ کافر ہوں نہ مرتد مگر میں تنہا شخص ہوں نہ آبا و اجداد ہیں
نہ دوسرے اعزہ میرے بیوی بچے مکہ میں رہتے ہیں میں نے یہ خط اسلئے
تحریر کیا کہ وہ ان کے ساتھ بدسلوکی نہ کریں آپ نے حاطبؓ کا قصور معاف
فرما دیا۔ دوسری قسم سپہ سالار کے حقوق جو فوج پر عائد ہوتے ہیں یہ بھی
چار ہیں پہلا یہ کہ سپہ سالار کی حکومت کو تسلیم کریں اور اس کے احکام کو
مانیں اس لئے کہ وہ ان کا حاکم بنایا گیا ہے اور حاکم کی اطاعت واجب ہے
حق تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

ترجمہ:۔ (مسلمانو! اللہ اور رسول اور اپنے حکام کی اطاعت کرو) اولی الامر میں دو
تاویلیں ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد بادشاہ اور حکام ہیں یہ ابن عباس کا

قول ہے۔ دوسری یہ کہ اس سے مراد علماء ہیں یہ جابر بن عبد اللہ حسن عطاء کا قول ہے۔ ابو صالح ابوہریرہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی دوسرا یہ ہے کہ تمام انتظام اس کے سپرد کر کے اس کی تدابیر پر اعتماد کریں اور کسی امر میں مختلف الرائے نہ ہوں ورنہ اختلاف و تشتت پیدا ہو جائیگا حق تعالیٰ فرماتا ہے "ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم"

ترجمہ:۔ اور اگر وہ اس معاملہ میں پیغامبر اور اپنے حاکموں کی جانب رجوع ہوں تو ان میں سے وہ لوگ جو استنباط کریں وہ اسے جان لینگے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے انتظام حاکم کے سپرد کر دینے کو حصول علم اور درستی کار کا سبب اور ذریعہ قرار دیا ہے ہاں اگر کسی شخص کا ذہن ایسی مصلحت کے طرف منتقل ہوا ہو جس پر حاکم متنبہ نہیں ہوا تو اس کا مشورہ دے سکتا ہے۔ مشورہ کے حکم سے یہی مقصود ہے کہ صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں۔ تیسرا امر یہ ہے کہ افسر کوئی حکم دے تو فوراً تعمیل کی جائے اور ممانعت کرے تو فوراً رک جائیں یہی اطاعت کے لوازم ہیں اور اگر حکم کی تعمیل میں یا رکنے پر باز نہ آئیں تو حاکم اس کا مجاز ہے کہ خلاف ورزی پر جرائم کی حیثیت سے ان کو سزا دے۔ لیکن حاکم کا رویہ شدید نہ ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ ترجمہ:۔

خدا کی رحمت ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم ہو گئے" اگر آپ بد خلق اور سخت ہوتے تو سب آپ کے پاس سے چلے جاتے۔ سعید بن المسیب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھا دیندار وہ شخص ہے جو سہولت اور آسانی کا لحاظ رکھے چوتھا امر یہ ہے کہ جب حاکم مال غنیمت تقسیم کرے تو بخوشی اس کی تقسیم کو قبول کریں کسی قسم کا نزاع نہ کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں شریف، غیر شریف، قوی، ضعیف، سب کا مساوی حصہ مقرر کیا ہے۔ عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے راوی ہیں کہ غزوہ حنین میں لوگ آپ کے سر ہو رہے تھے کہ ہماری غنیمت ہم میں تقسیم کیجئے

یہاں تک کہ آپ کی چادر کھینچ لی آپ نے ارشاد فرمایا لوگو! میری چادر واپس دیدو خدا کی قسم اگر تہامہ کے درختوں کے برابر بھی مال و دولت ہوتی تو میں سب تم میں تقسیم کر دیتا تم مجھے بخیل، بزدل، جھوٹا نہ پاتے۔ پھر آپ نے اپنے اونٹ کے کوہان کی کچھ اون اٹھا کر فرمایا لوگو! تمھارے کل مال غنیمت بلکہ اس اون سے بھی میرا حصہ بجز خمس کے کچھ نہیں ہے اور خمس بھی تمھیں ہی مل جائیگا لہذا ہر چیز حتیٰ کہ دھاگہ اور دھاگے سے بنا ہوا کپڑا سب ادا کردو کیونکہ خیانت دنیا میں بھی موجب شرم و عار ہے اور آخرت میں بھی عذاب و رسوائی کا باعث ہوگی ایک انصاری اون سے دھاگوں کی ایک کوکڑی لایا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلعم میرے اونٹ کو سردی لگ گئی ہے اس کی جھول سینے کے لئے میں نے یہ دھاگے کئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنا حصہ تو تمھیں بخشا اس نے عرض کی کہ جب آپ اسقدر مبالغہ اور احتیاط فرماتے ہیں تو مجھے اس کی ضرورت نہیں اور اسے آپ کے سامنے زمین پر ڈالدیا۔

فصل

سپہ سالاری کے احکام کی پانچویں قسم یہ ہے کہ جب تک ممکن ہو دشمن کے مقابلے پر جمارہے قوت موجود ہو تو خواہ زیادہ عرصہ گزر جائے لیکن پسپا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" ترجمہ:- اے ایمان والو! صبر کرو، دشمن کے مقابلہ پر جمے رہو، سرحد کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو، اس آیت کے تین مطلب ہیں ایک یہ کہ صبر کرو طاعت خداوندی پر صابر رہو خدا کے دشمنوں کے سامنے جمے رہو، اور بوجہ اللہ سرحد کی حفاظت کے لئے چھاونیاں ڈالو یہ قول حسن کا ہے۔ دوسرا یہ کہ اپنے دین پر صابر رہو، وعدہ کے پکے رہو، میرے اور اپنے دشمنوں کو باندھے رکھو یہ قول محمد بن کعب کا ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ جہاد پر صابر رہو، دشمن کے سامنے جمے رہو، اور سرحد کی حفاظت کے لئے

چھا: نیاں ڈالو یہ قول زید بن اسلم کا ہے۔ چونکہ دشمن کے سامنے جمے رہنا جہاد کا ایک حق ہے اس لئے جبتک حسب ذیل چار صورتوں میں سے کسی صورت سے کامیابی نہ ہو مقابلے پر جمے رہنا لازمی ہے پہلی صورت یہ ہے کہ سب مسلمان ہو جائیں اور اسلام لانے سے تمام حقوق اور سزاؤں میں ہم اور وہ برابر ہو جائیں۔ اپنی ملکیات و مقبوضات پر برقرار رکھے جائینگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگیں اور جب اس کے قائل ہو جائیں تو میری طرف سے ان کی جان و مال محفوظ ہو جائینگے اور صرف حقوق کی وجہ سے سزائیں دیجائیں گی" اسلام لانے سے ان کے علاقے دار الاسلام سمجھے جائیں گے اور دار الاسلام ہی کے احکام ان پر نافذ کئے جائیں گے اور اگر میدان جنگ میں ان کی قلیل یا کثیر جماعت اسلام قبول کرے تو اس جماعت کا مال اور جایدادیں محفوظ ہو جائیں گی اگر امام کو ان کے علاقوں پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس جماعت کا مال نہ لوٹا جائے اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ غیر منقولہ اشیاء مثل زمین و مکان کے غنیمت میں لے لی جائیں اور سامان منقولہ کو نہ لوٹا جائے مگر یہ خلاف سنت ہے اس لئے کہ بنو قریظہ کے محاصرے میں دو یہودی اسید اور ثعلبہ شعب کے بیٹے اسلام لائے تو ان کا تمام مال و اسباب محفوظ ہو گیا بڑوں کے اسلام لانے سے چھوٹے بچے اور جنین بھی مسلمان سمجھے جائیں گے اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر دار الاسلام میں مسلمان ہوا ہے تو اس کے بچے جو دار الحرب میں ہیں، مسلمان نہ ہوں گے اور اگر دار الحرب میں مسلمان ہوا ہے تو اس کے چھوٹے بچے بھی مسلمان قرار دئے جائیں گے مگر جنین کا مسلمان ہونا نہیں مانا جائے گا۔ لہذا اس کی بیوی (اگر مسلمان نہیں ہوئی) اور جنین مال غنیمت میں شامل ہونگے۔ اور اگر کسی مسلمان نے دار الحرب میں جا کر جائداد اور سامان خرید لیا ہو تو فتح کے وقت اس کے مال پر قبضہ نہ کیا جائے چونکہ اسے خریدا ہے لہذا وہی اس کا مستحق ہے اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کی زمین مال غنیمت ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بفضل خداوندی ان پر فتح نصیب ہو اور وہ حسب سابق مشرک ہیں تو ان کی اولاد مقید کر لی جائے

مال لوٹ لیا جائے اور جو گرفتار نہ ہو سکیں قتل کر دیئے جائیں قیدیوں کے متعلق حسب ذیل چار اختیارات میں سے جو مناسب ہو استعمال کرے۔

(۱) یہ کہ باندھ کر ان کی گردنیں اڑا دے۔ (۲) یہ کہ ان کو غلام اور باندیاں بنا لے اس صورت میں ان پر غلامی کے احکام مثل بیع کے جاری ہو جائیں گے (۳) یہ کہ مال لیکر یا اپنے قیدیوں کے بدلے میں ان کو چھوڑ دے (۴) یہ کہ ان کو معاف کر کے زیر بار احسان کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب" ترجمہ: جب تم کافروں سے ملو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جب تم ان پر قابو یافتہ ہو جاؤ تو ان کی گردنیں اڑا دو دوسرے یہ کہ ہتھیاروں اور تدبیروں سے جنگ کرو تاکہ ان کی گردنیں اڑ جائیں۔ پھر ارشاد ہے "حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق" ترجمہ جب لڑائی کا بازار گرم کر چکو تو مضبوط باندھ لو اثخان سے مراد زخمی کرنا اور شد وثاق سے مراد گرفتار کرنا ہے "فاما منا بعد واما فداء" پھر یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر مَن میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد درگزر اور چھوڑ دینا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال کو قید کر کے بطور احسان کے چھوڑ دیا دوسرا یہ ہے کہ اس سے مراد غلام بنا کر آزاد کرنا ہے اور یہ مقاتل کا قول ہے۔ اور فداء میں بھی یہاں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مال پر فدیہ لیکر یا اپنے قیدی کے بدلہ میں چھوڑنا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے اسیروں کو فدیۂ مال پر چھوڑا اور بعض اوقات اپنے ایک قیدی کے بدلے دو آدمیوں کو رہا کیا۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے فروخت کرنا ہے یہ مقاتل کی رائے ہے۔ "حتی تضع الحرب اوزارها" ترجمہ۔ یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتیار رکھدے" اس آیت میں دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ کفر کے اوزار اسلام کے ذریعہ سے ڈالدے دوسری یہ کہ لڑائی کا بوجھ جس سے مراد ہتیار ہیں ہتیار مراد لینے کی صورت میں دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کے ہتیار کامیابی فتح و نصرت کی وجہ سے ڈالدے دوسرا یہ کہ مشرکوں کے ہتیار شکست کی وجہ سے ڈالدے۔ ان احکام اربعہ کی مزید تفصیل آگے چل کر مال غنیمت

کی تقسیم کے ساتھ آئے گی کامیابی کی دوسری صورت یہ ہے کہ دشمن روپیہ وغیرہ دے کر صلح کرنی چاہے سپہ سالار کو اس کا منظور کرنا جائز ہے اس صلح کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ روپیہ سالانہ خراج کے طور پر نہیں بلکہ صرف صلح کے لئے ادا کرتے ہیں تب تو یہ روپیہ مال غنیمت ہو گا اس لئے کہ سواریوں کو کام میں لا کر اور چڑھائی کر کے حاصل ہوا ہے اور مستحقین غنیمت میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس صلح سے دشمنوں کو صرف اس قدر فائدہ ہو گا کہ اس مخصوص جہاد میں ان کو قتل و غارت نہ کیا جائے گا مگر اس کے بعد جہاد کرنے کا حق ہو گا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ یہ رقم سالانہ خراج دائمی کے طور پر ادا کریں اس صورت میں ان کو امان بھی دائمی ہو گا لیکن سب سے پہلی رقم مال غنیمت ہو گی جو صرف لشکریوں میں تقسیم کر دی جائے اور آئندہ ہر سال کی رقم خراج اور سالانہ مالگزاری ہو گی جو اس مستحقین میں تقسیم کی جائے اس صلح کے بعد جب تک مالگزاری ادا ہوتی رہے ان پر چڑھائی کرنا جائز نہ ہو گا۔ اس لئے کہ صلح کا انعقاد ادائے مالگزاری پر ہوا ہے اگر ان میں سے کوئی دارالاسلام میں آئے گا تو اس کی جان و مال اس صلح کی وجہ سے محفوظ رہیں گے اور جب وقت مالگزاری ادا کرنا چھوڑ دیں تو امان اٹھ جائیگا اور دوسرے کفار کی مانند ان کے ساتھ بھی جہاد کرنا ہو گا۔ ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مالگزاری کے ادا نہ کرنے سے نقض امان نہ کیا جائے اس لئے کہ یہ روپیہ ان کے ذمہ ایک حق ہے اور اس کے ادا نہ کرنے سے دیون کے مثل نقض عہد لازم نہیں آتا ابتداءً دشمنوں کی طرف سے ہدیہ پیش ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے ساتھ امن کا عہد کر لیا گیا ہے لہذا ہدیہ لینے کے بعد ان سے لڑنا جائز ہے کیونکہ عہد کے لئے انعقاد یعنی ایجاب و قبول ضروری ہیں۔

کامیابی کی چوتھی صورت یہ ہے کہ دشمن امن و صلح کے خواستگار ہوں اور ان پر غالب آنا یا ان سے روپیہ لینا دشوار ہو تو امیر مدت معینہ کے لئے مصالحت کر سکتا ہے بشرطیکہ امام کی طرف سے اس کی اجازت دی گئی ہو یا اختیارات عامہ حاصل ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعۂ حدیبیہ میں قریش کے ساتھ دس سال کے لئے معاہدۂ صلح کیا تھا لہذا جہاں تک ممکن ہو صلح کی مدت

کم مقرر کرے اور دس سال سے زیادہ کا معاہدہ نہ کرے ورنہ اس سے زیادہ کا معاہدہ زائد کے حق میں باطل ہوگا اس مدت کے گزرنے تک اگر وہ اپنے عہد پر ثابت ہیں تو ان کو امان ہوگا اور جہاد نہ کیا جائے گا اور اگر عہد توڑ بیٹھے تو محارب سمجھے جائیں گے بلا اطلاع ان پر چڑھائی جائز ہوگی قریش نے صلح حدیبیہ کو توڑا تو آپ (صلعم) لڑائی کے لئے بلا اعلان جنگ روانہ ہوگئے اور مکہ کو فتح کرلیا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فتح صلح سے ہوئی تھی اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غلبہ سے ہوئی تھی۔

جب وہ لوگ نقض عہد کریں تو ان کے رہن کئے ہوئے غلام اور باندیوں کو جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں رومیوں نے عہد شکنی کی اور حضرت معاویہ کے قبضہ میں رہن کردہ غلام باندیاں موجود تھیں مگر مسلمانوں نے کسی کو قتل نہ کیا اور یہ کہہ کر یونہی چھوڑ دیا کہ عہد شکنی کا جواب وفائے عہد سے دینا اس سے بہتر ہے کہ عہد شکنی سے دیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں امانت والے کی امانت ادا کردو اور جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ نہ کرو۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ ان کو قتل کرنا جائز نہیں تو یہ بھی یاد رہے کہ جبتک دشمن کے ساتھ جنگ شروع نہ ہو ان (غلام اور باندیوں) کو چھوڑنا بھی جائز نہیں ہے اور جنگ شروع ہونے پر ان کو چھوڑ دینا واجب ہے مردوں کو ان کے محفوظ مقامات پر اور عورتوں اور بچوں کو ان کے گھر والوں کے پاس پہونچانا واجب ہے موخر الذکر کو گھر والوں تک پہونچانا اس لئے ضروری ہے کہ یہ خود مستقل کچھ نہیں دوسروں کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر دشمن صلح میں یہ اصرار کریں کہ اگر ہمارا آدمی مسلمان ہوجائے اس کو ہمیں واپس دیا جائے تو یہ شرط منظور کرنی جائز ہے لہٰذا اگر ان میں سے کسی نے اسلام قبول کرلیا اور واپس کرنے میں اس کی جان کے تلف ہونے کا خطرہ نہیں ہے تو واپس کردیا جائے اور اگر خطرہ ہو تو واپس نہ کیا جائے اور اگر کوئی عورت اسلام لے آئے تو اس کو واپس کرنے کی شرط منظور نہ کی جائے اس لئے کہ وہ کفار پر حرام ہوجاتی ہے

اگر یہ شرط تسلیم کرلی گئی ہو تب بھی واپس نہ کی جائے بلکہ اگر اس کا شوہر طلاق دیدے تو پھر واپس کردیا جائے بلکہ کسی ضرورت کے لیے صلح کرنا جائز نہیں ہے ہاں چار ماہ یا اس سے کم کے لئے جائز ہے اور چار سے زائد کے لئے صحیح نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر ترجمہ کہدو کہ چار ماہ تک آزادی سے زمین پر پھرتے ہیں۔

اور خصوصی امان ہر مسلمان مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام دینے کا مجاز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام مسلمانوں کی جانیں مساوی ہیں یعنی ان کے غلام تک امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مملوک کو اگر لڑنے کی اجازت نہ ہو تو اس کا امن دینا غیر صحیح ہے۔

فصل

آئین سپہ سالاری کی تیسری قسم دشمن سے مقابلہ اور پیکار کے متعلق ہے دشمن کے قلعہ یا شہر پناہ کو توڑنے کے لیے پتھر پھینکنے کے آلات منجنیق وغیرہ نصب کرنا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر اس کو نصب فرمایا تھا۔ مکانات کا توڑنا شبخوں مارنا، آگ لگانا بھی جائز ہے اگر درخت اور کھجوروں کا کاٹنا اور برباد کرنا مقتضائے مصلحت ہو کہ دشمن ضعیف ہو جائے گا اور بزور اس پر غلبہ حاصل ہو گا یا مصالحت و امن کا طالب ہو گا تو جائز ہے مگر بلا مصلحت و ضرورت ایسا نہ کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کی انگور کی بیلیں کٹوا دی تھیں اور یہی ان کے اسلام کا سبب ہوا بنو نضیر کی لڑائی میں آپ نے ایک خاص قسم کی کھجور جس کا نام اصفر تھا، اور اس کی گٹھلی چھلکے کے اندر سے جھلکتی تھی اور یہ نوع ان کو دوسری ادنیٰ کھجوروں سے نہایت مرغوب تھی قطع کرادیا تھا جس کا ان لوگوں کو بہت رنج ہوا کہتے تھے افسوس کھجوریں کٹ گئیں! کھجوریں جل گئیں! اور سماک یہودی نے یہ شعر کہے۔ (بحر متقارب)

السنا ورثنا الکتاب الحکیم ۔ علی عہد موسی فلو تصرف
وانتم رعاء لشاء عجاف ۔ بسھل تھامۃ والاحنف

تروون الرعایۃ مجد الکم کذا کل دھر بکم مجحف
فیا ایھا الشاھدون انتھوا عن الظلم والنطق المؤکف
لعل اللیالی وصرف الدھر تدیل من العادل المنصف
بقتل النضیر واجلائھا وعقر النخیل ولو تخطف

ترجمہ:۔ کیا ہمارے پاس کتاب حکیم (توراۃ) موسیٰ کے عہد سے نہیں ہے جس پر ہم مضبوطی سے قائم ہیں حالانکہ تم تہامہ اور احنف کی وادیوں میں لاغر بکریاں چراتے رہے ہو اور تم اس گذرے دن کو اپنے لئے باعث شرف سمجھتے رہے ہو اسی طرح تم زمانہ میں ذلیل وخوار رہ چکے ہو پس اے حاضرین تم ظلم اور بیہودہ لاف زنی سے باز آؤ کیونکہ ممکن ہے کہ گردش زمانہ کسی عادل کے ذریعہ بنی نضیر کے قتل عام اور ان کی جلاوطنی اور پھلے ہوئے کھجوروں کے کاٹنے کا بدلہ دلا دے۔

حضرت حسان بن ثابت نے اس کا جواب دیا (بحر وافر)

ھم اوتوا الکتاب فضیعوہ فھم عمی عن التوراۃ بور
کفرتم بالقرآن وقد اتاکم بتصدیق الذی قال النذیر
فھان علی سراۃ بنی لوی حریق بالبویرۃ مستطیر

ترجمہ:۔ ان کو کتاب دی گئی جسے انھوں نے ضائع کر دیا۔ اس لئے وہ توراۃ کی طرف سے قطعی اندھے ہیں۔ تم نے اس قرآن کا انکار کیا جو ڈرانے والے کی تصدیق کے لئے تم کو دیا گیا پس اب بنی لوی کے سرداروں کو جلانے کے لئے آگ موجود ہے جس کے شعلے بویرہ میں پھیل رہے ہیں۔

جب آپ صلعم نے ایسا کیا تو مسلمان گھبرائے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو نہیں کہ جو کھجوریں ہم نے کاٹ دی ہیں اس پر تو اب ہو اور باقی کے چھوڑنے پر مواخذہ ہو تو یہ آیت نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا "مَا قطعتم من لینۃٍ او ترکتموھا قائمۃ علیٰ اصولھا فباذن اللہ ولیخزی الفاسقین" ترجمہ کھجوروں کو تم نے قطع کیا ہے یا باقی چھوڑ دیا یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا ہے تاکہ فاسقوں کو رسوا کیا جائے۔ لینۃ میں چار قول ہیں۔ پہلا قول مقاتل کا ہے کہ اس سے ہر قسم کے کھجوریں مراد ہیں۔ دوسرا قول سفیان کا ہے کہ اس سے عمدہ قسم کی کھجوریں مراد ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد چھوٹی کھجوریں ہیں جو بڑی کھجوروں سے نرم ہوتی ہیں۔ چوتھا یہ کہ اس سے مراد تمام درخت ہیں کہ ان سب میں زندگی کی وجہ سے نرمی ہوتی ہے۔

پانی کی رو بہا دینا یا پانی کی آمد کا بند کر دینا بھی جائز ہے اس میں بچوں اور عورتوں کی رعایت ضروری نہیں بلکہ ان کا ہونا دشمن کے ضعیف کرنے اور اس پر جبراً یا مصالحت سے فتح حاصل ہونے میں زیادہ معاون ہوگا۔ اگر ان میں سے کوئی پیاسا پانی کا خواستگار ہو تو جیسا کہ امیر کو قتل کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے اسی طرح پانی کے دینے اور نہ دینے کا بھی اختیار ہے اور جس کو قتل کرے اس کو صرف آنکھوں سے پوشیدہ کر دے کفن دینا ضروری نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولوں کو

ایک گڑھے میں ڈلوادیا تھا۔ کسی زندہ یا مردہ کو جلایا نہ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لوگو! خدائی عذاب نہ دو۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدوں کی ایک جماعت کو جلوادیا تھا غالب یہ کہ ان کو اس حدیث کی اطلاع نہ ہوئی ہوگی۔ مسلمان شہیدوں کو ان ہی کپڑوں میں لپیٹ کر جن میں شہید ہوئے ہیں بغیر غسل و کفن کے دفن کر دیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے متعلق فرمایا تھا کہ ان کو اسی طرح زخموں کے ساتھ لپیٹ دو قیامت کے دن یونہی زخمی رگوں سے خون نکلتے ہوئے اٹھائے جائیں گے خون تو خون کے رنگ کا ہوگا مگر خوشبو مشک جیسی ہوگی۔ اپنے شہدا کی کرامت ـــ اور بزرگی اور اسلئے کہ وہ زندہ رہتے ہیں ایسا کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ اموا تا بل احیاء عند ربھم یرزقون۔ ترجمہ۔ جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید کئے گئے ان کو مردے نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور وہاں ان کو رزق عطا ہوتا ہے۔ یہاں دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ وہ حشر و نشر کے بعد جنت میں زندہ رہینگے اور دنیا میں زندہ نہیں ہیں۔ دوسری یہ ہے اور یہی اکثر کی رائے ہے کہ وہ قتل و شہید ہونے کے بعد زندہ ہوتے ہیں تا کہ اپنے ظاہری معنی پر رہے اور ان میں اور ان لوگوں میں جو اس زندگی سے بہرہ مند نہیں ہوتے فرق رہے۔ دار الحرب میں جا کر مسلمانوں کے لشکر کو ان کے کھانے کی اشیاء اور گھوڑے کی گھانس کی ممانعت نہیں ہے مگر ان دو قسم کی اشیاء کے علاوہ کپڑے یا سواری کا استعمال جائز نہیں اور اگر ضرورتاً کسی نے کپڑے یا سواری استعمال کی تو بصورت موجودگی مال غنیمت میں شامل کردی جائے اور ضائع ہوگئی ہے تو استعمال کرنے والے کے حصہ غنیمت میں مجرا کرلی جائے۔ ایسے ہی کسی کو اس کے حصہ میں آنے سے قبل کسی باندی سے ہم صحبت ہونا جائز نہیں جب حصہ میں جائے تو حیض کے بعد ہم صحبت ہوسکتا ہے۔ تقسیم سے پہلے ہم صحبت ہوا تو سزا دی جائے اور حد نہ لگائی جائے کیونکہ وہ خود بھی اس میں حصہ دار ہے اور مہر مثل اس سے وصول کر کے مال غنیمت میں شامل کردیا جائے اگر حاملہ ہوگئی تو بچہ کا نسب اس شخص کے ساتھ ثابت ہوگا اور عورت بشرطیکہ اس کی مملوکہ ہوگئی اس کی ام دار ہوگی۔ اور اگر غیر گرفتار عورت

سے ہم صحبت ہوا ہے تو چونکہ یہ بلاشبہ زنا ہے لہذا حدزنا لگائی جائیگی اور اس صورت میں اگر حاملہ ہوگئی تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

یہ سپہ سالاری اگر ایک ہی جنگ کے لئے تجویز کی گئی تھی تو سپہ سالار کو چاہیے مال غنیمت ہاتھ آیا ہو یا نہ آیا ہو دوسری لڑائی کرنا درست نہیں۔ اور اگر امارت عامہ بلا تعین مدت دی گئی ہو تو دوسری جنگ ہر وقت جب قدرت ہو کر سکتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی مانع درپیش نہو تو بجز کسی قدر آرام سے لینے کے جنگ سے دست کش ہو کر نہ بیٹھے۔ کم از کم کوئی سال جہاد سے خالی نہ گزرنے دے جس وقت سپہ سالار عام کو امارت تفویض کی جائے تو اس کو چاہیے کہ لشکر کے متعلقہ قوانین و احکام پر متوجہ ہو فوجیوں کے تنخواہ دار ہوں یا غیر تنخواہ دار ضوابط مقرر کر دے اور جب تک چھاؤنی میں نہ پہنچے دوسرے لوگوں کے احکام کے طرف متوجہ نہ ہو البتہ چھاؤنی میں جس پر مقرر کیا گیا ہے پہنچنے کے بعد وہاں کے فوجیوں اور عام باشندوں کے احکام پر متوجہ ہونا بھی جائز ہے اور اگر امارت خاصہ ہے تو اس امارت پر خاص کا حکم جاری کیا جائے۔

پانچواں باب

پولیس

جہاد مشرکین کے علاوہ تین قسم کی لڑائی اور ہے (۱) مرتدوں سے لڑائی (۲) باغیوں سے لڑائی۔ (۳) ڈاکوؤں سے لڑائی۔ پہلی قسم مرتدوں سے لڑائی اسکی صورت یہ ہے کہ کوئی قوم جسکا مسلمان سمجھی جاتی تھی دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جائے خواہ اصل پیدائش سے مسلمان تھی یا خود مسلمان ہو گئی تھی دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور خواہ اس دین کو اختیار کیا ہو جس پر اس مذہب والے برقرار رکھے جاسکتے ہوں جیسے یہودیت اور نصرانیت یا اس کو جس پر اس مذہب والے برقرار نہ رکھے جاسکتے ہو جیسے الحاد اور بت پرستی کیونکہ ایک مرتبہ حق کا اقرار کر لینا اس کے احکام کو لازم کر دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا دین بدلے اس کو قتل کر دو۔

جبکہ دین حق کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب میں داخل ہونے سے ان کا قتل واجب ہو گیا تو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی ایک حالت تو یہ ہے کہ وہ دارالاسلام میں ادھر اُدھر منتشر بلا کسی جتھے کے ہوں تب تو قتال کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اپنے قبضہ میں داخل ہیں صرف ان کا شبہ دور کر لیا جائے اگر مذہبی شبہ پیش کریں تو دلائل و براہین سے ازالہ کیا جائے تاکہ ان کو حق بات معلوم ہو تائب ہو جائیں اگر توبہ کر لیں تو قبول کر لی جائے اور حسب سابق

مسلمانوں میں داخل مانے جا میں اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں مرتد کی الحاد مخفی سے توبہ اس وقت تک قبول نہیں کروں گا جب تک وہ خود تائب نہ ہو اور دوسرے مرتدوں کی توبہ قبول کروں گا۔ اور ان لوگوں پر تائب ہونے کے بعد زمانہ ارتداد کے قضا شدہ نماز روزوں کا ادا کرنا لازم ہوگا کیونکہ مرتد ہونے سے قبل وہ ان کی فرضیت کے معترف تھے اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں قضا واجب نہیں ہے اور جس مرتد نے زمانہ اسلام میں حج کیا ہو اس کا حج باطل نہ ہوگا لہذا توبہ کے بعد ان کا از سر نو ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مرتد ہونے سے اس کا حج باطل ہوگیا میرے نزدیک اس کو توبہ کے بعد قضا کرنا واجب ہے۔ اور جو شخص بحالہ مرتد رہا اور توبہ قبول نہ کی اس کو خواہ مرد ہو یا عورت قتل کرنا واجب ہے۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو مرتد ہونے پر قتل نہ کیا جائے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام رومان کو جو مرتد ہوگئی تھی قتل کرا دیا تھا۔ مرتد کو جزیہ یا کسی اور عہد وپیمان پر چھوڑنا جائز نہیں ہے نہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے اور نہ کسی عورت سے اس کا نکاح کیا جائے۔ فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کو قتل کرنے میں عجلت کی جائے یا تین روز کی مہلت دی جائے ایک قول یہ ہے کہ فوراً قتل کردیا جائے تاکہ حق اللہ میں تاخیر نہ ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تین روز کی مہلت دی جائے ممکن ہے توبہ کرے علی رضی اللہ عنہ نے مستور عجلی کو تین روز کی مہلت کے بعد قتل کیا تھا۔ اور قتل بے بس کرکے تلوار سے کیا جائے اور شافعیہ میں سے ابن شریح کہتے ہیں کہ لکڑی سے اتنا مارنا چاہیے کہ مر جائے کیونکہ تلوار کی بہ نسبت جو فوراً مار ڈالتی ہے لکڑی سے دیر میں مرتا ہے اور ممکن ہے اس عرصہ میں تائب ہو جائے قتل کے بعد نہ غسل دیا جائے نہ نماز پڑھی جائے نہ مسلمانوں کے گورستان میں دفن ہونے دیا جائے ارتداد نے ان سے جدا کر دیا ہے اور نہ مشرکوں کے گورستان میں کہ فی الجملہ ارتداد سے قبل کی اسلامی حرمت موجود ہے بلکہ الگ ایک قبر میں پوشیدہ کردیا جائے اس کا مال بیت المال میں داخل کردیا جائے تاکہ مستحقین کے خرچ میں آئے اس لئے کہ نہ مسلمان اس کا وارث ہو سکتا ہے نہ کافر۔ اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ارتداد سے پہلے

مال میں میراث جاری ہو اور بعد کے مال میں نہیں ہوگی اس کو فئے میں داخل کیا جائے ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ارتداد سے قبل اور بعد دونوں مالوں میں میراث جاری ہوگی۔

جب مرتد دار الحرب میں چلا جائے اور اس کا مال دار الاسلام میں موجود ہو تو بالفعل اس میں کوئی تصرف نہ کیا جائے اگر اسلام کی طرف عود کر آیا تو واپس دیدیا جائے اگر حالت ارتدادی میں ہلاک ہو گیا تو مال فے میں داخل کیا جائے اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے دار الحرب جانے ہی سے اس پر موت کا حکم لگاتا ہوں اور اس کا مال اس کے وارثوں کو تقسیم کر دیتا ہوں اب اگر دار الاسلام میں واپس آگیا تو جو کچھ مال وارثوں کے پاس موجود ہے تو وہ واپس لے لیا جائے اور جو ہلاک کر چکے ہیں اس کے تاوان دہ نہیں ہیں۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہوگا جبکہ تمام مرتد علیحدہ جتھا بنا کر نہ رہیں بلکہ ادھر ادھر مسلمانوں کے اندر رہتے ہوں دوسری حالت یہ ہے کہ مسلمانوں سے علیحدہ محفوظ طریقے سے رہتے ہیں تو بحث مباحثہ اور دلائل اسلام کو واضح کرنے کے بعد ان سے قتال کرنا واجب ہے ڈرانے اور موقع عذر دینے کے بعد ان کے قتال کا حکم وہی ہوگا جو اہل حرب کے قتال کا ہے کہ اچانک حملہ آور ہونا، شبخون مارنا، علی الاعلان صف آرا ہونا، اور سامنا کرنے والوں اور بھاگنے والوں سے لڑنا سب جائز ہے اور جو گرفتار ہو جائے اگر تائب نہ ہو تو باندھ کر قتل کر دیا جائے۔ اور غلام بنانا امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ اور جب ان پر غلبہ حاصل ہو جائے تو ان کی اولاد کو خواہ زمانہ اسلام کی پیدا شدہ ہو یا حالت ارتداد کی، قید نہ کیا جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حالت ارتداد کی اولاد قید کر لی جائے ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان کی عورتیں جو دار الحرب میں پہنچ گئی ہوں قید کر لی جائیں اور جو مال لوٹا جائے اس کو غانمین میں تقسیم نہ کیا جائے مقتولوں کا مال تو فئے میں شامل کر دیا جائے اور زندوں کا مال باقی رکھا جائے اگر اسلام کی طرف عود کر آئیں تو واپس دیدیا جائے اور اگر بحالت ارتداد ہی مر جائیں تو وہ بھی فئے میں داخل کر لیا جائے اور جس مال کے مالک مجہول الحال ہو گئے ہوں تو جب ان کے پتہ چلنے سے مایوسی ہو جائے اس کو بھی فئے میں داخل

کیا جائے حالت جنگ میں اگر مسلمانوں نے مرتدوں کو نقصان پہنچایا ہو اور وہ مسلمان ہو جائیں تو کوئی تاوان واجب نہ ہو گا۔ اور مرتدوں نے جس قدر مسلمانوں کا غیر حالت جنگ میں نقصان کیا ہو گا اس کا ضمان ان کو دینا ہو گا اور حالت جنگ کے نقصان میں اختلاف ہے ایک قول تو یہ ہے کہ ضامن ہونگے اس لئے کہ مرتد ہونے کی معصیت ان سے قابل ضمان اموال کا تاوان ساقط نہیں کر سکتی۔ اور دوسرا یہ ہے کہ وہ کسی جانی و مالی نقصان کے ضامن نہونگے اس لئے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتدوں نے جانی و مالی نقصان پہنچایا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہ ہم تمھارے مقتولوں کا تاوان دیتے ہیں اور نہ تم ہمارے مقتولوں کا تاوان دو اس کے بعد آپ کا اور آپ کے بعد والوں کا اسی پر عملدرآمد رہا طلیحہ قتل اور قید کے جرم کے ارتکاب کے بعد جب قید ہو کر مسلمان ہوا تو حضرت عمرؓ نے مسلمان ہونے کے بعد اس کو کچھ نہ فرمایا نہ دم کا بدلہ لیا اور نہ مال کا۔ مرتد ابو شجرہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صدقات تقسیم فرما رہے تھے اس نے کہا مجھے بھی دیجئے ضرورت مند ہوں آپ نے پوچھا تو کون ہے اس نے کہا ابو شجرہ ہوں آپ نے فرمایا خدا کے دشمن! تو وہی نہیں جس نے یہ کہا ہے (بحر طویل)

ورویت رمحی من کتیبۃ خالد وانی لارجو بعدھا ان اعمرا

ترجمہ:۔ میں نے اپنے نیزے کو خالد کے دستہ لشکر سے سیراب کیا ہے اور اس کے بعد امید ہے کہ عمر کو قتل کر دوں گا
آپ اس کو درے سے پیٹا کرتے آخر کار اپنی قوم میں واپس چلا گیا اور یہ شعر کہے (بحر بسیط)

ضن علینا ابو حفص بنائلہ وکل مختبط یوما لہ ورق
مازال یضربنی حتی حذئت لہ وحال من دون بعض البغیۃ الشفق
لما رھبت ابا حفص وشرطتہ والشیخ یفزع احیانا فینحمق

ترجمہ ابو حفص نے مجھے اپنا عطیہ دینے میں بخل کیا حالانکہ ہر محتاج کبھی نہ کبھی روپے پیسہ والا ہو جائے گا اس نے مجھے یہاں تک مارا کہ میرا گوز نکل گیا اس سے زیادہ کچھ اور بھی ہو جاتا مگر ابو حفص اور اس کی پولیس کی دہشت نے

نہ ہونے دیا بڈھا بعض دفعہ بار بار کر احمق بنا جاتا تھا۔

چونکہ اس نے اسلام لانے کے بعد زبان درازی کی تھی حضرت عمرؓ نے صرف اسی کی سزا دی اس سے زائد تعرض نہیں فرمایا۔

دارالارتداد بعض احکام میں دارالحرب سے اور بعض میں دارالاسلام سے ممتاز ہے دارالحرب سے حسب ذیل چار وجوہ میں ممتاز ہے (۱) دارالارتداد والوں سے اسپر مصالحت جائز نہیں کہ اپنے علاقہ پر قابض رہیں اور اہل حرب سے جائز ہے (۲) یہ جائز نہیں کہ مال ادا کرکے حالت ارتداد پر چھوڑ دیئے جائیں اور اہل حرب سے یہ مصالحت جائز ہے (۳) ان کو غلام اور ان کی عورتوں کو باندیاں بنانا جائز نہیں اور اہل حرب کا غلام یا باندی بنانا جائز ہے (۴) غانمین ان کے مال کے مالک نہ ہوں گے اور اہل حرب کے مال کے مالک ہو جائیں گے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مرتد ہونے سے ان کا علاقہ دارالحرب ہو گیا لہذا ان کا غلام باند بنانا ان کا مال لوٹنا جائز ہے ان کی زمین فے ہو گی یہ لوگ امام موصوف کے نزدیک بت پرست عربوں کے مانند ہیں اور دارالاسلام سے حسب ذیل چار صورتوں سے ممتاز ہیں (۱) خواہ سامنا کریں یا پشت دے کر بھاگیں مشرکوں کی طرح ان کو ہر طرح قتل کرنا واجب ہے۔ (۲) مقید ہوں یا آزاد و محفوظ ہر طرح قتل کرنا مباح ہے۔ (۳) ان کا مال تمام مسلمانوں کے لیے فے ہو جائیگا۔ (۴) عدۃ گزرنے کے بعد ان کے نکاح ٹوٹ جائیں گے اگرچہ شوہر و بیوی ایک ساتھ مرتد ہوں۔ اور ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں میں سے ایک مرتد ہو تو نکاح باطل ہو جائے گا اور اگر دونوں ایک ساتھ مرتد ہوں تو باطل نہ ہو گا اگر کسی شخص پر مرتد ہونے کا الزام لگایا گیا ہے اور وہ انکار کرتا ہے تو بغیر قسم کے اس کا انکار معتبر ہو گا اور جس کے خلاف بینہ بھی قائم ہوتی ہے محض انکار سے مسلمان نہ سمجھا جائے گا جب تک کہ شہادتین کو زبان سے ادا نہ کرے۔

اگر کوئی جماعت وجوب زکوٰۃ کا انکار کرتے ہوئے زکوٰۃ نہ دے تو مرتد ہو گی اور اس پر مرتدوں کے احکام جاری ہوں گے۔ اور اگر وجوب کی معترف ہے مگر ادا

نہیں کرتی تو مسلمان باغیوں کے حکم میں ہوگی ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس سے قتال کیا جائے ۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قتال نہ کیا جائے حالانکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکواۃ نہ دینے والوں سے باوجودیکہ وہ اپنے اسلام کے مدعی تھے قتال کیا وہ زبان سے کہتے تھے کہ ہم ایمان لانے کے بعد کافر نہیں ہوئے بلکہ اپنے مالوں کی بچت چاہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم ان کے ساتھ کیسے لڑ سکتے ہو حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں ۔ اور جب یہ کہہ لیں تو وہ مجھ سے خود کو اور اپنی اولاد کو محفوظ کر لیتے ہیں مگر جب کہ ان کے ذمہ کوئی حق اسلامی واجب ہو ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یہ بھی تو اسی کا حق ہے اچھا اگر وہ نماز چھوڑنا چاہیں روزہ چھوڑنا چاہیں حج چھوڑنا چاہیں تو کیا کرو گے ؟ پھر تو اسلام کی سر گرہ کھل جائے گی ۔ خدا کی قسم ایک اونٹنی یا ایک سی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے اگر دینا چھوڑیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا ۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی وہ بات سمجھا دی جو ابوبکر صدیقؓ کو سمجھائی تھی اس کے علاوہ ان کا اسلام سے جدا ہونا بھی ان کے سردار حارثہ بن سراقہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے ۔ (بحر طویل)

الا فاصبحینا قبل نائرۃ الفجر	لعل منایانا قریب ولا ندری
اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا	فیا عجبا ما بال ملک ابی بکر
فان الذی سالوکم فمنعتموا	لکالتمر او احلی الیھم من التمر
سنمنعکم ما کان فینا بقیۃ	کرام علی العزاء فی ساعۃ العسر

ترجمہ :- دیکھ صبح کی روشنی سے پہلے ہمیں شراب پلا دے ممکن ہے زندگیاں قریب الختم ہوں اور ہمیں معلوم نہیں جب تک رسول اللہ ہم میں موجود رہے ہم نے اطاعت کی تعجب ہے ابوبکر کو حکومت کا کیا حق ہے ۔ تمھیں معلوم ہے انھوں نے جو کچھ تم سے مانگا اور تم نے نہ دیا وہ ان کے نزدیک کھجور بلکہ کھجور سے بھی زیادہ شیریں ہے مگر جب تک ہم میں تنگی کے وقت ثابت قدم رہنے والے موجود ہیں ہم تمھیں کچھ نہ دیں گے ۔

دوسری فصل

باغیوں سے جنگ کے بیان میں

جب کوئی جماعت اپنا جدا مسلک ایجاد کر کے رائے عامہ کے خلاف اور مسلمانوں سے باغی ہو جائے تو اگر اطاعت امام سے سرتابی نہیں کی اور نہ مسلمانوں سے الگ یکجائی قوت حاصل ہوئی ادھر ادھر متفرق طور پر آباد اور مسلمانوں کے اقتدار و اختیار میں ہے تو اس کے ساتھ لڑائی نہ کی جائے بلکہ عدل و انصاف کے ساتھ ان کے حقوق دلائے جائیں اور جو ان کے ذمہ ہوں وصول کیے جائیں خارجیوں کی ایک قوم اختلاف رائے کی بنا پر حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئی ان میں سے ایک شخص نے منبر پر تقریر کرتے ہوئے کہا "خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے" حضرت علیؓ نے فرمایا "بات تو حق ہے مگر اس سے مقصود باطل لیا گیا ہے ہم تمھیں تین رعایتیں دیتے ہیں مساجد میں نماز اور عبادت الٰہی سے نہ روکا جائے گا، تمھارے ساتھ لڑائی کی ابتدا نہ کی جائے گی، جب تک تم ہمارے معاون ہو تم کو فے میں سے حصہ ملنا بند نہ ہوگا اور اگر یہ لوگ اپنے عقیدے کی اشاعت کرتے پھرتے ہیں اور اہل حق کے ساتھ ملے جلے آباد ہیں تو امام کو چاہیئے کہ ان کو عقیدے کے فساد اور بدعت کے بطلان سے آگاہ کرے تاکہ حق اور موافقت اہل حق کی طرف لوٹ آئیں اگر ان میں سے کوئی شخص زیادہ فتنہ میں حصہ لیتا ہو تو اس کو امام تنبیہاً سزا دے سکتا ہے مگر قتل یا حد کا حکم نہ دے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا خون باستثنا تین صورتوں کے حلال نہیں (۱) ایمان لا کر پھر مرتد ہو جائے (۲) شادی شدہ ہو کر زنا کا مرتکب ہو (۳) کسی انسان کو بغیر بدلہ انسان کے قتل کر دے۔ اگر باغی اہل حق سے جدا ہو کر مسلمانوں سے الگ مستقل طور پر رہنے لگیں تو اگر حقوق واجبہ ادا کر رہے ہیں امام کے مطیع ہیں تو ان سے جنگ نہ کی جائے۔ نہروان کی ایک خارجیوں کی جماعت حضرت علیؓ سے

جدا ہوگئی تھی آپ نے اپنے عامل کو وہاں مقرر کرکے بھیجا جو ایک عرصہ تک مصالحت اور سکون کے ساتھ ان پر حکومت کرتا رہا، اور بعد کو انھوں نے اس کو قتل کردیا، حضرت علیؓ نے قاتل کا مطالبہ کیا جس پر انھوں نے انکار کردیا اور کہا کہ ہم سب اس کے قاتل ہیں۔ آپ نے فرمایا تو خود کو میرے حوالے کردو میں تم میں سے بعض کو قتل کردوں گا چنانچہ آپ گئے اور اکثر کو قتل کیا اگر باغی جماعت اطاعت امام سے باہر ہو کر حقوق واجبہ کی ادائی سے رک جائے محصولات ملکی کی وصولی اور احکام کا اجرا کرنے لگے تو اگر کسی کو اپنا امام یا سردار بنائے بدون ایسا کیا ہے تو محصولات غصب کے حکم میں ہوں گے یعنی ادا کرنے والا بری الذمہ نہ ہوگا اور جاری شدہ احکام رد ہوں گے جن سے کوئی حق ثابت نہ ہوگا۔ اور اگر انتخاب امام کے بعد اس کے حکم سے محصولات کی وصولی اور نفاذ احکام ہوا ہے تو نہ محصولات کا مطالبہ کیا جائے اور نہ احکام مردود ٹھیرائے جائیں مگر ہر دو صورت میں جنگ ایک ہی طرح کی جائے تاکہ علیحدگی چھوڑ کر امام برحق کے مطیع ہوجائیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین"

ترجمہ :- اگر اہل ایمان کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تم ان میں صلح کرادو اگر ان میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہو تو جس کی زیادتی ہو تم اس سے لڑو تاکہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے اور جب وہ پلٹ آئے تب تم ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرادو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

"فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ" میں دو توجیہیں ہیں ایک یہ ہے کہ جنگ میں زیادتی کرکے باغی ہوجائے دوسری یہ کہ صلح سے روگردانی کرکے باغی ہوجائے۔ فقاتلوا التی تبغی" سے مراد یہ ہے کہ تلوار کے ساتھ تاکہ بغاوت و مخالفت سے باز آجائیں۔ اور "حتی تفیٔ الی امر اللہ" کے مطلب دو ہیں ایک یہ کہ صلح کی طرف (جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) لوٹ آئیں۔ یہ سعید بن جبیر کی رائے ہے دوسرا یہ کہ اپنے اور دوسروں کے حقوق میں قرآن وحدیث

کی طرف رجوع کریں یہ قتادہ کی رائے ہے فان فائت کے معنی یہ ہیں کہ بغاوت چھوڑ دیں "فاصلحوا بینھما بالعدل" اس کے بھی دو مطلب ہیں ایک یہ کہ حق کے ساتھ دوسرا یہ کہ قرآن کے ساتھ جب امام کی طرف سے کسی شخص کو بغاوت فرو کرنے کے لئے امیر بنایا جائے تو امیر کو چاہیئے کہ جنگ سے پہلے ان کو ڈرائے، دھمکائے اور معذرت کرنے کا موقع دے۔ اگر باز نہ آئیں تو مقابل ہو کر لڑے۔ اچانک حملہ آور نہ ہو اور نہ شبخون مارے۔ باغیوں کی جنگ اور مشرک و مرتدوں کی جنگ میں آٹھ چیزیں مابہ الامتیاز ہیں (پہلی) یہ کہ ان کو سرکشی سے روکنا مقصود ہوتا ہے قتل و ہلاک کرنا مقصود نہیں ہوتا اور مشرک و مرتدوں کا قتل بھی مقصود بالذات قرار دینا جائز ہے (دوسری) یہ کہ سامنا کریں تو قتل کئے جائیں ورنہ نہیں اور مرتد و مشرک ہر طرح قتل کئے جا سکتے ہیں۔ (تیسری) یہ کہ ان کے زخمی قتل نہ کئے جائیں اور مشرک و مرتدوں کے زخمی قتل کرنے جائز ہیں جنگ جمل میں حضرت علیؓ نے اپنے نقیب کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا تھا کہ خبردار بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمی کو قتل نہ کیا جائے (چوتھی) یہ کہ ان کے قیدی بند کئے جائیں مشرک و مرتدوں کے قیدی قتل کئے جا سکتے ہیں باغی قیدیوں کے متعلق یہ ہے کہ جن کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ پھر باغیوں میں شریک نہ ہوگا تو چھوڑ دیا جائے ورنہ جنگ کا مطلع صاف ہونے تک قید رکھا جائے اور اس کے بعد چھوڑا جائے پھر محبوس رکھنا جائز نہیں حجاج نے قطری بن فجاءۃ کے رفیقوں میں سے ایک شخص کو تعارف کی بنا پر چھوڑ دیا قطری نے کہا جاؤ خدا کے دشمن حجاج سے پھر جا کر لڑو اس نے جواب دیا افسوس "غل ید امطلقھا واسترق رقبۃ معتقھا" اور یہ شعر پڑھے۔ (بحر کامل)

أأقاتل الحجاج عن سلطانہ — بید تقر بانہا مولاتہ
انی اذاً لاخو الدناءۃ والذی — شہدت باقبح فعلہ غدراتہ
ماذا اقول اذا برزت ازاءہ — فی الصف واحتجت لہ فعلاتہ
اقول جار علی لا انی اذاً — لاحق من جارت علیہ ولاتہ
وتحدث الاقوام ان صنائعاً — غرست لدی فحنظلت نخلاتہ

ترجمہ: - کیا الوسی ہاتھ ہے جو اس کے غلاموں میں ہو گیا ہے میں حجاج سے لڑوں تاکہ اس کی حکومت جاتی رہے اگر میں ایسا کروں تو یہ انتہا درجہ کی غداری ہو گی، جب میں اس کے مقابل میدان جنگ میں اپنی صف میں استادہ ہونگا تو اوس وقت میں اپنے اس فعل کی اس کے احسانات کے احساس ہوتے ہوئے کیا توجیہ کر سکوں گا۔ کیا میں یہ کہوں کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے چونکہ ایسا تو نہیں ہوا ہے اس لئے اگر اس وقت مجھ پر اس کے کارندے ظلم کریں تو میں اس کا سزاوار ہوں میں نہیں چاہتا کہ عام لوگوں میں اس بات کا چرچا ہو جائے کہ احسانات کے جو تخم مجھ میں بوئے گئے اوس میں حنظل پھلے۔

(پانچویں) یہ کہ ان کا مال لوٹا جائے اور نہ اولاد کو لونڈی غلام بنایا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دارالاسلام اپنی ہر چیز کو مامون کر لیتا ہے اور دارالشرک مباح رکھتا ہے (چھٹی) یہ کہ ان کے ساتھ جنگ کرنے میں مشرک حلیف یا ذمی سے اعانت نہ لیجائے اگرچہ حربی اور مرتدوں کی جنگ میں ان لوگوں سے امداد لی جا سکتی ہے ساتویں یہ کہ ان سے ایک مدت معینہ کے لیے یا روپیہ لیکر صلح نہ کی جائے اگر مدت معینہ کے لئے صلح کر لی گئی تو اس کا ایفا ضروری نہیں ہے اگر بالفعل ان سے لڑنے کی قدرت نہیں ہے تو حصول قدرت کا منتظر رہے اسی طرح جو صلح روپیہ لے کر کی گئی ہے وہ بھی باطل ہے اور روپیہ کے متعلق یہ ہے کہ اگر روپیہ فئے یا صدقات کا ہے تو واپس نہ دیا جائے فئے کو مستحقین فئے میں، اور صدقات کو مستحقین صدقات میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر خود ان کا اپنا مال ہے تو اس کا مالک بننا جائز نہیں ہے ان کو واپس دیدیا جائے۔ (آٹھویں) یہ کہ ان پر منجنیق وغیرہ نصب نہ کی جائیں ان کے مکانات نہ جلائے جائیں، درخت اور کھجوریں نہ کاٹی جائیں۔ کیونکہ اگرچہ وہ لوگ باغی ہیں مگر ملک دارالاسلام ہے جس کی تمام اشیاء محفوظ ہوتی ہیں۔ اگر اہل حق مسلمان محصور ہو جائیں اور اندیشہ ہو کہ باغی تباہ کر دیں گے تو ان کے قتل کا ارادہ کرنا اور ان پر منجنیق نصب کرنا جائز ہے اس لئے کہ مسلمان کو جب اپنی جان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو جائے اور کوئی چارہ کار نہ رہے تو اپنے حریف کو قتل کرنا، اس پر منجنیق نصب کرنا جائز ہے۔ باغیوں کے ہتیار اور سواریوں سے نفع نہ اٹھایا جائے بلکہ جنگ کے وقت بھی ان کی چیزوں کو ان کے

خلاف استعمال میں نہ لایا جائے۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک لڑائی باقی رہے
ان کی چیزوں سے منتفع ہو سکتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
کہ مسلمان کا مال اس کی رضا مندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔ لڑائی ختم ہو جائے
تو ان کا جس قدر مال اہل حق کے پاس موجود ہے واپس کر دیا جائے۔ اور ان کا
جو مال جنگ کی علاوہ صورت سے ضائع ہوا ہے اس کا تاوان ضائع کرنے والے
سے دلایا جائے اور جو لڑائی کے شعلوں میں ضائع ہوا ہے اس کا کوئی معاوضہ
یا تاوان نہیں اہل حق کا وہ جان و مال جو باغیوں نے جنگ کے علاوہ ضائع کیا
ہے تاوان لے کر وصول کر لیا جائے اور جو جنگ کے اندر ضائع کیا ہے اس کے
متعلق دو قول ہیں پہلا یہ کہ اس کا تاوان ساقط ہے۔ دوسرا یہ کہ تاوان لیا جائے
اس لئے کہ معصیت حقوق یا تاوان کو ساقط نہیں کر سکتی۔ لہذا قتل عمد میں قصاص
لیا جائے اور قتل خطا میں دیۃ وصول کی جائے۔ مقتول باغیوں کو غسل بھی دیا جائے
اور ان کی نماز بھی پڑھی جائے۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں سزاءً نماز نہ پڑھی جائے۔
حالانکہ مردہ کے اوپر کوئی دنیوی عذاب نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہیں میری امت پر اپنے مردوں کا غسل اور ان کی نماز فرض ہے۔ اور اہل حق
کے متعلق جو میدان جنگ میں قتل ہوں دو قول ہیں ایک یہ کہ کفار کی جنگ کے
شہداء کی طرح بزرگی اور کرامت کی وجہ سے نہ غسل دیے جائیں اور نہ ان کی نماز
پڑھی جائے دوسرا یہ کہ اگرچہ ظلماً مقتول ہوئے ہیں غسل بھی دیا جائے اور نماز بھی
پڑھی جائے چنانچہ مسلمانوں نے عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کی نماز پڑھی ان کے
بعد علی رضی اللہ عنہ کی نماز بھی پڑھی گئی حالانکہ یہ تینوں حضرات ظلماً قتل ہوئے تھے
قاتل باغی مقتول اہل حق کا وارث نہ ہوگا اسی طرح قاتل اہل حق مقتول باغی
کا وارث نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا
" ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اہل حق باغی کا وارث ہوگا کہ وہ حق پر ہے
اور باغی اہل حق کا وارث نہ ہوگا کہ ناحق پر ہے۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میرے
نزدیک دونوں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں کیونکہ دونوں ایک
دوسرے کو قتل کرنے میں تاویل کرتے ہیں اور قتل کو جائز سمجھتے ہیں اگر ذمی تاجر

باغیوں کے محصل عشر کے راستے پر گزریں اور وہ ان سے عشر لے لیے تو وہ عشر لینا جائز نہیں ہے لہذا اگر پھر اہل حق کے سامنے سے گزریں گے تو دوبارہ ان سے عشر لیا جائے گا اس لئے کہ تاجر اپنے اختیار سے باغیوں کے سامنے ہو کر گزرے تھے بخلاف اس کے اگر باغیوں سے ایسے جرائم سرزد ہوں کہ جن کی سزائیں حدود ہیں تو ان پر قدرت پانے کے بعد قائم کرنے میں دو وجہیں ہیں (یعنی جواز اور عدم جواز)

تیسری فصل

ان مفسد اور رہزنوں کی سرکوبی کے بیان میں جو قوت پکڑ جائیں

جب کوئی مفسدوں کا گروہ ہتیاروں کے استعمال رہزنی سامان کی لوٹ قتل و غارت آمد و رفت کو بند کرنے کے جرائم کا مرتکب ہو تو یہ وہ محارب ہوں گے جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے "انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض"

ترجمہ: بے شک ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ وہ قتل کر دئے جائیں یا ان کو سولی پر لٹکا دیا جائے یا اون کے ہاتھ پاؤں بغیر ترتیب قطع کر دئے جائیں یا اُن کو خارج البلد کر دیا جائے

اس آیت کے حکم میں فقہاء کے تین مسلک ہیں (۱) یہ کہ امام یا نائب کو جسے امام نے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے مقرر کیا ہے یہ اختیار ہے کہ مجرمین کو قتل کرے سولی نہ دے۔ یا قتل بھی کرے سولی بھی دے یا یہ کہ مخالف ہاتھ پیر کاٹ دے یا جلا وطن کر دے یہ مذہب سعید بن المسیب، مجاہد، عطاء اور ابراہیم نخعی کا ہے (۲) یہ کہ صاحب الرائے اور تدابیر کرنے والے کو قتل کر دے اس کو معاف نہ کرے اور مضبوط قوی الجثہ کے مخالف ہاتھ پیر کاٹ دے اور جو ایسے نہ ہوں ان کو تعزیر و قید کی سزا دے یہ مسلک مالک بن انس اور فقہائے مدینہ کی ایک جماعت کا ہے ان کے نزدیک سزا اختلاف افعال و صفات کی وجہ سے

مختلف ہونی چاہیئے۔ (۲) یہ کہ اختلاف افعال کا اعتبار کیا جائے اور اختلاف صفات کا اعتبار نہ کیا جائے لہٰذا جو شخص قتل اور لوٹ کا مرتکب ہو اس کو قتل اور سولی کی سزا دی جائے، جو صرف قتل کا مرتکب ہوا ہے مال نہیں لوٹا اُس کو قتل کیا جائے، سولی نہ دی جائے جس نے صرف مال لوٹا ہے قتل نہیں کیا اس کے مخالف ہاتھ پیر کاٹے جائیں۔ جس نے شامل ہو کر مفسدوں کی مقدار زیادہ کی یا لوگوں کو ڈرایا نہ قتل کیا نہ مال لوٹا اس کو تنبیہی سزا دی جائے نہ قتل کیا جائے نہ ہاتھ پیر کاٹے جائیں۔ یہ قول ابن عباس، حسن، قتادہ، سدی کا ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر قتل اور لوٹ دونوں کے مرتکب ہوئے ہیں تو امام کو اختیار ہے کہ پہلے قتل کرے پھر سولی پر چڑھائے یا مخالف ہاتھ پیر کاٹ کر سولی پر چڑھائے۔ اور جو شخص ہیبت اور کثرت تعداد کا سبب ہوا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "او ینفوا من الارض" کے ارباب تاویل چار معنے کرتے ہیں پہلے معنی یہ ہیں کہ ان کو دارالاسلام سے نکال کر دارالحرب بھیجدیں یہ قول مالک بن انس رح، حسن رح، قتادہ رح، زہری رح کا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شہر سے دوسرے شہر بھیجدیں یہ قول عمر بن عبد العزیز رح اور سعید بن جبیر رح کا ہے۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ قید کر دئے جائیں یہ قول ابو حنیفہ رح اور مالک رح کا ہے چوتھے یہ ہیں کہ ان کو بلا کر حدود قائم کرنے کے لیئے دور بھیجا جائیں یہ ابن عباس رض اور شافعی رح کا قول ہے۔

و آیت الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم میں ارباب تاویل کی چھ رائیں ہیں پہلی یہ کہ یہ آیت مفسد، برسر جنگ کافروں کے متعلق ہے جو اسلام لا کر تائب ہو جائیں اور مسلمان مراد نہیں ہیں کیونکہ توبہ مسلمانوں کے ذمے سے حد یا حقوق کو ساقط نہیں کر سکتی۔ یہ قول ابن عباس رض، حسن، مجاہد، قتادہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ دوسری یہ کہ یہ اُن برسر پیکار مسلمانوں کے بارے میں ہے جو امام کے قابو میں آنے سے پیشتر طالب امان اور تائب ہوں ورنہ بلا طلب امان محض توبہ کارآمد نہیں ہوتی۔ یہ قول علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور شعبی کا ہے۔ تیسری یہ کہ اس مسلمان کے حق میں ہے جو دارالحرب چلا گیا ہو اور قابو میں آنے سے

پہلے تائب ہو کر واپس آجائے۔ یہ عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے چوتھی یہ کہ اس
شخص کے متعلق ہے جو دارالاسلام میں رہتا ہو (مسلمانوں کے برخلاف)
زور و قوت پکڑ رہا ہو اور حکومت کے ہاتھ آنے سے پہلے تائب ہو گیا ہو۔ تو
اس سے مواخذہ نہ ہو گا اور اگر زور و قوت نہ رکھتا ہو تو مواخذہ ضرور ہو گا
یہ قول ابن عمر، ربیعہ، حکم بن عیینہ رضی اللہ عنہم کا ہے پانچویں یہ کہ اگرچہ زور و
قوت نہ رکھتا ہو مگر قابو میں آنے سے پہلے اگر تائب ہو گیا تو حقوق عباد کے
سوا تمام خداوندی حدود معاف ہو جائیں گی یہ رائے امام شافعی کی ہے چھٹی
یہ کہ گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرنے سے جانی نقصاں کے علاوہ تمام حدود
خداوندی اور حقوق العباد معاف ہو جاتے ہیں یہ مالک بن انسؒ کا قول ہے
آیت کا حکم ارباب تاویل کے اختلاف کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ محاربہ
(برسرپیکار) جماعت اگر کسی محفوظ مقام پر سکونت پذیر ہے تو اس سے لڑنے
کی وہی صورتیں ہیں جو باغیوں سے لڑنے کی البتہ پانچ باتوں میں فرق ہے
(پہلی) خواہ مقابلہ کریں یا بھاگیں ہر طرح قتل کرنا جائز ہے اور باغی بھاگیں
تو تعاقب جائز نہیں۔ (دوسری) یہ کہ ان کے قتل کا ارادہ اور نیت جائز ہے
اور باغیوں کی (صرف تنبیہ کی جائے) عمداً قتل کرنا جائز نہیں۔ (تیسری) یہ کہ
ان لوگوں سے تمام جانی و مالی نقصان کا مواخذہ ہو گا اور باغیوں سے نہ ہو گا
(چوتھی) یہ کہ ان میں سے گرفتار شدہ کو محبوس (قید) کرنا جائز ہے اور باغیوں کو جائز
نہیں۔ (پانچویں) یہ کہ جس قدر خراج و صدقات ان لوگوں نے وصول کیا ہے
غصب و لوٹ کے حکم میں ہو گا ادا کرنے والے بری الذمہ نہ ہوں گے ان کو
دوبارہ ادا کرنا ہو گا اگر امیر کے اختیارات محدود ہوں یعنی صرف فتنہ فرد کرنے
کے لیئے مامور کیا گیا ہو تو فتنہ پردازوں پر غالب آنے کے بعد سزا و حدود کے
اجرا کا اور مطالبہ حقوق کا مجاز نہیں مجرموں کو امام کے دربار میں پیش کرے
وہ اپنے حکم سے حدود کا اجرا اور حقوق کا مطالبہ کرے۔ اگر امیر کو اختیارات
عمومی تفویض کیے گئے ہوں یعنی لڑنے اور مطالبہ حقوق اور اقامت حدود کا
بھی اختیار ہو تو اس کا اہل علم اور صاحب عدالت ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی

طرف سے حدود و حقوق کے احکام کا نفاذ صحیح ہو سکے۔ پس اگر امیر ان صفات سے متصف ہو تو یا در ہے کہ مجرموں کے خلاف ثبوت جرم کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مجرم بلا جبر و اکراہ اور مار پیٹ کے اقبال جرم کرلے (دوسری) یہ کہ اگر جرم سے انکار کرتا ہے تو اس کے خلاف شہادت صحیحہ بہم پہونچے بہر حال اگر مذکورہ بالا کسی صورت سے جرائم ثابت ہو جائیں تو جو قتل اور لوٹ دونوں کا مرتکب ہوا ہو اس کو قتل کر کے سولی پر لٹکانے کی سزا دے اور امام مالکؒ کی رائے ہے کہ زندہ کو سولی پر لٹکا کر نیزے مار مار کر قتل کیا جائے یہ قتل واجب ہے اس کو معاف کرنا جائز نہیں اگر صاحب حق (بھی) معاف کرے تو لغو ہے معاف نہ ہوگا۔ سولی پر تین روز سے زیادہ نہ لٹکایا جائے اس کے بعد اتار دیا جائے۔ اور جس نے قتل کیا، لوٹا نہیں اس کو قتل کرے سولی نہ دے۔ اور اس کو غسل دے کر نماز بھی پڑھے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے وہ نماز نہ پڑھے اور لوگ پڑھیں۔ اور جس نے مال لوٹا قتل نہیں کیا اس کے مخالف ہاتھ پیر کاٹے جائیں۔ دایاں ہاتھ تو چوری کی سزا ہیں اور بایاں پیر علی الاعلان ارتکاب جرم کی سزا ہیں اور جس نے صرف زخمی کیا ہے قتل و لوٹ کا مرتکب نہیں ہوا تو اگر ایسا زخم ہے جس کا قصاص بدلہ ہوتا ہے تو قصاص لیا جائے زخم بحیثیت وجوب قصاص کے دو طرح پر ہیں ایک وہ زخم جو ناقابل عفو ہیں اور بدلہ لینا واجب ہے جیسے قتل۔ دوسرے وہ زخم جن کا بدلہ صاحب حق طلب بھی کر سکتا ہے معاف بھی کر سکتا ہے۔ اگر زخم اس نوعیت کا ہے کہ اس میں قصاص واجب نہیں ہوتا تو دیتہ (بدلہ مالی) دی جائے گی بشرطیکہ صاحب حق کا مطالبہ ہو اور اگر وہ بخش دے معاف ہو جائیگی اور جس نے صرف ڈرایا، دھمکایا یا شریک ہو کر مفسدوں کی تعداد بڑھائی قتل و لوٹ کا مرتکب نہیں ہوا نہ کسی کو زخمی کیا تو بطور تنبیہ و توبیخ کے پیٹا جائے اور قید کرنا بھی جائز ہے کہ یہ بھی ایک طرح کی تعزیر ہے مگر ہاتھ پیر کاٹنا یا قتل کرنا جائز نہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ حکماً لوٹ مار کرنیوالوں کا شریک ہے اگر گرفتار ہونے کے بعد توبہ کریں تو گناہ تو معاف ہو جائیں گے

مگر حقوق اور جرائم کی سزا معاف نہ ہوگی اور گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلی تو گناہوں کے ساتھ حقوق اللہ (حدود) بھی معاف ہو جائیں گے صرف حقوق العباد کا مواخذہ ہوگا۔ اگر قتل کا مجرم ہے تو ولی مقتول کو اختیار رہوگا کہ قصاص لے یا معاف کردے لہذا توبہ سے یہ فائدہ ہوگا کہ قتل واجب وحتمی نہ رہیگا۔ اگر لوٹیرا ہے تو توبہ سے قطع کی سزا ساقط ہو جائے گی مگر تاوان مال صرف معاف کرنے سے ساقط ہوگا۔ شہر میں لوٹ مار کرنے والوں کا وہی حکم ہے جو جنگل اور سفر کے لٹیروں کا ہے اگرچہ شہری ڈاکوؤں کا جرم بلحاظ دلیری کے زیادہ سخت نہیں مگر سزا دونوں کی ایکساں ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم صحرائی ڈاکوؤں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ جنگل میں مظلوموں کی اعانت نہیں ہوسکتی شہر یا اس کے قریب جہاں اعانت بہت جلد ممکن ہے ڈاکہ زنی کرنے والوں پر یہ حکم جاری نہ کیا جائے۔ اگر ڈاکو یہ کہیں کہ ہم گرفتار ہونے سے قبل توبہ کر چکے ہیں اور علامات سے اس کی تائید نہیں ہوتی تو ان کا دعویٰ باطل سمجھا جائے۔ اور واجب شدہ حدود جاری کی جائیں۔ اور اگر علامات و قرائن سے تائید ہوتی ہے مگر شہادت شرعی نہیں رکھتے تو اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ دعویٰ قبول کرلیا جائے اس لئے کہ شبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں دوسرا یہ کہ قبول نہ کیا جائے اس لئے کہ شہادت صحیحہ کا ہونا جس سے یہ ثابت ہو کہ گرفتاری سے قبل توبہ کر چکے ہیں ضروری ہے اور شبہ وہ معتبر ہے جو فعل کے ساتھ مقترن ہو نہ وہ جو فعل سے موخر ہو۔

چھٹا باب

قاضی کا تقرر

عہدۂ قضا پر اسی شخص کا تقرر جائز ہے جس میں اس کی تمام شرائط موجود ہوں تاکہ اس کو قاضی بنانا اور اس کا احکام نافذ کرنا صحیح ہو وہ شرطیں سات ہیں ذیل ایک یہ کہ مرد ہو۔ اس میں دو صفتیں ملحوظ ہیں بالغ ہونا اور مذکر ہونا۔ اس لیئے کہ نابالغ پر کوئی حکم واجب نہیں ہوسکتا اور نہ اپنے قول سے کوئی حکم اپنے اوپر واجب کرسکتا ہے چہ جائیکہ کسی دوسرے پر حکم کا نفاذ کرسکے۔ اور عورتوں کا مرتبہ حکومت کے مراتب سے کم ہے اگرچہ بعض احکام ان کے قول سے بھی متعلق ہیں۔ ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جن امور میں ان کی شہادت درست ہے قضا بھی درست ہے اور جن میں شہادت درست نہیں قضا بھی درست نہیں ابن جریر اس مسئلہ میں بالکل منفرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ تمام احکام میں عورت کی قضا جائز ہے مگر اجماع امت اور آیت قرآن کے ہوتے ہوئے ان کا قول ناقابل اعتبار ہے۔ ارشاد ہے۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض۔ ترجمہ:- مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ یعنی عقل و دانائی میں لہذا یہ جائز نہ ہوگا کہ عورتیں مردوں کی حاکم بنیں (دوسری) شرط بالاجماع معتبر ہے وہ یہ ہے کہ محض اتنی عقل جس پر شرعی تکلیف کا مدار ہے یعنی معلومات بدیہی سے واقف ہونا کافی نہیں

اس کے ساتھ ہوشیار، ذکی الطبع اور سہو و غفلت سے محفوظ ہونا بھی لابدی ہے تاکہ مشکل اور سخت معاملات کی گتھی سلجھا سکے (تیسری) یہ کہ غلام نہ ہو اس لیے کہ غلام خود اپنا بھی مختار نہیں ہے دوسروں کا توکس طرح حاکم ہو سکتا ہے۔ اور جیسا کہ غلامی کی وجہ سے شہادت دینے کا اہل نہیں تو تنفیذ احکام اور تقرر عہدۂ قضا کا بدرجۂ اولیٰ اہل نہ ہو گا یہی حکم مکاتب مدبر اور اس شخص کا ہے جس کا کچھ حصہ غلام ہے کہ یہ سب مکمل آزادی سے محروم ہیں۔ البتہ جس طرح غلام کا راویٔ روایت ہونا صحیح ہے اسی طرح مفتی بننا بھی صحیح ہے۔ اگر آزاد ہو جائے تو قاضی بھی ہو سکتا ہے اگرچہ آزاد کنندہ کو حق ولایت ہے حاصل ہے مگر یہ حق نسب کی طرح ہے جو حصول حکومت میں غیر معتبر ہے (چوتھی) شرط اسلام ہے اس لیے کہ شہادت بھی اسی پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کافروں کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ لہذا کافر کا فیصلہ نہ مسلمانوں پر نافذ ہے نہ کافروں پر۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کافر اپنے ہم مذہبوں کا قاضی ہو سکتا ہے یہ صورت اگرچہ اس وجہ سے مروج ہے کہ اکثر سلاطین امام موصوف کے مقلد ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کافروں کو قاضی و حاکم بنا دیا گیا بلکہ مہتر اور چودھری مقرر کیا جاتا ہے اس کے فیصلوں کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا اس کی قوم خود ہی اس کے احکام کی تعمیل کرتی ہے وہ خود ان کو اپنے اختیارات سے تعمیل پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر وہ لوگ اپنے مقدمات اس کی عدالت میں نہ لی جائیں تو مجبور نہ کیے جائیں بلکہ اسلامی حکم کا نفاذ راجح ہو گا (پانچویں) شرط عدالت ہے یہ ہر طرح کی حکومت میں اعتبار کی گئی ہے۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ صادق القول، امین، پاکدامن، پرہیزگار، شبہات سے محفوظ، خوشنودی و خفگی میں (یکساں) قابل اطمینان اور اپنے ہم رتبہ لوگوں کی طرح مروت کو کام میں لانے والا ہو جس شخص میں یہ خوبیاں پائی جائیں گی وہ شہادت دینے کا اہل ہو گا اور یہی وہ صفات ہیں جن پر منصب حکومت پر فائز ہونا موقوف

ہے اور جس میں کسی ایک صفت کی کمی ہوگی نہ اس کی شہادت معتبر ہوگی نہ حکم نافذ ہوگا۔
(چھٹی) شرط قوت سامعہ اور باصرہ کی سلامتی تاکہ اثبات حقوق کی صحت، مدعی و مدعا علیہ میں فرق، اور اقرار وانکار کرنیوالوں میں امتیاز ممکن ہو اور حق و باطل پوری طرح کھل جائیں اور حق حقدار کو پہونچے لہذا اندھے کی حکومت باطل ہوگی مگر امام مالکؒ شہادت کی طرح اس کی حکومت کو بھی جائز فرماتے ہیں اور بہرے کے متعلق بھی یہی اختلاف ہے۔ اور البتہ اعضاء کی سلامتی کو اگرچہ امامت میں دخل ہے مگر منصب قضا میں کوئی دخل نہیں لہذا اپاہج قاضی ہوسکتا ہے مگر رعب داب کے لیئے یہی مناسب ہے کہ صحیح الاعضا توانا تندرست آدمی ہو (ساتویں) شرط یہ ہے کہ علوم شرعیہ کے اصول سے واقفیت تامہ اور فروع میں اعلیٰ مہارت رکھتا ہو۔ اصول شرع چار ہیں پہلا کتاب اللہ اس کا ایسا عالم ہو کہ تمام آیات ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، عام، خاص، مجمل مفسر سے واقف ہو۔ دوسرا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ کے تمام اقوال وافعال اور ان کے طرق تواتر واحاد، صحت و فساد کا عالم ہو اور جانتا ہو کہ کون حدیث سبب خاص سے متعلق ہے اور کون مطلق ہے (تیسرا) یہ کہ ان مسائل سے واقف ہو جن پر علمائے سلف کا اجماع اور جن میں ان کا اختلاف ہو تاکہ اجماعی مسائل میں ان کی اتباع کرے اور مختلف فیہ میں اجتہاد سے کام لے۔ (چوتھا) قیاس سے واقف ہونا۔ تاکہ ایسی جزئیات کے احکام جن سے شریعت خاموش ہو اصول منصوصہ اور مسائل اجماعیہ سے استنباط کرسکے، غیر معمولی واقعات کے حکم معلوم ہوسکیں اور حق و باطل میں امتیاز ممکن ہو پس اگر یہ اصول اربعہ بھی اس کے احیطۂ علم میں داخل ہوں تو ارباب اجتہاد میں شامل ہوگا اس کو مفتی و قاضی بننا اور بنانا دونوں جائز ہوگا اور اگر اصول اربعہ سے قطعاً نابلد ہے یا بعض کو نہیں جانتا تو مرتبہ اجتہاد سے ساقط ہے نہ اس کا افتا جائز ہے نہ تصفیہ مقدمات۔ اگر قاضی مقرر کردیا گیا خواہ صحیح فیصلے نافذ کرے یا غلط ہر صورت میں اس کا تقرر باطل ہوگا۔ اور تمام احکام درست ہوں یا غیر درست مردود ہوں گے اور تمام نقصانات کی ذمہ داری خود اس پر اور تقرر کرنے والے پر عائد ہوگی

امام ابو حنیفہؒ غیر مجتہد کی قضا کو جائز کہتے ہیں اس لیئے کہ معاملات و مقدمات کو فتاویٰ حاصل کر کے فیصل کر سکتا ہے۔ مگر جمہور فقہا اس کی حکومت باطل اور فیصلے رد قرار دیتے ہیں (اور یہی صحیح ہے) اس لیئے کہ تقلید کو شرعی مسائل میں ضرورتاً اختیار کیا جاتا ہے لہذا التزام حق (خود پر حق لازم کرنے میں) تو متحقق ہوگی مگر الزام حق (غیر پر لازم کرنے میں) متحقق نہ ہوگی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی (گورنر) بنا کر بھیجتے وقت امتحاناً دریافت فرمایا "کس قانون سے حکومت کرو گے" عرض کیا "کتاب اللہ سے" فرمایا "اگر اس میں نہ پاؤ" عرض کیا "سنتہ رسول اللہ سے" فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ" عرض کیا "اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام تعریفیں اس خدا کے لیئے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس کی مرضیات کی توفیق دی" اور جو شخص خبر واحد کو معتبر نہیں سمجھتا اس کی حکومت صحیح نہیں کیونکہ وہ ایک ایسی اصل کا منکر ہے جس پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے اور اس سے اکثر مسائل مستنبط ہیں۔ تو گویا وہی شخص حجیت اجماع کا منکر ہے اور اس کے منصوص کا منکر ہے لہذا کسی طرح حکومت کا اہل نہ ہوگا۔ اور منکرین قیاس کے دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اس کا انکار کرتے ہیں اور ظاہری نصوص پر عمل کرتے ہیں اور جس کے متعلق نص موجود نہیں اس میں اقوال سلف کو اختیار کرتے ہیں اجتہاد اور فکر و استنباط کو قطعاً چھوڑ بیٹھے۔ ایسے لوگ چونکہ احکام کے طریقوں سے قاصر ہیں اس لیئے ان کا عہدہ قضا پر تقرر جائز نہیں دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو قیاس کے منکر اور سیاق کلام اور مفہوم خطاب کو دیکھ کر اہل ظاہر کی طرح اجتہاد کر لیتے ہیں ان لوگوں کے تقرر میں اصحاب شافعی دو مختلف وجوہ بیان فرماتے ہیں پہلی یہ کہ مذکورہ بالا علت سے یہ تقرر ناجائز ہے۔ دوسری یہ کہ اگرچہ یہ لوگ قیاس خفی سے عدول کرتے ہیں مگر واضح اور ظاہر معانی کو معتبر جانتے ہیں لہذا ان کا تقرر جائز ہے تقرر قضا کی شرائط کے بعد جو بالتفصیل پڑھ چکے ہو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ تقرر اسی وقت جائز ہوگا جبکہ تمام و کمال شرائط کا

اس شخص میں ہونا پہلے سے معلوم ہو یا تفتیش و امتحان سے معلوم ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی قضا پر مامور فرمایا اور ان کا کوئی امتحان نہ لیا صرف طرز قضا کے متعلق بطور تنبیہ فرمایا "جب مدعی و مدعی علیہ تمہارے سامنے حاضر ہوں تو جب تک دوسرے کی بات نہ سنلو فیصلہ نہ کرو" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کوئی مقدمہ دشوار معلوم نہ ہوا۔ اور حضرت معاذؓ کو یمن کے ایک حصہ پر بھیجتے ہوئے آپ نے جانچ بھی فرمائی۔

فصل

شافعی المذہب حنفی کو عہدہ قضا پر مامور کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ قاضی غیر معمولی واقعات میں اپنے امام کی تقلید نہیں کرتا بلکہ اپنے اجتہاد سے فیصلے کرتا ہے۔ اسی طرح اگر شافعی ہو تو یہ ضرور نہیں کہ احکام میں اپنے امام ہی کے اقوال پر احکام نافذ کرے اپنے اجتہاد سے کام لے اگر اجتہاد سے ابو حنیفہ کی رائے صائب معلوم ہو تو اسی پر عمل کرے اور بعض فقہا اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ لہذا شافعی المذہب ابو حنیفہ کے مسلک پر اور حنفی شافعی المذہب کے مسلک پر اگر اجتہاد سے ان کی رائے صحیح معلوم ہو حکم نافذ نہیں کر سکتا اس لیے کہ احکام اور فیصلوں میں تہمت اور کسی ایک فریق کی جانب داری کا شائبہ ہے۔ اور اگر صرف اپنے ہی مسلک پر حکم نافذ کرے گا تو احتمال نہیں ہوگا اور فریقین کے لیے فیصلے کو بخوشی تسلیم کرنا زیادہ ممکن ہوگا اگرچہ سیاست کا مقتضا یہی ہے (کہ بعض فقہا کی یہ رائے صحیح ہو) مگر احکام شرعی میں تقلید ممنوع اور اجتہاد ضروری ہے۔

ایک مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے بعد کسی ایسے ہی دوسرے مقدمہ میں اگر اجتہاد سے پہلے حکم کے خلاف فیصلہ صادر کرے تو صحیح ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ

نے ایک سال مشترکہ کے متعلق شریک کو قائم رکھکر فیصلہ کیا اور ایک دوسرے سال تشریک کو چھوڑ دیا عرض کیا گیا " یہ کیا ؟" پہلے تو آپ نے یہ فیصلہ کیا تھا " فرمایا " ہاں جب وہ فیصلہ صحیح تھا اور اب یہ فیصلہ صحیح ہے۔

اگر حنفی یا شافعی تقرر کے وقت قاضی پر یہ شرط لگائے کہ صرف مذہب شافعی یا مذہب حنفی پر فیصلے کرو تو اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ یہ شرط عام احکام کے لئے ہو تو یہ شرط باطل ہے قاضی اس کا تقرر کرنے والے کا ہم مسلک ہو یا نہ ہو۔ اب اگر تقرر کرتے ہوئے اس کو بعنوان شرط نہیں کہتا بلکہ بعنوان حکم یا ممانعت ذکر کرتا ہے کہ " میں نے تم کو قاضی مقرر کیا، شافعی مذہب پر فیصلے کرو " یہ حکم کی صورت ہے " یا میں نے تم کو قاضی مقرر کیا حنفی مذہب پر فیصلے مت کرو " یہ ممانعت کی صورت ہے تو تقرر صحیح ہو گا اور شرط حکماً ہو یا ممانعۃً فاسد ہے اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلے کرے شرط کے مطابق ہو یا نہ ہو البتہ اگر تقرر کرنے والا دانستہ ایسی ناجائز شرط لگاتا ہے تو وہ خود قابل اعتراض ہوگا اور اگر جہالت سے لگاتا ہے تو یہ اعتراض تو نہ ہو گا مگر جہالت کی وجہ سے اس قابل نہ ہو گا کہ قاضی کا تقرر کر سکے یا قاضی بنایا جا سکے۔

اور اگر تقرر کرتے ہوئے بعنوان شرط کہتا ہے کہ میں نے تم کو اس شرط پر قاضی بنایا کہ شافعی مسلک پر یا حنفی مسلک پر فیصلے کرو تو شرط فاسد پر معلق ہونے کی وجہ سے تقرر ہی باطل ہو گا۔ علمائے عراق کی رائے ہے کہ تقرر صحیح ہے اور شرط باطل ہے۔

دوسری قسم یہ کہ شرط کسی خاص حکم کے متعلق ہو اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک بعنوان امر (حکم)، دوسری بعنوان نہی (ممانعت) ہو۔ اگر بعنوان امر ہو جیسے قاضی سے کہے کہ غلام سے آزاد کا مسلم سے کافر کا قصاص لو اور جو قتل بغیر لوہے کے ہوا ہو اس میں بھی قصاص لو" یہ حکم امر باطل ہو گا اور تقرر صحیح ہو گا جیسا مقتضائے اجتہاد ہو حکم نافذ کرے اور اگر تقرر قضا کو اسپر معلق کر دیا تو تقرر ہی فاسد ہو گا۔ اور بعنوان نہی ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر مسلمان نے کافر کو قتل کیا ہو یا آزاد نے غلام کو قتل کیا ہو تو

ان کے متعلق حکم اور فیصلہ صادر کرنے کی بالکل ممانعت کرے کہ قصاص کے وجوب یا عدم وجوب کا کوئی فیصلہ نکرو، یہ جائز ہے اور تقرر دوسرے مقدمات فیصل کرنے کی غرض سے ہوگا اور مخصوص مقدمات اس کے اختیارات سے خارج ہوں گے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو حکم سے نہیں روکتا، قصاص کے مقدمات فیصل کرنے سے روکتا ہے اس میں ہمارے علمار کا اختلاف ہے آیا اس کو روکنا چاہیے یا نہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ مقدمات اس کے اختیارات سے خارج ہوں گے لہذا ان کے متعلق ہے قصاص یا عدم قصاص کا کوئی فیصلہ نہ کرے دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے اسکے اختیارات محدود نہ ہوں گے اجتہاد کے مطابق ان مقدمات میں بھی فیصلہ صادر کرسکتا ہے بشرطیکہ نفس تقرر اس ممانعت پر معلق نہ ہو (ورنہ تقرر ہی فاسد ہوگا)

فصل

تمام عہدوں کی طرح قضا کا تقرر بھی موجودگی میں زبانی الفاظ سے اور غیبت میں خط وکتابت سے ہوتا ہے مکاتبت کے ساتھ تقرر ہونے اور اس کے اہلکاروں میں اس تقرر کے قرائن کا ہونا ضروری ہے عہدے کا تقرر دو طرح کے الفاظ سے ہوتا ہے صریح اور کنایہ صریح چار ہیں میں نے تم کو مقرر کیا، والی کیا، خلیفہ بنایا، نائب بنایا تقرر کے لیئے ان میں سے جو لفظ استعمال کیا جائے قضا اور تمام عہدے اس سے انعقاد پذیر ہوسکتے ہیں ان کے ساتھ شرط کے طور پر کسی قرینہ کا ہونا ضروری نہیں البتہ بطور تاکید ہوسکتا ہے۔ الفاظ کنایہ کو ہمارے بعض علماء کہتے ہیں کہ سات ہیں میں نے تم پر اعتماد کیا۔ بھروسہ کیا، تمھاری طرف لوٹا دیا، تمھاری طرف کردیا، تمھیں تفویض کیا، تمھاری وکالت میں دیا، تمھاری طرف منسوب کیا چونکہ ان الفاظ میں دوسرے معنی کا احتمال ہے اور تقرر عہدہ میں صریح کے حکم سے کمزور رہیں

لہٰذا قرینہ کا ہونا ضروری ہے قرینہ کے ساتھ مگر صریح کے حکم میں ہو جاتے ہیں مثلاً کنایہ کے بعد کہے " لہٰذا جو کام میں نے تمھاری وکالت میں دیا ہے اس کی نگہبانی کرو جس کام میں تم پر میں نے اعتماد کیا ہے اس میں احکام نافذ کرو" وغیرہ اور دونوں کے ملنے سے عہدہ کا انعقاد ہو جائے گا لیکن تقرر کی تکمیل اس وقت ہوگی جبکہ وہ شخص (جس کو قاضی بنایا جائے) یہ عہدہ منظور کرے۔ اگر بالمشافہ گفتگو سے تقرر عمل میں آیا ہو تو قبول و منظوری فی الفور زبان سے ہونا معتبر ہے۔ اور اگر خط و مراسلت سے تقرر کیا گیا ہو تو دیر سے قبول کرنا بھی جائز ہے اور (بصورت ثانی) زبان سے بھی بدیر قبول کرنا جائز ہے۔ آیا کام کو شروع کر دینے سے بھی قبول صحیح ہو جاتا ہے اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک جائز ہے عمل کو گویا قبول کے مثل قرار دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک جائز نہیں زبان سے قبول کرنا ضروری ہے اس لیے کہ کام کا شروع کرنا تقرر کے مکمل ہونے کی فرع ہے لہٰذا کام سے قبول کا انعقاد نہیں ہو گا۔ نیز اس تقرر کی تکمیل کے لیے مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ ان چار شرائط کا ہونا بھی ضروری ہے (پہلی) شرط یہ ہے کہ تقرر کرنے والا اس شخص کو جس کا تقرر کرنا چاہتا ہے پہلے سے جانتا ہو کہ اس میں اس عہدے کی تمام شرائط موجود ہیں ورنہ تقرر صحیح نہ ہو گا اگر تقرر عمل میں آنے کے بعد شرائط کا ہونا معلوم ہوا تو از سر نو تقرر کا انعقاد کیا جائے پہلے تقرر کو کافی نہ سمجھا جائے (دوسری) شرط یہ ہے کہ تقرر کرنے والے کو اس عہدہ داری کی بابت یہ علم ہو کہ جن صفات کی بدولت اس کو یہ عہدہ تفویض ہوا ہے ان کی وجہ سے وہ مرجع خلائق بھی بنا ؟ اور اس نے اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے بھی انجام دیا ؟ یا نہیں اس شرط کا تعلق انعقاد تقرر کے ساتھ نہیں جیسا کہ شرط اولیٰ کا تھا بلکہ عہدہ کو قبول کرنے اور اس کے متعلقہ انتظامات کو انجام دینے کے جواز کے ساتھ ہے علم حاصل ہونے کے لیے مشاہدہ ضروری نہیں خبر کا مشہور ہونا ہی کافی ہے (تیسری) یہ ہے کہ جس عہدہ پر مامور کیا جائے اس کو نام لیکر متعین کر دیا جائے جیسے قضا، امارت، تحصیلداری۔ اس لیے کہ اوپر ذکر کی ہوئی شرائط کا تعلق ایسے تمام عہدوں کے ساتھ ہے لہٰذا معلوم ہونے کے لیے

تعیین ضروری ہے ورنہ تقرر فاسد ہوگا۔ (چوتھی) شرط شہر کا تعیین جس پر مامور کیا جائے ضروری ہے غیر متعین رہنے کی صورت میں تقرر صحیح نہ ہوگا۔ انعقاد اور تمام شرائط کے بعد تقرر بالکل مکمل ہوجائیگا اب تقرر اور نفاذ احکام کے لیئے کسی مزید شرط کی ضرورت نہیں البتہ اس کے احکام کو لازم اور تسلیم کرانے کے واسطے یہ شرط زائد ہوگی کہ اس کے اہل عملہ میں اس کے تقرر کا اعلان و اشاعت ہوجائے تاکہ سب اس کے احکام کی اطاعت کریں۔ جب تقرر بحیثیت انعقاد اور بحیثیت لزوم صحیح ہوجائے جیسا کہ ہم نے بالتفصیل ذکر کیا ہے تو عہدہ دار کا عنان انتظام کو ہاتھ میں لینا اور اجرائے احکام کرنا صحیح ہوجائے گا۔

عہدہ دار کا تقرر کرنا وکالت کے مثل ہے یعنی دونوں صورتوں میں اپنا نائب بنانا مقصود ہوتا ہے اس عہدہ پر مستقل تقرر نہ تقرر کرنے والے پر واجب ہے نہ خود عہدہ دار پر ضروری ہے تقرر کرنے والا جب چاہے معزول کرسکتا ہے اسی طرح عہدہ دار جب چاہے سبکدوش ہوسکتا ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ بلا عذر معزول نہ کیا جائے اور نہ خود سبکدوش ہو کیونکہ عہدہ کے ساتھ عام مسلمانوں کے حقوق وابستہ ہوتے ہیں۔ علیحدگی اور عزل کے بعد یہ ضروری ہے ہے کہ تقرر کی طرح اس کا بھی اعلان کردیا جائے تاکہ آئندہ کوئی حکم نافذ نہ کرے اور عام لوگ بھی اپنے مقدمات اس کے اجلاس میں پیش کرکے غلطی میں نہ پڑیں۔ اگر عزل سے واقف ہونے کے بعد احکام نافذ کیئے تو نافذ نہ ہوں گے اور بصورت ناواقفی بھی نافذ ہوں گے یا نہیں اس میں وہی اختلاف ہے جو وکیل کے معاملات میں ہے

فصل

قاضی کے اختیارات عام ہونگے یا خاص۔ اگر عام ہیں تو دس احکام کو مشتمل ہونگے۔ (پہلا) تنازعات اور جھگڑوں کو فیصل کرنا اگر مابہ النزاع امر جائز ہے تو رضامندی و صلح کے ساتھ، اور اگر امر واجب ہے تو حکم قطعی

کے ساتھ (دوسرا) جب کسی کا حق دوسرے کے اوپر اقرار یا شہادت سے ثابت ہو اور وہ دینے میں تاخیر کرتا ہو تو صاحب حق کو اس کا حق دلانا خود اپنے علم کی بنا پر فیصلہ کرنے میں اختلاف ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا صحیح قول تو یہ ہے کہ جائز ہے اور ان کا (شافعی) دوسرا قول ہے کہ ناجائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ قضا سے پہلے علم کی بنا پر فیصلہ جائز نہیں زمانۂ حکومت میں جس واقعہ کی اصلیت سے واقف ہوا اپنے علم کی بنا پر اس کا فیصلہ کر سکتا ہے (تیسرا) جنون اور بچپن کی وجہ سے جن کے تصرفات روک دیئے جائیں ان کے مالوں پر نگران مقرر کرنا وہ الیہ اور بے وقوف کے معاملات پر حجر (روک ٹوک) قائم کرنا تاکہ مستحقین کا مال محفوظ رہے اور اس کی عقود سے احکام صحیح ہو سکیں (چوتھا) اوقاف کی نگرانی یعنی اصل جائداد کی حفاظت منافع کی ترقی اور ان کی وصولی اور ان کے مصارف میں خرچ کرنا۔ اگر اوقاف کا کوئی جائز متولی موجود ہو تو اس کی نگرانی رکھنا ورنہ خود متولی بننا اس لئے کہ ولایت عام خاص نہیں ہو سکتی مگر ولایت خاص عام ہو سکتی ہے۔ (پانچواں) وصیتوں کا نفاذ ان کی شرائط کے مطابق بشرطیکہ جائز امور کے متعلق ہوں ممنوعات شرعیہ کے لیے نہ ہوں اگر وصیت معین لوگوں کے حق میں ہو تو نفاذ کا مطلب یہ ہوگا کہ انکا قبضہ کرائے۔ اور اگر موصوف بصفات کے حق میں ہو تو اپنے اجتہاد سے ان کو متعین کر کے ان کا قبضہ کرائے قبضہ کے بعد وہ لوگ مالک ہو جائینگے اگر وصیت کنندہ نے وصی مقرر کر دیا ہے تو اس کی نگرانی کرے ورنہ خود ہی انجام دے (چھٹا) بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں اور ان کے رشتے آتے ہوں تو ہم کفو لوگوں میں ان کے نکاح کرانا۔ امام ابوحنیفہؒ یہ حکم قاضی سے متعلق نہیں فرماتے ان کے نزدیک بیوہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے (ساتواں) جو لوگ حدود (سزاؤں) کے مستوجب ہیں ان پر ان کا جاری کرنا اگر حقوق اللہ سے متعلق ہیں تو اقرار یا شہادت سے ثابت ہونے کے بعد بلا کسی مطالبہ کرنے والے کے خود ہی قائم کرے۔ اور اگر حقوق العباد سے متعلق ہیں تو مستحق کے طلب کرنے پر قائم کرے۔ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کو

کسی مدعی کے مطالبہ کرنے پر قائم کر سکتا ہے (آٹھواں) حلقۂ حکومت کی مصالح کا لحاظ رکھے کسی شخص کو راستوں میں کوئی عمارت وغیرہ نہ بنانے دے بلا استحقاق بنائے ہوئے سائبان اور عمارت منہدم کرا دے یہ انتظام بھی بلا مطالبہ مدعی خود ہی کر سکتا ہے۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مستغیث کے دعوے کئے بغیر نہیں کر سکتا۔ مگر چونکہ یہ انتظام حقوق اللہ میں داخل ہے اس لیئے اس میں مستغیث وغیر مستغیث برابر ہیں لہٰذا خود ہی اس کا لحاظ رکھے۔ (نواں) اپنے امین اور شاہدوں کی جانچ پڑتال کرتا رہے نیک چلن خوش انتظام ماتحتوں کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھے۔ بدچلن خائنوں کے بجائے بہتر لائق آدمیوں کا تقرر کرے یا قابل ہوشیار کو ساتھ لگا دے تاکہ ملکر اچھا انتظام کریں (دسواں) تصفیہ مقدمات میں زور آور، کمزور اور شریف، غیر شریف میں کوئی فرق نہ رکھے اور نہ اپنے نفس کا تابع ہو کر حقدار کی حق تلفی اور غیر حقدار کی جانبداری کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب۔ ترجمہ:-

اے داؤد ہم نے تمھیں زمین کی خلافت دی ہے لہٰذا حق و انصاف کے ساتھ لوگوں میں فیصلے کرو اور اپنی خواہش نفسانی کا اتباع نکرو ورنہ اللہ کے راستے سے بھٹک جاؤگے جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کو شدید عذاب ہوگا کیونکہ انھوں نے محاسبہ کے دن کو فراموش کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں ابو موسیٰ اشعری کو شرائط قضا اور اس کے آئین لکھتے ہوئے فرماتے ہیں اما بعد قضا ایک زبردست فرض اور قابل عمل سنت ہے مقدمات اور ان کی سفارشات سامنے ہوں تو عقل و انصاف سے کام لو جس حق بات کا تقاضا نہ ہو اس کا زبان سے نکلنا بیسود ہے ملاقات، انصاف اور ہمنشینی میں مساوات کا خیال رکھو کوئی تمھارے ظلم سے فائدہ نہ اٹھائے اور نہ کمزور آدمی تمھارے عدل سے مایوس ہو۔ مدعی کے ذمے شہادت شرعی ہے اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔ دو مسلمانوں میں صلح

کرانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس صلح سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کیا جائے۔ اپنا سابق فیصلہ آئندہ بطور نظیر کے استعمال کرنا ضروری نہ سمجھو، اگر غور و تدبر کے بعد حق کی طرف رہنمائی ہو تو اس کو اختیار کرو، حق کی طرف مراجعت کرنا باطل پر اڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ اگر کسی امر کے متعلق قرآن و حدیث سے فیصلہ معلوم نہ ہو اور قلب پریشان ہو تو عقل اور صرف عقل سے کام لیکر نظائر و امثال پر قیاس کرو۔ اگر مدعی کہتا ہے مدعا علیہ یا شہادت حاضر نہیں ہے تو اس کے لیئے مدت معین کردے اگر شہادت پیش کردے تو اس کا حق دلادے ورنہ اس کے خلاف فیصلہ صادر کردے شک و شبہ سے بچنے کی یہی صورت ہو سکتی ہے مسلمان، مسلمان کے خلاف شاہد ہو سکتا ہے باستثنار اس کے جس پر حد کے کوڑے لگے ہوں یا جھوٹی شہادت کا سزا یافتہ یا جس کا نسب یا ولایت مجہول ہو فان اللہ عفا عن الایمان ودرءا بالبینات۔ مقدمات کے تصفیہ میں گھبراہٹ، پریشانی، ملال کو پاس نہ آنے دو۔ حق حقدار کو پہنچانے سے کل اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے گا۔ والسلام۔ اگر شبہ ہو کہ اس فرمان میں دو کوتاہیاں ہیں ایک یہ کہ اس میں لفظ تقلید جس سے عہدہ کا تقرر ہوتا ہے نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ اس میں شاہدوں کی ظاہری صفائی کو کافی قرار دیا ہے حالانکہ تحقیق و تجسس کے بعد باطنی صفائی کا ثابت ہونا ضروری ہے سو اس کے متعلق عرض ہے کہ لفظ تقلید کے نہ ہونے کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تقلید و تقرر اس فرمان سے پہلے عمل میں آچکا ہے اور اس میں صرف خاص خاص احکام نہ ہدایات کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس فرمان میں بعض الفاظ ایسے موجود ہیں جن سے تقلید و تقرر ہوتا ہے مثلاً "مقدمات اور ان کی سفارشات سامنے ہوں تو عقل و انصاف سے کام لو" اور "اگر مدعی شہادت شرعی پیش کرے اس کا حق دلادو ورنہ اس کے خلاف فیصلہ کردو" امر کے یہ صیغے اور قرائن حالیہ الفاظ تقلید و تقرر کے استعمال سے مستغنی کر رہے ہیں۔ اور شاہدوں کی صرف ظاہری صفائی کو کافی قرار دینے کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ کے نزدیک یہی کافی ہو گا اس لیئے اپنی رائے کے مطابق

لکھا ہے دوسرا یہ کہ ان کی مراد یہ ہے کہ تحقیق و تفتیش کے بعد اگر عیب ظاہر نہ ہو تو عدول ہوں گے اور ایک دوسرے کے خلاف شہادت دے سکیں گے جس کو حد تازیانہ لگ چکی ہے وہ کسی حالت میں ایسا نہ ہوگا۔

قاضی کو اگرچہ اختیارات عامہ رکھتا ہو مالگزاری وصول کرنے کا حق نہیں ہے اس کا تعلق صرف افسران فوج سے ہے۔ اور صدقات کا اگر کوئی جدا افسر مقرر ہو تو وہ بھی قاضی کے اختیارات سے خارج ہوں گے ورنہ بعض کی رائے تو یہ ہے کہ قاضی کو اس کی وصولی اور بامحل خرچ کرنے کا حق ہوگا کیونکہ یہ حقوق اللہ میں سے ہے اور بعض کے نزدیک اب بھی قاضی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے اس لئے کہ مالیات ائمہ کی رائے و اجتہاد سے متعلق ہیں یہی اختلاف جمعہ و عیدین کی امامت میں ہے۔ اور اگر قاضی کے اختیارات محدود ہیں تو صرف اپنے اختیارات محدود ہی کے استعمال کرنے کا مجاز ہوگا۔ مثلاً قضا کے جو احکام ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں ان میں سے کوئی ایک حکم تفویض کیا گیا ہو یا یہ کہ مدعا علیہ اقرار کرے تو فیصلہ کرے اور شہادت شرعی پر نہ کرے دَین کے مقدمات کے اور نکاح کے نہ لے۔ معین شدہ نصاب کے مقدمات لے اور غیر معین کے نہ لے۔ بہر حال محدود الاختیار قاضی اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کرے گویا قاضی نائب ہوتا ہے وکالت کی طرح عام و خاص دونوں طرح اس کا تقرر بھی صحیح ہے۔

فصل

کسی خاص شہر یا خاص مجمع پر اختیارات عامہ کے ساتھ قاضی کا تقرر کرنا جائز ہے اور وہ اسی خاص مفوضہ علاقے پر اپنے احکام نافذ کرنے کا مجاز ہوگا وہاں کے باشندوں اور مسافروں کے انتظامات اور تصفیۂ مقدمات انجام دینے ہوں گے۔ اگر اس کے اختیارات صرف باشندگان علاقہ کے مقدمات تک محدود کر دیئے جائیں تو پھر مسافروں سے تعرض کرنے کا اس کو حق نہ ہوگا

اگرچہ تقرر تو پورے شہر پر کیا گیا ہے مگر یہ تخصیص کردی گئی کہ شہر کے ایک حصے یا ایک محلے یا ایک خاص مکان کے مقدمات لے تو یہ تخصیص ناقابل اعتبار ہوگی اور تمام شہر کے مقدمات فیصل کرسکے گا اس لیے کہ تقرر کے عام ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ اختیارات اس کے بیٹھنے کی جگہ یا کسی مکان کے اندر منحصر کردیئے جائیں اگر تخصیص بعنوان شرط ذکر کی گئی ہو تو تقرر ہی باطل ہوگا اور کسی جگہ کے مقدمات لینے کا مجاز نہ ہوگا۔ اگر صرف ان لوگوں کے امور فیصل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے جو اس کے مکان یا اس کی مسجد میں وارد ہوں تو یہ تقرر بھی صحیح ہے۔ مکان اور مسجد کے علاوہ کسی جگہ کے معاملات سے تعرض کرنا جائز نہ ہوگا اور ان لوگوں کے معین ہونے کی یہی صورت ہوگی کہ وہ اس کے مکان یا مسجد میں آجائیں۔ یہ تقرر مکان یا مسجد کے ساتھ مشروط ہوگا۔

ابو عبداللہ زبیری فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں بصرہ میں کچھ عرصہ تک امیروں نے اس قسم کے قاضی مقرر کئے تھے ایسے قاضی کو قاضی المسجد کہتے تھے جو دو سو درہم یا بیس دینار کے اندر اپنے احکام نافذ اور تنخواہیں مقرر کرسکتا تھا اور سے مقام معین اور نصاب مقررہ سے تجاوز کرنے کا حق نہ ہوتا تھا۔

فصل

ایک شہر میں دو قاضیوں کے تقرر کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں (پہلی) یہ کہ دونوں کو شہر کا جدا جدا حصہ تفویض کیا جائے یہ صورت صحیح ہے ہر ایک اپنے اپنے متعلقہ حصے میں انتظام کرنے کا مجاز ہوگا (دوسری) یہ کہ ایک کو مقدمات دیون کے لیے اور دوسرے کو مقدمات نکاح کے لیے مقرر کیا جائے یہ بھی جائز ہے ہر ایک قاضی پورے شہر کے اپنے متعلقہ مقدمات لینے کا مجاز ہوگا (تیسری) یہ ہے کہ دونوں کو پورے شہر کی قضا تمام مقدمات طے کرنے کے لیے تفویض کی جائے اس کے جواز میں

ہمارے علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت کے نزدیک یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ مقدمات لیجانے میں مدعی اور مدعا علیہ کا نزاع اور جھگڑا ہو گا ایک کہیں دوسرا کہیں لیجانا چاہے گا لہذا اگر دونوں کا تقرر بیک وقت ہوا ہو تو دونوں کی قضا باطل ہو گی اور مقدم و موخر ہوا ہو تو موخر کی قضا باطل ہو گی اور دوسری بڑی جماعت اس کو جائز کہتی ہے کیونکہ قاضی وکیل کی طرح نائب بنایا جاتا ہے فریقین (مدعی و مدعا علیہ) مختلف الرائے ہوں تو مدعی کی رائے معتبر ہوگی اور مختلف الرائے نہ ہوں تو جو قاضی اپنے قریب تر ہو اسی کے پاس مقدمہ لیجائیں اور دونوں کا فاصلہ برابر ہو تو بعض کے نزدیک قرعہ اندازی کر لیجائے اور بعض کے نزدیک جبتک متفق الرائے نہ ہوں کسی کے پاس مقدمہ نہیں لیجا سکتے ۔

فصل

فریقین کے معین مقدمے کو فیصل کرنے کے لیئے بھی قاضی کا تقرر ہو سکتا ہے اس صورت میں کسی اور مقدمے کو لینے کا مجاز نہ ہو گا جبتک یہ معین مقدمہ فریقین میں چلتا رہے گا اسوقت تک اس کی حکومت باقی رہیگی اور فیصلہ کرنے کے بعد حکومت زائل ہو جائے گی۔ پھر اگر ان فریقین میں کوئی دوسرا مقدمہ چلے تو اس کا تصفیہ جدید اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا ۔

فریقین کے مقدمے کے بجائے اگر دن مقرر کرے اور یوں کہے کہ میں تم کو شنبہ کے لیئے قاضی مقرر کرتا ہوں تو شنبہ کو ہر قسم کے مقدمات لے سکتا ہے اور غروب شمس کے ساتھ یہ تقرر ختم ہو جائیگا اگر یوں کہا کہ تمہیں ہر شنبہ کے دن کا قاضی مقرر کیا تو شنبہ گزرنے پر حکومت زائل نہ ہو گی آئندہ ہر شنبہ کو عدالت قائم کرنے کا مجاز ہو گا اور شنبہ کے سوا دوسرے دنوں میں حکومت کرنے کا حق نہ ہو گا۔ اگر کسی شخص کو معین کئے بغیر یوں کہا جو شخص شنبہ کے دن

مقدمات فیصل کرے وہ میرا نائب ہے تو شخص کے مجہول ہونے کی وجہ سے یہ تقرر باطل ہوگا نیز اس میں اندیشہ ہے کہ غیر مجتہد حکومت کرنے لگے۔ اگر یہ کہا کہ جو اہل اجتہاد شنبہ کے دن حکومت کرے وہ میرا خلیفہ ہے تو مجہول ہونے کی وجہ سے یہ بھی صحیح نہ ہوگا۔ اور لازم آتا ہے کہ مجتہد کا انتخاب امام کے سوا فریقین مقدمہ کی رائے پر منحصر ہو جائے۔ اگر یہ کہا کہ جو شافعی مدرس یا حنفی مفتی شنبہ کو حکومت کرے گا وہ میرا خلیفہ ہے یہ بھی جائز نہیں اگر چند کا نام لے کر کہا کہ فلاں یا فلاں شنبہ کو حکومت کرے تو میرا خلیفہ ہے تو خواہ چند قلیل ہوں یا کثیر تقرر جائز نہ ہوگا اس میں بھی عدم تعین رہتا ہے البتہ اگر تردید کے طور پر یہ کہا کہ شنبہ کی حکومت فلاں اور فلاں اور فلاں میں دائر کرتا ہوں تو یہ صورت جائز ہوگی اور ان میں سے جو شخص کام شروع کرے وہ مقرر ہو جائے گا اور بقیہ کا استحقاق باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ تقرر ایک شخص کا مقصود ہے سب کو جمع کرنا مقصود نہیں اگر جمع کرنا ہوتا تو عدد کثیر ہونے کی صورت میں ناجائز ہوتا اور قلیل ہونے کی صورت میں جواز اور عدم جواز دونوں قول ہیں جیسا کہ دو قاضیوں کے تقرر میں علماء کا اختلاف سابقاً مذکور ہو چکا ہے۔

فصل

عہدۂ قضا کی خواہش اور اس کی تحریک غیر مجتہد کی طرف سے ناجائز ہے اور طلب نے اس کو غیر معتبر بھی کر دیا۔ اور اہل اجتہاد اور عہدہ کے قابل شخص کی طرف سے ہونے کی صورت میں تین حالتیں ہیں (پہلی) کوئی ناقص العلم یا ظالم کھلا ظلم کرنے والا حکومت کر رہا ہے اس کو علٰحدہ کرنے کی غرض سے قضا کا طالب ہوتا ہے تو چونکہ اس کی نیت امر منکر کا ازالہ ہے اس لئے یہ طلب جائز ہے پھر اگر نیت کا غلبہ ازالۂ منکر ہے تو مستحق اجر ہوگا اور اگر حصول حکومت ہے تو امر مباح ہے (دوسری) لائق اور قابل شخص عہدۂ قضا پر مامور ہے اس کو عداوت یا ذاتی منفعت کی غرض سے معزول کرانا چاہتا ہے تو طلب ممنوع

ہو گی اور خود طالب مجروح اور غیر مستحق ہو جائیگا (تیسری) عہدہ قضا خالی ہے پس اگر اس خیال سے طلب کرتا ہے کہ بیت المال سے تنخواہ ملے گی اور میری ضروریات پوری ہوں گی تو مباح ہے۔ اور اگر حفاظت حقوق کی نیت سے طلب کرتا تاکہ مبادا کوئی نااہل اور نالائق مقرر نہ ہو جائے تو مستحب ہے اور اگر یہ عزت و منزلت کیلئے طلب کرتا ہے تو اس کے جواز میں اتفاق ہے مگر کراہت میں اختلاف ہے بعض علماء مکروہ کہتے ہیں کیونکہ دنیا کی وجاہت وعزت کا طلب کرنا مکروہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علواً في الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقين ترجمہ:۔
یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو عطا کریں گے جن کی غرض دنیوی مراتب اور فساد نہ ہو اور بہتر انجام پرہیزگاروں ہی کے لیئے ہے

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ طلب وجاہت امر مباح غیر مکروہ ہے پیغمبر خدا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون سے حکومت وخلافت کی خواہش کی اور کہا (اجعلني على خزائن الارض اني حفيظ عليم)

ترجمہ:۔ مجھے دفینوں پر مقرر کردو میں محافظ باخبر ہوں۔

آپ نے استحقاق کی علت بھی ذکر فرمائی کہ میں حفیظ وعلیم ہوں اس میں دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ محافظ ہوں جو کچھ سپرد کرد گے باخبر ہوں طریقہ حکومت سے جو مجھے دوگے یہ قول عبدالرحمٰن بن زید کا ہے۔ دوسری یہ کہ محافظ ہوں حساب کا باخبر ہوں اور واقف ہوں زبانوں سے یہ قول اسحٰق بن سفیان کا ہے چونکہ یہ قول بطور سبب اور علت استحقاق کے ذکر کیا گیا ہے لہذا اس کو اپنی صفائی اور خود سرائی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں ایک اختلافی مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ظالم کی طرف سے ولایت کا قبول کرنا جائز ہے یا نہیں بعض کہتے ہیں کہ اگر حق پر عمل ہو سکے تو جائز ہے یوسف علیہ السلام نے اسی لیئے قبول فرمایا تھا کہ اپنے عدل سے اس کے ظلم کی مکافات فرما دیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں ظالم کی اعانت ہے اور اس کے احکام کی پیروی کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ظالم حق پر ہے

لہذا قبول کرنا جائز نہیں اور یوسف علیہ السلام کا تقرر جو فرعون کی طرف سے عمل میں آیا اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام کا فرعون صالح تھا اور سرکش حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام صرف اس کی املاک کے افسر تھے حاکم نہ تھے۔

عہدۂ قضا کی تحصیل کے لیئے روپیہ وغیرہ خرچ کرنا قطعاً ناجائز ہے یہ رشوت ہے جو شرعاً حرام ہے دینے والا اور لینے والا دونوں مجروح ہوجاتے ہیں ثابت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راشی مرتشی اور رائش پر لعنت بھیجی ہے راشی رشوت دینے والا مرتشی رشوت لینے والا رائش جو دونوں میں واسطہ ہے۔

فصل

قاضی کو فریق مقدمہ سے یا اپنے عملے والے سے ہدیہ لینا جائز نہیں کیونکہ عملے والا بھی اپنی کسی غرض کے لیئے دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حکام کے تحفے ان کی گردن کے بمنزلہ طوق ہیں اگر قبول کرنے کے بعد فوراً ان کی مکافات کردیں تو مالک ہوجائیں گے اور اگر فوراً مکافات نہ کریں اور دینے والے کو واپس دینا بھی دشوار ہوجائے تو بیت المال میں داخل کردیئے جائیں کیونکہ قاضی کے مقابلہ میں بیت المال ان تحائف کا زیادہ مستحق ہے تصفیۂ مقدمات کو بلا عذر تعویق میں ڈالنا قاضی کے لیئے جائز نہیں ایسے ہی اوقات استراحت کے علاوہ اپنے دروازہ پر حاجب (دربان) کا مقرر کرنا جائز نہیں اپنے والدین یا اولاد کے حق میں محل تہمت ہونے کی وجہ سے فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہاں ان کے خلاف فیصلہ کرسکتا ہے کیونکہ بدگمانی کا احتمال نہیں اسی طرح ان کے حق میں شہادت نہیں دےسکتا مگر خلاف شہادت دے سکتا ہے اپنے دشمن کے موافق شہادت دےسکتا ہے خلاف نہیں دے سکتا۔ اور اس کے موافق فیصلہ کرسکتا ہے مگر خلاف نہیں کرسکتا۔ اس لیئے کہ حکم کے اسباب اگرچہ ظاہر ہیں مگر شہادت کے

اسباب خفی ہیں لہذا شہادت کی بدگمانی حکم کی طرف موجہ ہو جائیگی۔

امام کے انتقال سے اس کے قاضی معزول نہ ہوں گے۔ اگر کسی شہر میں قاضی نہ ہو اور اہل شہر کسی کو قاضی مقرر کر لیں تو اگر امام وقت موجود ہو تو یہ تقرر باطل ہے اگر موجود نہ ہو تو تقرر صحیح ہے اس کے احکام نافذ ہوں گے اسکے بعد اگر کوئی امام جدید مقرر ہو جائے تو اس کی قضا بلا اذن امام آئندہ کے لیے باقی نہ رہے گی البتہ اس سے پہلے کے فیصلے بحالہ نافذ رہیں گے۔

ساتواں باب

فوجداری

حکومت فوجداری سے مراد یہ ہے کہ آپس میں تعدی اور ظلم کرنے والے ہر دو فریق کو جبراً عدالت میں پیش کر کے انصاف کرایا جائے اگر انکار کریں تو ڈرا دھمکا کر کام کیا جائے۔ پس ضروری ہے کہ اس منصب کا حاکم نہایت عالیشان، نافذالحکومت، بارعب، باعفت اور بے طمع آدمی ہو۔ اس کو پولیس کے دبدبے اور قاضیوں کے وقار کی ضرورت ہے لہذا ان محکموں کے حکام کی صفات بھی اس میں موجود ہوں تاکہ ہر طرح سے اپنے احکام کو نافذ کرنے پر قادر رہو۔

اگر بابِ خلافت سے اختیارات عامّہ کا منصب رکھتا ہے مثلاً وزیر یا امیر ہے تو مستقل تقرر کی ضرورت نہیں فوجداری کے مقدمات بھی تصفیہ کرنے کا مجاز ہوگا اگر اختیارات عامّہ کا منصب نہیں رکھتا تو بیشک اس کے لیے مستقل تقرر کی ضرورت ہوگی بشرطیکہ پیشتر ذکر کی ہوئی شرائط اس میں موجود ہوں لہذا اس شخص کا تقرر صحیح ہوگا۔ جس کو ولی عہدی یا وزارت تفویض اور امارت علاقہ کے لیئے منتخب کرنا درست ہو یہ اس وقت جبکہ اس کو تمام مقدمات فوجداری کے اختیارات دینے مقصود ہوں اور اگر اختیارات محدود دئے جائیں کہ جن مقدمات کو قاضی فیصل نہ کرسکیں اور ان کی قدرت سے خارج ہوں صرف انھیں کی سماعت کرے تو اس کا اوپر ذکر کی ہوئی عظمت و شان والا ہونا ضروری نہیں کسی قدر کم رتبہ والا بھی ہوسکتا

ہے۔ بشرطیکہ حق کے مقابلہ میں لومت لائم سے خائف اور حرص وطمع سے مغلوب اور راشی نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فوجداری کے مقدمے کو طے فرمایا تھا زبیر بن العوام اور ایک انصاری میں زمین کو سیراب کرنے کے متعلق جھگڑا ہوا وہ خود اس کو لیکر آئے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ زبیر پہلے تم سیراب کرو پھر انصاری۔ انصاری نے کہا "یارسول اللہ" بیشک وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے"۔ آپ کو یہ بات ناگوار گزری غصہ آگیا اور فرمایا یا زبیر اجرہ علی بطنہ حتی یبلغ الماء الی الکعبین یعنے زبیر پانی آنے دینا یہاں تک کہ ٹخنوں تک چڑھ جائے اجرہ علی البطنہ اس کی عبارت کی وجہ سے آپ نے تادیبًا فرمایا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے ٹخنوں تک جاری رکھنے کا کیوں حکم دیا؟ اس میں دو قول ہیں یا تو حضور (صلعم) نے فریقین کے حق کو بطور حکم کے بیان فرمایا، یا زجر و توبیخ کے لیئے ایسا حکم دیا خلفاء اربعہ کو اس محکمہ کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ قرن اول میں تدین اور انصاف پسندی کا غلبہ تھا وعظ ونصیحت سنکر لوگ مظالم سے باز رہتے تھے معمولی او مشتبہ امور میں کبھی کبھی نزاع ہوجاتا جن کا قاضی تصفیہ کردیتا تھا۔ اکھڑ مزاج اعرابی سے اگر کبھی کوئی زیادتی ہوتی تو وہ بھی وعظ اور سرزنش سے متاثر ہوجاتا تھا ان حضرات کے زمانہ میں صرف حق کے تعین کے لیئے حاکم کی ضرورت ہوتی تھی اور اس کے متعین ہونے کے بعد لوگ خود حق کی طرف جھک جاتے تھے۔

لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اخیر عہد حکومت میں جبکہ لوگوں کا اختلاف بڑھ گیا اور بے انصافیاں ہونے لگیں اس قسم کے مقدمات کا تصفیہ اور ان کی چھان بین کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی سب سے پہلے آپ ہی نے اس طریقہ کو اختیار فرمایا اگرچہ زیادہ ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے مستقل طور پر ایسے مقدمات کے لیئے وقت معین نہیں فرمایا تھا وقال فی المنبریۃ صار ثمنہا تسعًا اور قارصہ، قامصہ اور واقصہ زخموں میں آپ نے ثلث ثلث دیت کا فیصلہ فرمایا۔ ایک بچے کی دو عورتیں دعویدار

ہوئیں آپ نے حکم قضا کے موافق فیصلہ کردیا۔
آپ کے بعد حالت بدل گئی ظلم و تعدی غصب و تغلب کا بازار گرم ہو گیا وعظ و نصیحت غیر موثر ہو گئے ضرورت ہوئی کہ تغلب سے روکا جائے مغلوب و مظلوم کی دادرسی سلطنت کے زور اور احکام قضا کے ساتھ کی جائے سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے جور و تعدی کے واقعات کی تفتیش کرنے کے لئے ایک دن مقرر کیا تھا قابل تصفیہ مقدمات اپنے قاضی ابوادریس اودی کے حوالے کر دیتا تھا۔ چونکہ خلیفہ واقعات و اسباب سے باخبر ہوتا اس کے خوف سے قاضی ابوادریس کے احکام و فیصلے فوراً نافذ ہو جاتے مگر قاضی بحیثیت کارکن ہوتا اور حکم خلیفہ کا ہوتا تھا۔
اس کے بعد حکام اور روسا بھی ستم شعاری کرنے لگے نہایت قوی اور بارعب فرماں روا کے بدون کام چلنا دشوار ہو گیا چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے جور و تعدی کے فیصلے خود کرنے شروع کئے مقتضائے انصاف کے مطابق ہر شخص کا حق دلایا بنو امیہ کی ناانصافیوں کی تلافی کی اور ان پر اس قدر سختی اور شدت کی کہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا آپ واپس نہ دلائیں ورنہ آپ کی جان کی خیر نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کے سوا اگر میں کسی دن سے بچنا چاہوں یا ڈروں تو خدا کرے نہ بچ سکوں۔
اکثر خلفاء عباسیہ بھی اس کا اہتمام کرتے رہے سب سے پہلے مہدی اور پھر ہارون رشید پھر مامون اور سب کے بعد مہتدی دادرسی کے لئے بیٹھا کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام املاک حقدار اور مستحقین کے پاس پہنچ گئیں شاہان فارس تو اس کو جہانبانی کے لئے اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک یہ کام قوانین ملک و آئین انصاف کا جزو تھا کیونکہ اسکے بدون امن اور ملکی اصلاح میسر ہونا ممکن نہیں زمانۂ جاہلیت میں جب لوگ خودسر اور علیحدہ علیحدہ سردار بن گئے ایک دوسرے کے مال و جائداد پر تغلب کرنے لگے تو قریش نے ایک عہدنامہ مرتب کیا جس کی رو سے

ظلم و تعدی کی تلافی اور ظالم و مظلوم کا انصاف کرانا ضروری قرار پایا۔ اس کا سبب ایک واقعہ ہے زبیر بن بکار نے لکھا ہے کہ بنو زبیر کا ایک شخص یمن سے عمرہ کرنے اور مال فروخت کرنے کے لیئے مکہ آیا بنی سلیم کے ایک آدمی نے جو بعض کہتے ہیں کہ عاص بن وائل تھا اس کا مال خرید کر نہ تو اس کی قیمت دی نہ مال ہی واپس کیا اس نے مانگا تو اس نے صاف انکار کر دیا یمنی نے ایک اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ شعر پڑھے۔ (بحر بسیط)

یال قصی لمظلوم بضاعتہ ببطن مکۃ نائی الدار والنفر
واشعث محرم لم تقض حرمتہ بین المقام وبین الحجر والحجر
اقائم من بنی سہم بذمتھم او ذاھب فی ضلال مال معتمر

ترجمہ:۔ اے آل قصی اس مظلوم کی امداد کرو جس کا مال مکہ میں ہے وہ گھر رشتہ داروں سے بہت دور ہے مقام ابراہیم اور حجر اسود اور حرم کے درمیان بغیر احرام کھولے پراگندہ حال کھڑا ہے۔

کیا بنی سہم میں سے کوئی شخص اپنی ذمہ داری سے بلد وستش ہوگا؟ یا ایک عمرہ کرنے والے کا مال یونہی برباد رہے گا۔

اس کے بعد ایک اور واقعہ ہوا قیس بن شیبہ سلمی نے اپنا مال ابی بن خلف کے ہاتھ فروخت کیا وہ مال دبا بیٹھا اور قیمت دینے سے انکار کر دیا بنی جمح کے ایک شخص سے اعانت چاہی اس نے اعانت نہ کی۔ تو قیس نے یہ شعر کہا (بحر رجز)

یال قصی کیف ھذا فی الحرم وحرمۃ البیت واحلاف الکرم
اظلم لا یمنع عنی من ظلم

ترجمہ:۔ اے آل قصی حرم اور بیت محترم اور شرافت کے حلیفوں میں یہ کیا بات ہے کہ مجھ پر ظلم ہوا اور کوئی ظالم کی خبر نہ لے۔ اس کا جواب عباس بن مرداس سلمی نے دیا۔ (بحر بسیط)

ان کان جارک لم تنفعک ذمتہ وقد شربت بکاس الذل انفاسا
فأت البیوت وکن من اھلھا صددا لا تلق ناديهم فحشا ولا باسا

ومن یکن بفنأ البیت معتصمًا | یلق ابن حرب ویلق المرء عباسًا
قومی قریش باخلاق مکملة | بالمجد والحزم ما عاشا وما ساسا
ساق الحجیج وھذا ناشر فلج | والمجد یورث اخماسا واسداسا

ترجمہ :- اگر پڑوسی کا عہد تیرے لیئے نافع ہوا، اگر تجھے ذلت کے گھونٹ پینے پڑے تو ان گھر والوں کو دیکھ جن کی معاشرت میں تو بدکلامی یا خوف نہ پائے گا جو شخص بیت اللہ کے صحن میں آکر سہارا ڈھونڈے گا اس کو ابن حرب اور عباس جیسا مرد ملے گا میری قوم قریش خصائل حمیدہ سے مکمل ہے جیتے جی اور جب تک سرداری کرے گی شرافت اور احتیاط سے کام لینے والی ہے حجاج کی ساقی ہے اور یہ ایک مشہور عزت ہے شرافت کسی کو میراث میں پانچواں حصہ ملتی ہے کسی کو چھٹا

ابوسفیان اور عباس بن عبدالمطلب نے کوشش کرکے اس کا مال واپس دلا دیا اور قریش کے گھر والوں نے عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہو کر یہ عہد کیا کہ مکہ میں جب کسی پر زیادتی ہو تو اس کی تلافی کی جائے کسی کو کسی پر ظلم نہ کرنے دیا جائے مظلوم کا حق دلایا جائے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تشریف فرما تھے نبوت سے قبل جب آپ کی عمر پچیس سال کی تھی یہ عہد نامہ مرتب ہوا تھا۔

آپ (صلعم) نے اس واقعہ کو یاد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ عبداللہ بن جدعان کے مکان میں حلف الفضول کے وقت میں موجود تھا اگر مجھے کہا جاتا تو میں بھی مان لیتا اور اس کے خلاف سرخ اونٹ بھی قبول نہ کرتا آپ نے پورا قصہ ذکر کرکے فرمایا کہ اسلام تو اس میں اور شدت کرتا ہے ایک قریشی نے اس حلف کے متعلق کہا ہے (بحر البسیط)

تیم بن مرة ان سالت وھاشمًا | وزھرة الخیر فی دار ابن جدعان
متحالفین علی الندی ما غردت | ورقاء فی فنن من جزع کتمان

ترجمہ :- اگر میری معشوقہ پوچھے تو میں بتاؤں کہ ابن جدعان کے مکان میں تیم بن مرہ ہاشم اور زہرۃ الخیر نے جمع ہو کر اسو قت تک کیلئے جب تک کہ فاختہ نیل کی شاخ پر بیٹھی چہچہائے یعنی ہمیشہ کیلئے اس بات کا عہد کیا کہ وہ رفع مظالم کرینگے

یہ فعل اگرچہ زمانہ جاہلیت میں سیاسی مجبوریوں سے کیا گیا تھا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور آپ کی تاکید و تائید سے اس کو ایک امر شرعی اور فعل نبوی کا رتبہ حاصل ہوگیا۔

فصل

جو شخص فوجداری مقدمات کے لئے تیار ہو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی دن مقرر کردے جس میں دادخواہ حاضر ہوا کریں تاکہ بقیہ دنوں میں اپنے فرض منصبی، انتظام وغیرہ کا کام کرسکے اور اگر مستقل طور پر فوجداری کا حاکم بنایا گیا ہے تو دن مقرر کرنے کی ضرورت نہیں تمام دنوں میں بھی کام انجام دے۔ لیکن اپنے دروازے پر ایسے پہرے قائم نہ کرے کہ لوگوں کو پہنچنا دشوار ہو اور نہ دوست احباب کی ملاقاتوں میں مصروف رہے حاکم فوجداری کی عدالت میں پانچ قسم کے لوگوں کا ہونا اشد ضروری ہے ان کے بدون اس کی مجلس عدالت ہرگز مکمل نہ ہوگی۔ ایک تو پولیس موجود ہو تاکہ زور آور، قوی مجرم کو حاضر عدالت کیا جاسکے اور جری وگستاخ کا مزاج درست ہوسکے۔ دوسرے قاضی اور حکام ہوں تاکہ ان کے نزدیک ثابت شدہ حقوق اور فریقین مقدمہ کے جو واقعات ان کی عدالتوں میں پیش ہوچکے ہیں معلوم ہوسکیں تیسرے فقہا تاکہ مشکل اور مشتبہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ ان کو حل کریں چوتھے منشی جو فریقین کے بیانات اور ان کے موافق یا مخالف فیصلے تحریر کیا کریں۔ پانچویں گواہ جو حقوق واجبہ اور فیصل شدہ احکام کے شاہد بنائے جائیں۔ جب عدالت فوجداری میں پانچوں قسم کے لوگ موجود ہوجائیں تو کارروائی شروع کرے۔ اس عدالت کے ساتھ دس قسم کے مقدمات کا تعلق ہے۔

(پہلی قسم) رعایا پر حکام کی تعدی وظلم وتشدد کا ناجائز رویہ کہ اس پر آسانی واقفیت نہیں ہوتی لہذا ان کے حالات کی مکمل تفتیش کرے منصف اور قابل ہوں تو ترقی دے ظالم نا انصاف ہوں تو ظلم سے روکے یا موقوف کرے کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد خلافت میں سب سے پہلا خطبہ دیا تو یہ فرمایا میں تم کو پرہیزگاری اور اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں خدا تعالیٰ کے ہاں صرف تقویٰ قبول ہوگا اور متقی ہی پر رحم کیا جائے گا۔ حکام کی ایک جماعت نے بہت زیادہ ظلم وتعدی اور حق تلفی کی ہے لوگوں نے اپنے حقوق

ان سے خریدے ہیں اور فدیہ دے دے کر ان کو باطل سے روکا ہے۔ خدا کی قسم اگر مردہ سنت کے زندہ کرنے اور باطل طریقے کو مٹانے کا خیال مجھے دامنگیر نہ ہوتو میں ایک آن بھی زندہ رہنا گوارا نہ کرتا۔ لوگو! اپنی آخرت کو درست کرو تمھاری دنیا بھی درست ہو جائے گی ان امرأ لیس بینہ وبین آدم الا الموت لمعرق لہ فی الموت

ترجمہ :۔ بیشک ہر آدمی اور آدم کے درمیان صرف موت کا فرق ہے اور موت اس کا یقینی راستہ ہے۔

(دوسری قسم) تحصیلداروں کا وصولی محاصل میں زیادتی کرنا اس کے متعلق شاہان سلف کے منصفانہ قوانین ان کی کتابوں میں دیکھے اور ان کے موافق لوگوں کو محصولات ادا کرنے اور تحصیلداروں کو وصول کرنے کی تاکید کرے اگر زیادہ وصول کر کے بیت المال میں داخل کر دیا ہے تو واپسی کا حکم دے اور اگر خود رکھ لیا تو ان سے لیکر مالکوں کے حوالے کرائے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز مہدی فصل مقدمات کے لئے بیٹھے تو کسور کے واقعات پیش کیے گئے انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے سلیمان بن وہب نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل سواد اور اطراف مشرق و مغرب کے باشندوں پر چاندی اور سونے کا خراج مقرر کیا تھا درہم و دینار قیصر و کسریٰ کے وزن پر مضروب تھے، اور یہی سکّے شمار کر کے لوگ خراج ادا کرتے تھے سکوں کے وزن کی کمی و بیشی کا خیال نہ کیا جاتا تھا مگر بعد کو لوگوں نے کیا کہ طبریہ جس کا وزن چار دانق تھا ادا کرتے اور وافی جس کا وزن مثقال کے برابر تھا نہ دیتے۔ جب زیاد حاکم عراق ہوئے تو انھوں نے وافی کا مطالبہ کیا اور کسور کی جو کمی ہوئی اس کے ادا کرنے پر مجبور کیا بنوامیہ کے عمال اس کی وصولی میں ظلم و تشدد کرنے لگے۔ عبد الملک بن مروان تخت نشین ہوئے تو انھوں نے وزنوں کا معائنہ کر کے درہم کا وزن ساڑھے پانچ مثقال اور دینار کا وزن بحالہ رکھا ان کے بعد حجاج نے پھر کسور کا مطالبہ کرنا شروع کیا عمرؒ بن عبد العزیز نے پھر ساقط کر دیا ان کے بعد والے پھر لینے لگے بالآخر منصور کے عہد میں جب سواد تباہ ہو گیا تو اس نے گیہوں اور جو

(جن کی پیداوار وہاں زیادہ ہے) کے خراج میں چاندی وغیرہ لینا موقوف کرکے تقسیم کرنیکا حکم نافذ کیا ان کے علاوہ غلوں اور کھجور اور دوسرے درختوں کا خراج بھی جاری رکھا اور یہ خراج اسی طرح کسور کے ساتھ اب تک جاری ہے مہتدی نے کہا معاذ اللہ جو چیز پہلے یا بعد میں لوگوں سے ظلماً وصول کی جاتی ہو میں اس کو کیسے لازم قرار دیسکتا ہوں اس کو ساقط کردو اور لوگوں سے مت لو حسن ابن مخلد نے کہا اگر اس کو ساقط کیا گیا تو شاہی خزانہ کو بارہ لاکھ درہم سالانہ کا نقصان ہوگا مہتدی نے کہا کہ میرا کام یہ ہے کہ حق کو قائم رکھوں اور ظلم کو دور کردوں بلا سے خزانہ میں کمی واقع ہو ہوا کرے۔

تیسری قسم رجسٹروں میں داخل یا خارج کرنے والے منشی یہ لوگ عام مسلمانوں کی جائدادوں کے امین ہوتے ہیں ان کی کارروائیوں کی نگرانی رکھے اگر داخل خارج کرنے میں کوئی خلاف حق کمی بیشی ہو تو اس کو درست اور باقاعدہ کرادے اور ایسا کرنے والوں کو سزا دے کہتے ہیں کہ منصور کو اطلاع ملی کہ چند منشیوں نے رجسٹروں میں تغیر و تبدل کیا ہے ان کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور سزا دلوائی ایک نوجوان نے پٹتے ہوئے یہ شعر پڑھے (بحر وافر)

اطال اللہ عمرک فی صلاح وعز یا امیر المومنینا

یعفوک نستجیر فان تجرنا فانک عصمۃ للعالمینا

ونحن الکاتبون وقد اسانا فہبنا للکرام الکاتبینا

ترجمہ:- اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کی عمر صلاح وعزت کے ساتھ دراز فرمائے ہم آپ کی عفو کی پناہ چاہتے ہیں اگر آپ نے پناہ دی تو آپ کی شایان شان ہے کہ آپ دنیا کے لیے پناہ ہیں ہم کاتب اور قصوروار ہیں لہذا ہمیں کراماً کاتبین کے حوالے کردیجئے یہ سنکر منصور نے ان کو چھوڑ دیا اور وہ نوجوان چونکہ بقصور امانت دار اور شریف بھی ثابت ہوا اس پر بہت کچھ کرم واحسان کیا۔

مذکورۂ بالا تین قسموں میں مستغیث کا حاضر ہونا ضروری نہیں خود حاکم کو نگرانی اور اصلاح کرنی چاہیئے۔

(چوتھی قسم) تنخواہیں تقسیم کرنے والوں کی تعدی مثلاً کم دینا یا دیر سے

دینا اور لوگوں کو دق کرنا لہذا تنخواہوں کے رجسٹر کا معائنہ کرکے اس کے مطابق تنخواہیں جاری کرے جسقدر تنخواہیں کم دی گئی ہوں یا بالکل نہ دی گئی ہوں اگر حکام بالا نے دبالی ہوں تو ان سے لیکر ورنہ بیت المال سے مستحقین کو دلائے۔ ایک فوجی افسر نے مامون کی خدمت میں لکھا کہ فوجی سپاہی آپس میں لڑتے اور ادھر ادھر لوٹ مار کرتے پھرتے ہیں مامون نے جواب لکھا کہ اگر تم انصاف کرتے اور تنخواہیں پوری پوری تقسیم کرتے تو نہ آپس میں لڑتے اور نہ لوٹ مار کرتے افسر کو معزول کردیا اور سپاہیوں کی تنخواہیں باقاعدہ جاری کراویں۔

(پانچویں قسم) اموال مغصوبہ کی واپسی۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (پہلی) وہ اموال جن کو ظالم بادشاہوں نے اپنی رغبت سے یا لوگوں پر تعدی کرنے کے لیئے چھین لیئے ہوں اگر حاکم کو خود ایسے اموال کا حال معلوم ہو تو ان کی واپسی کا حکم دیدے اور اگر معلوم نہ ہو تو مستغیث کے استغاثہ دائر کرنے پر واپسی موقوف ہوگی۔ استغاثہ کے بعد سلطنت کے رجسٹروں کو دیکھنا کافی ہے اگر ان میں مالک سے لینے کا تذکرہ موجود ہو تو واپسی کا حکم دے سکتا ہے۔ بینہ (شہادت) طلب کرنے کی ضرورت نہیں رجسٹروں میں مل جانا کافی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نماز پڑھنے کے لیئے باہر تشریف لائے ایک شخص نے جو یمن سے آیا تھا استغاثہ کیا اور یہ شعر پڑھا (بحر بسیط)

تدعون حیران مظلوماً ببابکم فقد اتاك بعید الدار مظلوم

ترجمہ:- امیر المومنین آپ پریشان مظلوم کو اپنے دروازہ پر بلاتے ہیں یہ لیجئے ایک دور سے آیا ہوا مظلوم آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

آپ نے پوچھا تم پر کیا زیادتی ہوئی ہے اس نے عرض کیا حضور عبداللہ ولید بن عبد الملک نے میری زمین دبالی تھی۔ آپ نے مزاحم کو حکم دیا صوافی کا رجسٹر حاضر کرو اس کو دیکھا تو یہ لکھا تھا کہ عبداللہ ولید بن عبد الملک نے فلاں شخص کی زمین اپنے لیئے انتخاب کی ہے۔ آپ نے حکم دیا اس کو کاٹکر لکھدو کہ اصل مالک کو واپس دی گئی۔ اور اس کو دوچند خرچہ دیا جائے۔

(دوسری) وہ اموال جن کو قوت و شوکت والے رئیس لوگوں سے

غصب کرکے زبردستی مالک بن بیٹھیں ایسے اموال کی واپسی استغاثہ دائر کرنے پر موقوف ہے اور واپسی کی چار صورتیں ہیں یا تو غاصب مقر و معترف ہو یا حاکم ذاتی علم رکھتا ہو' اوس صورت میں اپنے علم کی بنا پر غاصب کے خلاف فیصلہ کرسکتا ہے۔ یا شہادت اس مضمون کی گزرے کہ غاصب نے غصب کیا ہے یا اس مضمون کی کہ مغصوب منہ مالک ہے یا بلاشک وشبہ عام شہرت سے معلوم ہو کہ وہ شخص اس کا مالک ہے کیونکہ گواہوں کی شہادت جبکہ عام شہرت سے ہوسکتی ہے تو حاکم کا فیصلہ بدرجۂ اولیٰ درست ہوگا۔

(چھٹی قسم) اوقاف کی نگرانی۔ دو قسم کے ہوتے ہیں عام وخاص۔ عام اوقاف کی نگرانی واصلاح حاکم کو خود ہی کرنی چاہئے کسی مستغیث کا ہونا ضروری نہیں علم ہوجانے کے بعد صحیح مصارف میں واقف کی شرائط کے مطابق خرچ کرے علم کی تین صورتیں ہیں یا تو اُن حکام کے رجسٹروں سے پتہ چلے جن کو احکام کی نگرانی اور حفاظت کے لیئے تعینات کیا گیا ہے۔ یا سرکاری رجسٹروں سے اس کے متعلق کوئی معاملہ یا تذکرہ اور نام ونشان معلوم ہو۔ یا قدیم کتابوں سے جن کی صحت کو قلب تسلیم کرتا ہو معلوم ہو ان ہر سہ صورت پر اعتماد کافی ہے کسی شاہد کا ہونا ضروری نہیں اس لیے کہ ایسے وقف کا خاص شخص مستغیث نہیں ہوتا لہذا اس کا حکم اوقاف خاصہ کی بہ نسبت کسی قدر نرم ہونا چاہئے۔ اور خاص اوقاف کا انتظام اسی وقت کرے جبکہ کوئی خاص نزاع کے بعد دعویدار ہو' کیونکہ اس کا تعلق خاص افراد سے ہوتا ہے جب ان میں اپنے اپنے حقوق کے متعلق جھگڑا ہو اور مقدمہ دائر کریں تو حاکم کو مناسب کارروائی کرنی چاہیے اس میں شہادت شرعیہ کا ہونا ضروری ہے اگر شہادت نہ ہو تو دواوین سرکاری یا قدیم کتب پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔

(ساتویں قسم) محکمۂ قضا کے ان احکام وفیصلوں کی تنفیذ جنکو وہ اپنی کمزوری یا محکوم علیہ کی قوت آیا اُس کے جلیل القدر اور عظیم الشان ہونے کی وجہ سے نافذ کرانے سے قاصر ہو چونکہ حاکم فوجداری نہایت قوی اور باا‌ثر ہوتا ہے اس لیئے اس کا فرض ہے کہ ان فیصلوں کے مطابق ایسے لوگوں کے ہاتھوں

سے چیزیں نکلوانے اور قرض وغیرہ ادا کرنے پر مجبور کرے (آٹھویں قسم) محکمۂ احتساب اگر اپنے متعلقہ فرائض (مثلاً نامشروع افعال کے کھلم کھلا ہونے کو روکنا راستوں میں ظلم و تعدی نہ ہونے دینا، کسی کا حق ضایع نہ ہونے دینا) کی انجام دہی سے عاجز ہو تو اس کی اعانت کرے، لوگوں سے تمام حقوق اللہ کے متعلق مواخذہ کرے اور انکے مطابق عمل کرنے پر مجبور کرے۔

(نویں قسم) جمعہ یا عیدین، حج اور جہاد وغیرہ عبادات ظاہرہ اور ان کی شرائط میں کوتاہی نہ کرنے دے اس لئے کہ فرائض اور حقوق خداوندی کی ادائی اور بجاآوری سب سے مقدم ہے۔

(دسویں قسم) فریقین مقدمہ اور ان کے فیصلے کے متعلق زیادہ غور اور توجہ سے کام لے مقتضائے حق کے خلاف نہ کرے کیونکہ وہ قاضی اور حکام کے فیصلوں کے موافق فیصلہ کرنے کا مجاز ہے بعض اوقات حاکم فوجداری مقدمہ واضح نہ ہونے کی وجہ سے جائز حدود سے تجاوز کر جاتا ہے ایسا کرنا ہرگز درست نہیں۔

عدالت قضا اور عدالت فوجداری میں دس امور مابہ الامتیاز ہیں۔ (۱) فریقین کے نزاع مٹانے، تصفیہ پر مجبور کرنے ظالموں کو مغلوب کرنے اور دوسروں کا مال چھیننے سے باز رکھنے کے لئے ضرورت ہے کہ ناظر مظالم باہیبت قوی اور دبدبہ والا ہو، اور قاضی کا ایسا ہونا ضروری نہیں۔ (۲) ناظر مظالم کا تعلق امور واجبہ سے گزر کر جائز امور کو بھی مشتمل ہے۔ لہذا وہ قول و عمل دونوں کے اعتبار سے وسیع الاختیارات ہوگا۔ (۳) ڈرا کر اور قرائن و شواہد حالیہ سے کام لیکر تفتیش و تحقیق واقعات اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہے برخلاف اس کے دوسرے حکام ایسا نہیں کر سکتے۔ (۴) جس شخص کا ظلم و تعدی کرنا معلوم ہو اس کی تادیب و اصلاح کر سکتا ہے۔ (۵) مقدمہ کی بابت زیادہ تحقیق و تنقیح کی ضرورت ہو اور امید ہو کہ غور و فکر سے حالات و اسباب اصلیت کے ساتھ آشکارا ہو جائیں گے تو ناظر مظالم تصفیہ میں تاخیر کر سکتا ہے اور دوسرے حکام اگر کوئی فریق مقدمہ بعجلت فیصلہ کا طالب ہو تو تاخیر کرنے کے مجاز نہیں۔ (۶) ناظر مظالم مناسب سمجھے تو فریقین کو مصالحت پر مجبور کر سکتا ہے تاکہ آپس میں

رضامندی کے ساتھ سمجھوتہ کرلیں لیکن قاضی دونوں کی رضامندی بغیر ایسا نہیں کرسکتا
(۷) اگر فریقین انصاف و اعتراف حقوق پر آمادہ نہ ہوں تو پولیس کی حراست میں
دے کر مقدمہ کی نوعیت ضمانت کے قابل ہو تو ضمانت پر رہا کردے تاکہ رد حقوق
اور ایک دوسرے کی تکذیب سے باز آکر انصاف کو قبول کریں۔ (۸) جو لوگ
مجہول الحال اور عدالت قضا کے نزدیک ناقابل شہادت ہوں ناظر مظالم
ان کی شہادت سن سکتا ہے۔ (۹) شاہدوں کے بیان مشکوک و مشتبہ معلوم
ہوں تو ان سے حلف لے سکتا ہے نیز ازالۂ شک کے لیئے شاہدوں
کی تعداد بھی بڑھا سکتا ہے مگر دوسرے حکام ایسا نہیں کر سکتے۔
(۱۰) فریقین کی نزاع کی کیفیت معلوم کرنے کے لیئے ابتداءً شاہدوں کے بیانات
سن سکتا ہے اور برخلاف اس کے قاضیوں کا طریقہ یہ ہے کہ مدعی سے گواہ طلب
کرتے ہیں اور مدعی کے کہنے پر ان کے بیانات لیتے ہیں غرضکہ ناظر مظالم اور حکام
قضا میں نزاع اور مخاصمت کے مقدمات میں ان دس وجوہ سے فرق ہوتا
ہے اور ان کے علاوہ اور تمام امور میں دونوں مساوی ہیں خدا نے چاہا تو آئندہ
تفصیل سے ان دونوں کا امتیاز اور زیادہ منکشف ہو جائے گا۔

فصل

اب یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مرافعہ کے وقت دعوی کی تین حالتیں ہوسکتی
ہیں یا تو اس کے ساتھ اس کے موید امور ہیں یا اس کو ضعیف کرنے والے
یا دونوں نہیں۔ موید ہونے کی صورت میں چھ حالتیں ہوتی ہیں جن سے دعوی
کی تقویت تدریجی طور پر مختلف ہوتی ہے (پہلی) دعوی کے ساتھ ایک دستاویز
ہو جس میں گواہان موجودہ کی شہادت ثبت ہو۔ ایسے دعوی میں ناظر مظالم کو
دو امر کا اختیار ہے (۱) گواہوں کو طلب کرکے شہادت لے (۲) منکر کے
انکار کو اس کی حالت اور قرائن کے مطابق ناقابل تسلیم قرار دے۔ گواہ حاضر
ہو جائیں تو اگر ناظر مظالم ذی رتبہ خلیفہ یا وزیر تفویض یا صوبہ دار ہے تو فریقین کے

حالات کو دیکھ کر بمقتضائے سیاست اگر دونوں عالی رتبہ ہوں تو خود فیصلہ کرے متوسط طبقہ کے ہوں تو قاضی کے سپرد کرے ادنی طبقے کے ہوں تو نیچے کی عدالت کے حوالے کرے خلیفہ مامون اتوار کے دن مظالم کا تصفیہ کیا کرتے تھے ایک روز فارغ ہو کر اٹھے تو ایک پریشان حال عورت نے آکر عرض کیا۔ (بحر بسیط)

یا خیر منتصف یهدی له الرشد　　ویا اماما به قد اشرق البلد
تشکو الیك عمید الملك ارملة　　عدی علیها فما تقوی به اسد
فابتز منها ضیاعا بعد منعتها　　لما تفرق عنها الاهل والولد

ترجمہ:۔ اے سب سے بہتر انصاف پرور جس کے لیئے ہدایت شمع راہ ہے اے امام جس نے دنیا کو منور کر دیا ایک عاجزہ درماندہ عورت تیرے دربار میں عمید الملک کی شکایت کرنے آئی ہے عمید الملک نے ایسا بڑا ظلم کیا ہے کہ شیر بھی تحمل نہ ہو سکے جو زمینیں میرے شوہر اور بیٹے کی زندگی میں محفوظ تھیں ان کے مرنے کے بعد اس نے مجھ سے چھین لیں۔ مامون نے ذرا سوچکر کہا۔ (بحر بسیط)

من دون ما قلت عیل الصبر والجلد　　واقرح القلب هذا الحزن والکمد
هذا اوان صلوة الظهر فانصرفی　　واحضر الخصم فی الیوم الذی اعد
المجلس السبت ان یقض الجلوس لنا　　انصفك منه والا المجلس الاحد

ترجمہ:۔ اے مظلوم عورت تیری فریاد سے صبر و تحمل جاتا رہا اور تیرے رنج والم نے میرا دل زخمی کر دیا ممکن ہوا تو شنبہ کو ورنہ یکشنبہ کو تیرا انصاف کروں گا۔

عورت چلی گئی اور اتوار کے دن سب سے پہلے حاضر ہوئی مامون نے پوچھا تیرا خصم (مدعا علیہ) کون ہے عورت نے کہا کہ امیر المومنین کا بیٹا عباس جو حضور کے قریب کھڑا ہے مامون نے اپنے قاضی یحیی ابن اکثم کو اور بعض کہتے ہیں اپنے وزیر احمد بن ابی خالد کو حکم دیا کہ عباس کو عورت کے ساتھ بٹھا کر دونوں کے بیانات لو دونوں کو بٹھا کر بیانات لینے شروع کیئے تو عورت زیادہ بلند آواز سے بولنے لگی ایک سپاہی نے اس کو دھمکایا تو مامون نے کہا "کچھ نہ کہو اس کو حق بلوا رہا ہے اور اس کو باطل نے گونگا

کردیا ہے" اور زمینوں کی واپسی کا حکم دیدیا مقدمہ کی کارروائی مامون کی موجودگی میں ہوئی مگر بمقتضائے سیاست دو وجہ سے خود نہیں کی ایک یہ کہ فیصلہ کے فرزند کے موافق اور مخالف ہونے کے دونوں احتمال ہیں مخالف تو کرسکتا ہے موافق کرنا جائز نہیں دوسری یہ کہ مدعی عورت ہے اور مامون کی شان ایسی نہیں کہ اس سے باتیں کرے اور بیٹے کی عظمت بھی ایسی نہ تھی کہ کوئی دوسرا اس کے خلاف فیصلہ کرسکے۔ اس لئے مامون نے کارروائی اپنی موجودگی میں دوسرے کے ذریعہ سے کرائی تاکہ وہ شخص عورت کے دعوئی اور دلیل کو وضاحت سے اور تنفیذ حکم اور الزام حق کا کام بجالائے دوسری حالت جس سے دعوئی کو تقویت پہنچے یہ ہے کہ دستاویز کے معتبر گواہوں میں کوئی موجود نہ ہو لہٰذا ایسے دعوے کی کارروائی میں چار امور کارآمد ہوں گے (۱) مدعا علیہ کو ڈراتا تاکہ بعجلت حق کا اعتراف کرے اور گواہی کی ضرورت نہ رہے (۲) اگر گواہوں کی مضرت اور مشقت کا اندیشہ نہ ہو اور اس کا مقام معلوم ہو تو حاضر کرائے (۳) مدعیٰ علیہ کو زیر حراست رکھے اور علامات و قرائن مقدمہ کی تفتیش کرے (۴) اگر دعوئی قرض وغیرہ کے متعلق ہے تو کوئی ضامن طلب کرے اور اگر زمین و جائداد کے متعلق ہے تو اس کو نگرانی میں لے لے غلہ و آمدنی کسی امین کے پاس محفوظ کردے تاکہ جو حقدار ثابت ہو اس کو دی جائے پس اگر زیادہ عرصہ گزر جائے اور گواہوں کی حاضری سے مایوسی ہو تو والی مظالم اس کا مجاز ہے کہ مدعا علیہ سے پھر دھمکا کر پوچھے کہ یہ شئے تمہاری ملکیت میں کیونکر آئی؟ اگرچہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ سبب ملکیت کے دریافت کرنے کو جائز نہیں فرماتے مگر امام مالک رحمۃ اللہ جائز فرماتے ہیں۔ نیز پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ والی مظالم کا دائرہ اختیارات واجبات سے گزر کر امور جائزہ کو بھی مشتمل ہے لہٰذا اگر کوئی ایسا جواب دے جس سے تنازع رفع ہوجائے تو فبہا ورنہ جیسا شرعی مقتضا ہو فیصلہ صادر کردے تیسری حالت جس سے دعوے کو تقویت پہنچے یہ ہے کہ دستاویز کے شاہد موجود ہوں مگر حاکم کے نزدیک غیر معتبر ہوں اس صورت میں گواہوں کو طلب کرکے ان کی تفتیش کرے جو تین حال سے

خالی نہ ہوں گے یا تو ذی رتبہ پرہیزگار لوگ ہوں گے تو ان کی شہادت یقیناً قابل اعتبار ہے یا رذیل ہوں گے تو ان کی شہادت تو قوی نہ ہوگی مگر مدعا علیہ کو ڈرانے میں کار آمد ہونگے۔ یا متوسط درجے کے ہوں گے تو تفتیش کے بعد اگر چاہے اُن سے قبل شہادت یا بعد شہادت حلف بھی لے سکتا ہے۔ موخرالذکر دونوں قسم کے لوگوں کی شہادت سننے کے تین طریقے ہیں (۱) شہادت خود ہی سنکر فیصلہ صادر کرے (۲) شہادت کی سماعت قاضی کے حوالے کر دے اور تصفیہ اپنے اوپر موقوف رکھے کیونکہ قاضی اسی وقت تصفیہ کرسکتا ہے جبکہ شرعی طور پر اس کے نزدیک شاہدوں کی عدالت (صفائی) ثابت ہوجائے۔ (۳) شہادت کی سماعت معتبر گواہوں کے سپرد کر دے اگر محض نقل شہادت سپرد کی تو ان کے ذمے ان گواہوں کے حالات کی تفتیش ضروری نہیں اور اگر یہ کہا کہ ان میں سے جس کی شہادت تمہارے نزدیک درست ہو نقل کرو تو حالات کی تفتیش کریں تاکہ درست شہادت پیش کرسکیں اور اس کے مطابق حکم کا نفاذ ہو۔

چوتھی حالت تقویت دعوے کی یہ ہے کہ دستاویز کے شاہد معتبر لوگ ہیں مگر زندہ نہیں اور اس کی تحریر بھی قابل اعتماد ہے تو اس وقت میں تین صورتیں ہیں (۱) مدعا علیہ کو ڈرایا اور دھمکایا جائے تاکہ سچ بولے اور حق کا اعتراف کرے۔ (۲) پوچھا جائے کہ تو کس طرح اس کا مالک ہوا ہے ممکن ہے اس سے حق بات معلوم ہوجائے۔ (۳) مملوکہ شے کے قریب رہنے والے اور فریقین کے پڑوسیوں سے حالات معلوم کئے جائیں کیا عجب ہے ان سے حق حقدار کا معلوم ہوجائے اگر یہ تینوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو فریقین کا مقدمہ ایک ایسے شخص کے حوالے کر دے جو ذی وجاہت ہو، فریقین اس کی بات مانتے ہوں اور وہ ان کی حالت اور مقدمہ کی کیفیت سے واقف ہو تاکہ بار بار تحقیقات کرنے اور طویل مدت گزرنے کی وجہ سے دونوں مجبور ہوکر سچ بیان دینے اور مصالحت کرنے پر آمادہ ہوجائیں اگر تصفیہ کرلیں تو بہتر ورنہ قانون قضا کے مطابق فیصلہ سنا دے۔ پانچویں صورت تقویت دعویٰ کی یہ ہے کہ مدعی کے پاس مدعا علیہ کا رقعہ موجود ہو اور اس سے دعوی کا ثبوت ہو تو

ناظر مظالم کو چاہئے کہ مدعا علیہ سے اس تحریر کی بابتہ یہ دریافت کرے کہ کیا یہ تمہاری تحریر ہے؟ اگر اس کا اعتراف کرلے تو پوچھے اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کی صحت تمھیں تسلیم ہے؟ اگر تسلیم کرلے تو یہ اقرار ہے پس اقرار کے مطابق حکم سنا دے اور اگر صحیح تسلیم نہیں کرتا تو اس صورت میں بعض حکام فوجداری نے خط کے اعتراف کرنے پر اس کے خلاف فیصلہ صادر کردیا ہے اور رسمًا علامات حقوق میں سے شمار کیا ہے ۔ اور محققین نیز تمام فقہا کی رائے ہے کہ محض تحریر کے اعتراف پر بغیر اعتراف مضمون فیصلہ صادر کرنا جایز نہیں ہے کیونکہ محکمۂ فوجداری کے لیئے ممنوعات شرعیہ مباح نہیں ہوتے ۔ لہذا ناظر مظالم کو چاہئے کہ مضمون تحریر کے متعلق اس کا بیان سنے اگر وہ یہ کہے کہ میں نے یہ تحریر اس سے قرض لینے کیواسطے لکھی تھی مگر اس نے مجھے قرض نہیں دیا یا اس کے ذمے ایک شے کی قیمت باقی تھی اس کے طلب کرنے کے لیئے میں نے یہ واقعہ لکھا تھا مگر اس نے ادا نہیں کی تو چونکہ لوگ کبھی کبھی ایسا کرتے ہیں لہذا اس وقت ناظر مظالم تہدید اور سختی سے کام لیکر صحیح حالات یا علامات معلوم کرنے کی سعی کرے اگر معلوم ہوجائیں تو مناسب ہے ورنہ قاضی دونوں سے قسم لیکر فیصلہ کردے ۔

اگر سرے سے خط ہی کا منکر ہے تو بعض کے نزدیک اس کی بلا تصنع تحریرات سے مقابلہ کرکے دیکھا جائے اگر خط ملتا ہے تو اس کے خلاف فیصلہ کردے یہ قول ان لوگوں کا ہے جن کے نزدیک محض اعتراف تحریر پر حکم ہوسکتا ہے ۔ اور محققین کے نزدیک مقابلۂ خطوط حکم لگانے کے لیئے نہیں بلکہ ملزم کو خوف زدہ کرنے کے لیئے کیا جاتا ہے اب اگر تحریر سے منکر تھا تو مقابلہ کرنے سے شبہ کمزور ہوگا اور معترف تھا تو اس کی بہ نسبت شبہ قوی ہوگا ۔

اور اگر تحریر میں منافات ہو تو مدعی کو تہدید کی جائے اور دونوں کو ایسے لوگوں کے حوالے کیا جائے جو مصالحت کرادیں ۔ ہوجائے تو خیر ورنہ قاضی قسمیں لیکر فیصلہ کردے ۔

چھٹی حالت جو تقویت دعوے کا سبب ہوتی ہے اور معاملات میں کام آتی ہے یہ ہے کہ دعوے کے متعلق حساب کی بہی پیش کی جائے یا تو مدعی

پیش کرے یا مدعا علیہ۔ اگر مدعی پیش کرے تو اس میں شبہ کم ہوگا اس کو غور سے دیکھا جائے اگر ترتیب حساب مختل ہے تو غیر معتبر ہے اور جعلی ہونے کا احتمال ہے دعوی بجائے قوی ہونے کے ضعیف ہو جائے گا۔ اور اگر نقل و ترتیب صحیح و باضابطہ ہے تو قابل اعتماد ہے مدعا علیہ کو شواہد کے موافق تہدید کی جائے اور مصالحت پر آمادہ کیا جائے نہ مانیں تو قطعی حکم سنا دیا جائے اگر مدعا علیہ پیش کرے تو اس دعوی کو تقویت ہوگی مدعا علیہ سے پوچھا جائے کہ کیا یہ تمھارا خط ہے؟ اگر اعتراف کرے تو پوچھا جائے تمھیں معلوم ہے یہ کیا ہے؟ اگر اقرار کرے تو پوچھا جائے اس کو صحیح سمجھتے ہو اس کو بھی تسلیم کرے تو ان تینوں باتوں سے لازم آئے گا کہ مضمون حساب کا مقر ہے لہذا جو کچھ اس میں تحریر ہو اس پر مجبور کیا جائے۔ اگر اپنے خط ہونے کا اس کو اعتراف ہے مگر اس کے علم اور اس کی صحت سے انکار ہے تو جن علماء کے نزدیک تحریر پر حکم درست ہے بہی کے حساب کے مطابق فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ اگرچہ صحت سے انکار ہی ہو بلکہ اس کو عام مرسلہ خطوط سے زیادہ معتبر قرار دیتے ہیں کیونکہ آمدنی کی بہی میں غیر وصول شدہ نہیں لکھا جاتا مگر محققین کی رائے یہ ہے اور یہی فقہا کا قول ہے کہ جس حساب کی صحت کا معترف نہ ہو اس پر فیصلہ نہیں چاہئے۔ لیکن عام خطوط کی بہ نسبت حساب کی بہی ہوتے ہوئے کسی قدر زیادہ تہدید کی جاسکتی ہے کیونکہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حساب کی بہی کا عرفاً زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے اس کے بعد مصالحت پر آمادہ کیا جائے اور پھر فیصلہ صادر کر دیا جائے۔

اگر تحریر اس کے منشی کی ہے تو پہلے مدعا علیہ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے اگر اعتراف کرے تو اس سے حق لے لیا جائے ورنہ منشی سے دریافت کیا جائے اگر وہ بھی انکار کرے تو شبہ کمزور ہو جائے گا اگر مشتبہ شخص ہو تو اس کو تہدید کی جائے اور نہ معتبر ہو تو نہ کی جائے اور اگر تحریر کا اور اس کی صحت کا اعتراف کرلے تو مدعا علیہ کے خلاف شاہد ہو جائے گا اگر شاہد عدل ہو تو اس کی شہادت کا اعتبار کر کے ایک شاہد اور ایک یمین (قسم) پر از روئے مذہب یا از روئے سیاست جس کا شواہد حال تقاضا کریں فیصلہ کر دے کیونکہ

۷۵

شواہد حال کو اختلاف احکام میں خاصہ دخل ہے اور ہر حالت کی تہدید محدود ہے جس سے تجاوز نہ کیا جائے تاکہ تمام احوال بحیثیت اپنے شواہد کے ممتاز رہیں۔

فصل

اگر دعوے کے ساتھ اس کو ضعیف کرنے والے حالات ہوں تو ان کی چھ قسمیں ہیں جو تقویت دعوے کے منافی ہیں اس صورت میں مدعا علیہ کے بجائے مدعی کے ساتھ تہدید آمیز رویہ اختیار کیا جائے۔

پہلی حالت یہ ہے کہ دعوے کے مقابلہ میں ایسی دستاویز پیش کرے جس کے عادل یا معتبر گواہ موجود ہوں اور وہ دعوے کے خلاف شہادت دیں جس کی چار وجوہ ہیں (۱) جس شئے کا دعویدار ہے اس کے فروخت کر دینے کی شہادت دیں۔ (۲) شہادت دیں کہ جس شئے کا دعویدار ہے اس سے بے حق ہونے کا ہمارے سامنے اقرار کیا ہے (۳) شہادت دیں کہ اس کے باپ نے اس کی انتقال ملک کا اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ جس شئے کا دعویٰ کرتا ہے اس سے بے تعلق ہے۔ (۴) شہادت دیں کہ جس شئے کا یہ شخص دعویدار ہے اس کا مالک مدعا علیہ ہے۔ ان چار صورتوں میں دعویٰ باطل ہوگا اور حاکم اس کی حالت کے مطابق اس کو تنبیہ و تہدید کریگا۔

اگر یہ کہے کہ یہ شہادت جبراً بیع کرنے کے متعلق ہے جیسا کہ بعض لوگ کبھی کبھی ایسا کر لیتے ہیں تو بیع نامہ کو دیکھا جائے اگر اس میں لکھا جائے کہ بلا جبر و اکراہ بیع کی ہے تو دعویٰ کمزور ہو جائے گا۔ اور اگر یہ نہیں لکھا تو دعوے کی جہت قوی ہو جائے گی اور قرائن و شواہد حال کے موافق فریقین کو تہدید کی جائے اور اس کے ہمسایوں اور ملنے جلنے والوں سے تحقیقات کی جائے پس اگر بیعنامہ کے خلاف تحقیق ہو تو اس پر عمل کیا جائے ورنہ بیعنامہ کے موافق بیع کی شہادت پر فیصلہ کیا جائے اگر مدعی علیہ سے حلف لینا چاہے کہ یہ بیع بلا جبر و اکراہ عمل میں

آئی ہے تو علما کا اس کے جواز میں اختلاف ہے کیونکہ یہ اس کے دعوے کے خلاف ہے
امام ابوحنیفہ اور بعض علماء شافعیہ کے نزدیک جائز ہے کہ اس کا احتمال و امکان ہے اور
دوسرے علماء شافعیہ ناجائز قرار دیتے ہیں کیونکہ پہلا دعویٰ دوسرے دعوے کی تکذیب کر رہا ہے
اور ناظر مظالم کو چاہیئے کہ دونوں دعوؤں پر غور کرنے اور شواہد کے دیکھنے سے جو مناسب
معلوم ہو اس پر عمل کرے۔ مدعا علیہ کو قسم دینے میں یہی صورت اس وقت اختیار کی جائے
جبکہ دعویٰ دین کے متعلق ہو اور مدعا علیہ رسید ادائی کی پیش کرے اب مدعی کہتا ہے کہ بیشک
یہ رسید میں نے مکمل کردی تھی مگر قرض وصول ہونے سے پہلے لکھی اور وہ وصول نہیں ہوا تو اس
صورت میں حسب سابق مدعا علیہ پر حلف لازم آئے گا۔

دوسری یہ کہ اس تحریر کے شاہدان عدل جو دعوے کے مقابلے میں
پیش کی گئی ہے غائب ہوں اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ انکار کے ساتھ سبب
کا اعتراف ہو مثلاً یوں کہے اس زمین میں مدعی کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ میں نے
اس سے خرید کر قیمت ادا کردی ہے اور یہ کاغذ موجود ہے جس میں گواہی ثبت
ہے اس صورت میں مدعا علیہ ایسے کاغذ کا مدعی ہو جائیگا جس کے گواہ حاضر
نہیں ہیں لہذا گزشتہ طریقہ یہاں بھی اختیار کیا جائے مگر اس کے قبضہ اور تصرف
کی وجہ سے علامت قوی اور قرینہ زیادہ ظاہر ہوگا۔

۶ اگر اس سے ملکیت ثابت نہ ہو تو دونوں کو قرائن حالیہ کے موافق تہدید
و تنبیہ کرے اور ممکن ہو تو گواہوں کو حاضر کرنے کا حکم دیکر ان کے آنے کی مدت
مقرر کردے اور فریقین کو ایسے لوگوں کے حوالے کردے جو مصالحت کی سعی
کریں اگر رضامندی سے صلح ہو جائے تو فبہا گواہ آجائیں تو شہادت لینے
کی بھی ضرورت نہیں اور اگر صلح نہ ہو تو زیادہ کوشش کے ساتھ تفتیش شروع
کرے متنازعہ فیہ اور فریقین کے قریب رہنے والوں اور دوران تفتیش میں ناظر
مجالس کو شواہد و علامات اور اس کے اجتہاد کے مطابق تین امور کا اختیار ہے
تاوقتیکہ مدعی کے خلاف زمین بیع کرنے پر بینہ قائم نہ ہو زمین مدعا علیہ سے لیکر
مدعی کو دیدے۔ یا کسی امین کے حوالے کردے اور وہ اس کی آمدنی اصل
مستحق کے لیئے اپنے پاس محفوظ رکھے۔ یا زمین مدعا علیہ کے پاس رہنے دے

مگر اس کو تصرفات سے روک دے اور آمدنی کسی کے پاس امانتاً جمع ہوتی رہے۔
ان تینوں صورتوں میں جب تک تحقیق سے حق ظاہر ہو یا گواہ حاضر ہوں ناظر مظالم فریقین کے متعلق جو مناسب سمجھے تجویز کرسکتا ہے۔ اگر گواہوں سے مایوسی ہو جائے تو قطعی فیصلہ سنادے اگر مدعا علیہ کی خواہش ہو کہ مدعی حلف اٹھائے تو اس کو حلف دیا جائے اور اسی پر فیصلہ ہو جائے گا۔ (دوسری) یہ کہ انکار کیا گیا سبب کا اعتراف نہ کرے اور یوں کہے یہ زمین میری ہے اس شخص کا اس میں کوئی حق نہیں۔ اور مدعی کے خلاف شہادت کا کاغذ یا تو اس مضمون کا ہو کہ اسنے (مدعی) اقرار کیا ہے کہ میرا اس زمین میں کوئی حق نہیں یا اس مضمون کا ہو کہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ مدعا علیہ اس زمین کا مالک ہے۔ تو زمین مدعا علیہ کے پاس رہنے دی جائے اور وہ اس کے پاس ہی رہے مگر بمقتضائے شواہد حال تفتیش حقیقت اور تصفیہ تک ناظم اس کے اندر تصرفات ممنوع اور اس کی آمدنی محفوظ کرسکتا ہے۔ اور فریقین کے بارے میں بھی جیسا اجتہاد سے مناسب معلوم ہو کرے
تیسری یہ کہ جو کاغذ دعویٰ کے خلاف پیش ہوا ہو اس کے شاہد موجود ہوں مگر عدل نہ ہوں ناظر مظالم کو چاہئے کہ ان کے متعلق وہی تینوں صورتیں اختیار کرے جو مدعی کے موافق ہونے میں ہم بیان کر چکے ہیں۔
مدعا علیہ کے انکار کو بھی دیکھے آیا اعتراف سبب کو متضمن ہے یا نہیں بہر کیف حسب ہدایت سابق اپنے اجتہاد اور شواہد حال کے موافق عمل کرے۔
چوتھی یہ کہ شاہدان تحریر فوت ہو چکے جو عدل تھے اس میں بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ تہدید سے کام لے ممکن ہے کچھ انکشاف ہو جائے پھر جو صورت ہو یعنی انکار اعتراف سبب کو متضمن ہو یا نہ ہو ایک قطعی فیصلہ کردے۔
(پانچویں) یہ کہ مدعا علیہ دعویٰ کے خلاف مدعی کی تحریر پیش کرے جس سے مدعی کا کاذب ہونا معلوم ہو اس کے متعلق وہی تفتیش کرنی چاہئے جو خط و تحریر کی بابت پہلے بیان ہو چکی ہے اور شاہد حال کے موافق تہدید

بھی عمل میں لا سکتا ہے۔

(چھٹی) یہ کہ دعویٰ کے خلاف حساب کی بھی پیش ہو جس سے دعوی کا بطلان ظاہر ہو اس صورت میں وہی رویہ اختیار کیا جائے جو حساب کی بابت پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ یعنی تفتیش تہدید اور تاخیر فیصلے میں شواہد حال کا اعتبار رکھا جائے اور جب ناامیدی ہو جائے تو نزاع کو ختم کرنے کے لیئے ایک قطعی فیصلہ سنا دے۔ ”

فصل

جب دعویٰ اسباب قوت و ضعف سے خالی ہو تو فریقین کے حالات پر غور کر کے غلبۂ ظن سے کام لے اس کے حالات تین قسم کے ہو سکتے ہیں (یا تو غلبہ ظن مدعی کی جانب ہے یا مدعا علیہ کی جانب ہے یا مساوی کیفیت ہے غلبۂ ظن کا صرف یہی فائدہ ہو گا کہ فریقین کو تہدید و تنبیہ کر کے واقعات کو آشکارا کرنے کی کوشش کی جائے ورنہ تصفیۂ مقدمات میں غالب ظن و گمان ناقابل اعتبار رہیں اگر غلبۂ ظن مدعی کے حق میں ہے اور مدعا علیہ کے متعلق بدگمانی ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) مدعی حجت و برہان سے خالی ہونے کے ساتھ کمزور اور نرم طبیعت کا شخص ہے برخلاف اس کے مدعا علیہ قوت و شوکت والا آدمی ہے۔ لہذا مکان یا زمین کے غصب کا دعوی کرنے سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کمزور اور نرم خو اتنی قوت و شوکت والے پر ناحق دعویٰ نہیں کر سکتا۔

(۲) مدعی صدق و امانت میں مشہور ہو اور مدعا علیہ کذب و خیانت میں لہذا غلبۂ ظن مدعی کی جانب سے ہو گا کہ دعوی میں صادق ہے (۳) دونوں کی حالت برابر ہو مگر مدعی کا سابق قبضہ مشہور و معروف ہو اور مدعا علیہ کے قبضے کی بابت کوئی شہرت نہ ہوئی ہو ان ہر سہ صورت میں عدالتی کارروائی دو طرح ہونی چاہیے ایک یہ کہ بدگمانی کی وجہ سے

مدعا علیہ کو تہدید و تنبیہ کی جائے اور دوسری یہ کہ مدعا علیہ سے سوال کیا جائے کہ متنازع فیہ پر تمھارا قبضہ کیسے ہوا؟ کیونکہ امام مالکؒ کی رائے میں قضا کے اندر یہ دریافت کرنا درست ہے لہذا مظالم میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔

بعض اوقات مدعا علیہ عالیقدر ذی وجاہت ہونے کی وجہ سے مدعی کے ساتھ مقدمہ بازی کرنا اور اس کے ساتھ کھڑا ہونا گوارا نہیں کرتا اور متنازع فیہ اس کو بخش دیتا ہے کہا جاتا ہے کہ خلیفہ موسیٰ ہادی ایک روز تصفیۂ مظالم کر رہے تھے اور عمارہ بن حمزہ ایک بڑے ذی رتبہ شخص خلیفہ کے ہمنشین تھے داد خواہ آ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر دعویٰ کیا "عمارہ نے میری زمین دبالی" ہادی نے عمارہ سے فرمایا جاؤ جوابدہی کے لیے اس کے ساتھ بیٹھو عمارہ نے عرض کیا امیر المومنین! اگر زمین اس کی ہے تو مجھے دینے سے انکار نہیں اور اگر میری ہے تو میں اس کو ہبہ کرتا ہوں مگر امیر المومنین کی ہمنشینی کو فروخت کرنا نہیں چاہتا۔ اگر باعزت لوگوں کی آبرو ریزی مناسب نہ ہو یا ان کی خود یہ کوشش ہو کہ عزت و وجاہت محفوظ رہے اور ظالم و نادہند مشہور نہ ہوں تو ناظر مظالم کو چاہیئے کہ حسن تدبیر سے ایسی صورت اختیار کرے کہ حقدار کو حق مل جائے اور مدعا علیہ کی عزت محفوظ رہے جیسا کہ عون بن محمد نے واقعہ بیان کیا ہے کہ بصرہ کی نہر مرغاب والوں نے مہدی کے خلاف اس کے قاضی عبید اللہ بن حسن عنبری کے پاس استغاثہ دائر کیا مگر اس نے ان کے حوالے نہ کی نہ اس کے بعد ہادی نے واپس کی پھر رشید تخت نشین ہوئے اور ان سے داد خواہی کی جعفر بن یحییٰ ناظر مظالم تھے مگر واپس نہ دی بالآخر جعفر بن یحییٰ نے رشید سے بیس ہزار درہم میں خرید کر ان کو ہبہ کر دی اور یہ کہا میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ امیر المومنین اپنا حق دینے پر آمادہ نہیں اور ان کے غلام نے اس کو خرید کر تمھیں بخشدی اس کے متعلق اشجع سلمی نے یہ شعر کہے۔

رد السباح بذی یدیہ واھلھا ۔۔۔ فیھا بمنزلۃ السماک الاعزل

قد لا یقنو بذ ھا بھا وھلا کھم ۔۔۔ والدھر یرعاھا بیوم اعضل

فانکما لقیتم من دھرھم　　بین الہجران وبین حلا التکلل
ما کان یرجی غیرہ لفکاکھا　　ان الکریم لکل امر معضل

ترجمہ :- سباح اس کے مستحقین کو مل گیا (اس سے پہلے) وہ اس کے لیئے ماہی بے آب کی طرح بیتاب تھے ان کو اس کے ہاتھ سے جانے اور اپنے ہلاک ہونے کا یقین ہو چکا تھا زمانہ سختی سے پیش آرہا تھا۔ ان کی جانیں سینے اور گلے میں اٹک رہی تھیں کہ تم نے اس کو چھوڑا کران کے حوالے کر دیا۔ اس کے سوا کسی اور سے یہ امید نہ تھی بیشک کریم ہر امر مشکل کو حل کرتا ہے۔

ممکن ہے جعفر نے اپنی رائے سے خود ہی ایسا کیا ہو تاکہ رشید پر ظلم و جور کا الزام نہ آئے مگر قرین قیاس یہ ہے کہ رشید کے اشارہ سے ایسا ہوا تاکہ اس کے باپ اور بھائی غاصب نہ کہلائیں بہرحال حق حقدار کو پہنچگیا اور دامن عزت و عظمت پر دھبّہ نہ آیا۔

اگر غالبۂ ظن یہ ہو کہ مدعا علیہ حق بجانب ہے تو اس کی تین وجوہ ہیں۔ (پہلی) وجہ یہ ہے کہ مدعی ظالم و خائن مشہور ہو اور مدعا علیہ انصاف پسند امانت دار (دوسری) وجہ یہ ہے کہ مدعی کمینہ مبتذل عادات والا ہو اور مدعا علیہ پاکباز اور باعزت۔ مدعی اس کو خفیف ذلیل کرنے کے لیئے حلف پر مجبور کرے (تیسری) وجہ یہ ہے کہ مدعا علیہ کی ملکیت کا سبب مشہور ہو اور مدعی کے دعوے کا کوئی سبب اور وجہ معلوم نہ ہو ان ہر سہ وجوہ میں غلبۂ ظن مدعا علیہ کی جانب ہوگا اور بدگمانی مدعی کی طرف۔ امام مالک رح کا اس صورت میں یہ مسلک ہے کہ اگر دعویٰ زمین جائداد کے متعلق ہے تو تاوقتیکہ سبب و ملکیت بیان نہ کرے دعوی کی سماعت نہ کی جائے۔ اور اگر قرض واجب الادا کے متعلق ہے تو اس کی سماعت اس وقت کی جائے جبکہ مدعی اس بات پر شہادت شرعیہ پیش کرے کہ میرے اور مدعا علیہ کے درمیان معاملہ تھا مگر امام شافعی رح اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک مقدمات قضا میں ایسا کرنا درست نہیں۔ لیکن مقدمات مظالم کے اندر مصالح کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ واجب کو چھوڑ کر جائز پر ہی عمل کرنا درست ہے لہذا اگر بدگمانی ہو یا یہ معلوم ہو کہ عناداً ایسا کر رہا ہے تو امام مالک رح کی رائے پر

عمل کرنا زیادہ بہتر ہے لہذا حتی الوسع ان اسباب کی چھان بین کرے جن سے حق بات ظاہر ہو جائے اور فیصلہ میں مدعا علیہ کی عزت محفوظ رہے۔ اور اگر حلف تک نوبت پہنچے کہ جس پر فیصلے کی انتہا ہوتی ہے اور بحیثیت قانون قضا اور قانون مظالم کے مدعی کو اس کے مطالبے سے روکنا بھی جائز نہیں دھمکانے یا نصیحت کرنے کا بھی اس پر اثر نہیں ہوتا تو اگر اپنے دعووں کو جدا جدا کرکے مدعی علیہ کو دق اور ذلیل کرنے کے لیئے چاہئے کہ ہر دعوے کے متعلق علیحدہ علیحدہ مجلس میں حلف دے تو اگرچہ قانون قضا کے بموجب اس کو اس (علیحدہ علیحدہ حلف لینے) سے نہیں روکا جا سکتا لیکن قانون مظالم کا مقتضا یہ ہے کہ اگر مدعی کی شرارت معلوم ہو تو اس کو تمام دعووں کے جمع کرنے کا حکم دیا جائے اور مدعا علیہ سے تمام دعووں کے متعلق ایک حلف لیا جائے۔

اگر فریقین کی حالت ایک بینہ برابر ہو کسی کے متعلق غلبۂ ظن اور رجحان نہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ دونوں کو یکساں نصیحت کرے اتنی بات میں تو تمام حکام قضا اور حکام مظالم متفق ہیں مگر نصیحت کے بعد ناظر مظالم دونوں کو برابر ہونے کی وجہ سے ایک ساتھ تہدید و تنبیہ کرے اور پھر اصل دعویٰ اور انتقال ملک کی تنقیح و تفتیش کرے اگر تحقیقات سے کسی کا حقدار ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کرے ورنہ سربرآوردہ ہمسایوں اور خاندان کے بزرگوں کے حوالے کردے تاکہ نزاع کو ختم کرا دیں اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو انتہائی کار یہی ہے کہ قانون قضا کے بموجب خود یا کسی کو نائب بنا کر قطعی فیصلہ سنا دے بعض اوقات ناظر مظالم کے اجلاس میں دقیق اور مشکل مقدمے پیش ہوتے جن میں ہمنشینوں کی رہنمائی اور علماء کا حل مفید ہوتا تو اگر وہ خود ہی پہلے اس کا کوئی حل بتا دیں تو اس کے قبول کرنے میں انکار نہ کرے اور نہ آخر میں فیصلہ کرتے وقت ان کے مشورہ پر عمل کرنے میں دریغ کرے۔

محمد بن معن الغفاری بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئی اور عرض کیا امیر المومنین! میرا شوہر دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نمازیں پڑھتا ہے اس کی شکایت کرتی ہوئی ڈرتی ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ہاں تیرا شوہر تو بہت اچھا شوہر ہے"

اس نے پھر اپنی بات دہرائی آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ کعب بن سوار اسدی نے عرض کیا حضور وہ اس کی شاکی ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہمبستر نہیں ہوتا آپ نے فرمایا "بیشک تم خوب سمجھے تم ہی اس کا فیصلہ کرو۔ کعب نے کہا اس کے شوہر کو بلاؤ۔ شوہر حاضر کیا گیا اس سے کہا کہ تمھاری بیوی تمھاری شکایت کرتی ہے اس نے پوچھا کھانے کی شکایت کرتی ہے یا پینے کی کعب نے کہا دونوں کی نہیں۔ عورت نے یہ شعر پڑھے۔

(بحر رجز)

یا ایہا القاضی الحکیم رشدہ ألہی خلیلی عن فراشی مسجدہ

زہدہ فی مضجعی تعبدہ نہارہ ولیلہ ما یرقدہ

فلست فی امر النساء احمدہ فاقض القضا یا کعب لا تردہ

ترجمہ :۔ اے تجربہ کار ہوشیار قاضی مسجد نے میرے دوست کو مجھ سے غافل کر دیا عبادت نے میرے بستر پر آنا چھوڑا دیا نہ دن کو سوتا ہے نہ رات کو۔ عورتوں کے کام میں وہ قابل تعریف نہیں ہے اے کعب! بلا تردد فیصلہ کر دو۔

شوہر نے کہا۔ (بحر رجز)

زہدنی فی فرشہا وفی الحجل انی امرؤ اذہلنی ما قد نزل

فی سورۃ النحل وفی السبع الطول وفی کتاب اللہ تخویف جلل

ترجمہ :۔ مجھے اس کے بستر اور اس کی مسہری سے اُن ہولناک آیات نے جدا کر دیا جو سورہ نحل اور سبع طوال بلکہ تمام قرآن میں نازل ہوئیں ہیں۔

کعب نے کہا۔ (بحر رجز)

ان لہا حقا علیک یا رجل نصیبہا فی اربع لمن عقل

فاعطہا ذاک ودع عنک العلل

ترجمہ :۔ بھلے آدمی! عقلمند کے نزدیک تیرے ذمے تیری بیوی کا چوتھائی حق ہے' لہذا اس کا حق ادا کر اور ادھر اُدھر کی باتیں چھوڑ۔

پھر کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو دو تین تین چار چار عورتیں تمھارے لئے حلال فرمائی ہیں لہذا تم تین دن رات عبادت الہیٰ میں مصروف رہو

اور ایک دن رات اس کے ساتھ رہو۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کعب! واللہ میں نہیں کہہ سکتا کہ تمھاری ذکاوت پر زیادہ تعجب کروں یا تمھارے فیصلہ پر۔ جاؤ میں نے تمھیں بصرہ کی قضا تفویض کی۔ اس واقعہ میں کعب کا فیصلہ اور عمرؓ کی تنفیذ میں جواز پر عمل کیا گیا تھا نہ کہ واجب پر۔ اس لیئے کہ ایک زوجہ کے ہوتے ہوئے نہ شوہر پر قسم واجب ہے اور نہ یہ کہ چار دن میں ایک مرتبہ ہمبستر ہو جائے تو دوبارہ نہ ہو۔ لہذا معلوم ہوا کہ ناظر مظالم واجب کو چھوڑ کر جائز کو اختیار کر سکتا ہے۔

فصل

مقدمات کی تحویل ناظر مظالم کو

مقدمۂ فوجداری جس شخص کے حوالے کیا جائے۔ اس کی دو حالتیں ہیں پہلی حالت یہ ہے کہ وہ ایسے مقدمات کی انصرام کے لئے مقرر ہوا ہے جیسے قاضی تو یا اسے اس مقدمے کے متعلق صرف فیصلہ کرنے کی اجازت دینا مقصود ہے یا تفتیش و مصالحت کی بھی اگر فیصلہ کی اجازت دی گئی ہے تو اس کو نفس قاضی ہونے کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز ہے اور یہ مخصوص اجازت وحوالگی سابق ولایت کی تاکید ہوگی یہ مطلب نہ ہوگا کہ اس سے پہلے اس کے اختیارات کم تھے۔ اگر صرف تفتیش مقدمہ یا مصالحت کرانے کی اجازت دی گئی ہے اور اس حوالگی سے مقصود فیصلہ کرنے کی ممانعت ہے تو ممانعت کا مطلب یہ ہوگا کہ قاضی اس مقدمے کا فیصلہ کرنے سے معزول کر دیا گیا لیکن باقی مقدمات کے حق میں عام الاختیا رہیگا کیونکہ سابقاً قاضی کے تقرر کا عام وخاص ہونا جائز معلوم ہو چکا ہے تو عزل بھی عام وخاص جائز ہوگا۔ اور جبکہ تفتیش مقدمہ کی اجازت دی ہو مگر حکم وفیصلہ سنانے کی ممانعت نہ کی ہو تو بعض کی رائے ہے کہ چونکہ قاضی عام الاختیار ہے لہذا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے کیونکہ جو امر متعلق کیا گیا ہے

اس کے بعض حصے کی بابت اجازت دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے بعض کی ممانعت ہے اور بعض کے نزدیک فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں صرف تفتیش مقدمہ یا مصالحت کرا سکتا ہے کیونکہ توقیع و حوالگی کے سیاق کی دلالت اسی کے متعلق ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ اگر توقیع مصالحت کے لیئے عمل میں آئی ہے اور قاضی نے مصالحت کرادی تو اس کی کارروائی کو تفویض کنندہ تک پہنچانا ضروری نہیں اور اگر تفتیش کے لیئے عمل میں آئی ہے تو کارروائی پیش کرنا ضروری ہے کیونکہ مقصود حالات کا معلوم کرانا ہے جس پر قاضی کو عمل کرنا لازم ہے۔ اوپر بیان کی ہوئی تفصیل اس شخص کی توقیع کے متعلق ہے جو پہلے سے ولایت و حکومت رکھتا ہو۔

(دوسری) حالت یہ ہے کہ وہ شخص پہلے سے کوئی عہدۂ حکومت نہیں رکھتا مثلاً فقیہ یا شاہد کے حوالے کیا جائے اس کی تین صورتیں ہیں (۱) تفتیش مقدمہ کے لیئے (۲) وساطت و مصالحت کے لیئے (۳) حکم و تصفیہ کے لیئے

بصورت اول واجب ہے کہ تفتیش کرنے کے بعد جو حالات شہادت دینے کے قابل ہوں تفویض کنندہ کے سامنے پیش کر دے تاکہ ان کو سامنے رکھ کر فیصلہ کر سکے۔ اگر ناقابل شہادت حالات پیش کرے تو ان پر فیصلہ کرنا جائز نہ ہوگا لیکن مقدمے کے اندر قرائن و علامات اور مزید انکشاف کا کام دینگے اور کسی فریق کو تہدید و تنبیہ کرنا ممکن ہوگا۔

بصورت دوم فریقین میں مصالحت کی سعی کرے اور اس کے اظہار کی خاص طور پر توقیع میں ضرورت نہیں اس لئے کہ وساطت تقرر و ولایت پر موقوف نہیں توقیع و ساطت سے باختیار توقیع کنندہ وسیط (صلح کرنیوالے) کا تعین ہوتا ہے اور فریقین برضاء و رغبت (صلح کے لیئے) اس کے پاس آتے ہیں پس اگر وساطت سے فریقین میں صلح کرا دے تو تفویض کنندہ کو اس کی اطلاع کرنا ضروری نہیں۔ صلح پر گواہ ہو جائے گا تاکہ وقت ضرورت گواہی دے سکے اور اگر صلح نہ کرا سکے تو ان بیانات پر شاہد ہوگا جن کا

فریقین نے اس کے سامنے اعتراف کیا ہے اگر فریقین دوبارہ ناظر مظالم کے پاس مرافعہ کریں تو اپنی شہادت پیش کرے ورنہ ضروری نہیں۔

بصورت سوم جبکہ توقیع فیصلہ کرنے کے لیے عمل میں لائی گئی ہو تو چونکہ یہ حکومت ہے اس میں توقیع کے معانی کا لحاظ ضروری ہوگا۔ لہذا جاننا چاہیئے کہ توقیع کی دو حالتیں ہیں۔ (۱) یہ ہے کہ توقیع کا مدار مدعی کی خواہش پر رکھا جائے اور اس کے مطابق کارروائی کی جائے اگر وہ وساطت یا تفتیش مقدمہ کا طالب ہو تو صرف اسی قدر کارروائی کی جائے خواہ توقیع بعنوان امر ہو جیسے اس طرح کہے "اس کی خواہش کے مطابق کارروائی کرو" یا بعنوان خبر و حکایت جیسے یوں کہے "اس کی خواہش کے مطابق کارروائی کرنے کا تمہیں اختیار ہے" یہ توقیع درست ہوتی ہے مگر چونکہ اس کا مقتضا ایسی ولایت نہیں ہے کہ اس کا حکم لازم ہو اس لیئے یہ ولایت کم قابل اہتمام ہوگی پس اگر دادخواہ اپنے مقدمہ کا تصفیہ چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ مدعا علیہ کا تعین اور نزاع کا تذکرہ کردے تاکہ ولایت درست ہو اس کے بدون ولایت صحیح نہ ہوگی کیونکہ نہ تو یہ ولایت عامہ ہے کہ اس پر محمول کرلی جائے اور نہ خاصہ اس لیئے کہ خصم و مدعا علیہ اور خصومت دونوں مجہول ہیں اگر دونوں کو متعین اور ذکر کردے تو توقیع پورا کیا جائے۔ اگر بعنوان امر ہو مثلاً یوں کہے "اس کے معاملے کو ہاتھ میں لو جس طرح اس کی خواہش ہو کارروائی کرو" تو حکم و تصفیہ کرنے کا مجاز ہو جائے گا اور یہ توقیع درست ہوگی۔ اور اگر بعنوان حکایت حال ہو مثلاً یوں کہے "اس کی خواہش کے مطابق عمل کرنے کا تمہیں اختیار ہے" تو یہ توقیع فرامین سلطانیہ کے اعتبار سے امر کے حکم میں ہوگی عرفاً بھی اس طرح استعمال کرتے ہیں۔ مگر احکام دینیہ کے لحاظ سے یہ ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک عرف عام کی وجہ سے جائز ہے اور اس سے انعقاد ولایت صحیح ہے اور بعض اس کو اور اس سے انعقاد ولایت کو ناجائز کہتے ہیں۔ ان کی

رائے میں الفاظ کے معانی قابل اعتبار ہیں اس لیئے انعقاد ولایت کے لیئے امر ہونا ضروری ہے لہذا اگر ایسے شخص کی توقیع کی گئی جو عرف عام سے واقف ہو تو اس کی ولایت صحیح ہوگی اور جو شخص عرف عام سے واقف نہ ہو اس کی ولایت صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی خواہش تو یہ تھی کہ حکم کے ذریعہ سے توقیع عمل میں آجائے نہ کہ نفس حکم۔

(۲) حالت یہ ہے کہ توقیع کا مدار مدعی کی خواہش پر رکھا جائے۔ اور کارروائی مقتضائے توقیع کے مطابق کی جائے جس بات کو توقیع متضمن ہو وہی ولایت میں اعتبار کی جائے لہذا یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کے تین احوال ہیں حال کمال۔ حال جواز۔ اور وہ حال جو دونوں سے خالی ہو۔ پہلا حال جس میں توقیع ولایت بدرجۂ کمال صحیح ہوتی ہے۔ دو حکم کو متضمن ہوتا ہے حکم بابت تفتیش مقدمہ۔ حکم بابت تصفیۂ مقدمہ۔ اس کا عنوان یہ ہے "فریقین کے نزاع کی تفتیش کرو اور دونوں کا شرعی حق کے مطابق فیصلہ کردو" بصورت جائز ہے یہ ظاہر ہے کہ حق وہی ہوتا ہے جس کی شریعت مقتضی ہو مگر توقیعات میں شریعت کا تذکرہ شرط کے لیئے نہیں بلکہ بطور وصف وبیان کے کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ توقیع ان ہر دو حکم کو جامع ہے لہذا کامل ہوئی اس سے تقرر عہدہ حکومت صحیح ہے۔ دوسرا حال جس میں توقیع کامل نہیں ہوتی جائز ہوتی ہے یہ ہے کہ فیصلہ کرنے کا حکم ہو تفتیش کا نہ ہو، اس کا عنوان یہ ہے۔ "مرافعہ کنندہ اور مدعا علیہ کا فیصلہ کردو" یا یہ کہ "دونوں کا تصفیہ کردو" اس عنوان سے ولایت درست ہے۔ اس لیئے کہ حکم قضا بدون تفتیش کے ممکن نہیں لہذا ضمناً تفتیش کا حکم موجود ہے۔

جو حال کمال وجواز دونوں سے خالی ہو یہ ہے کہ توقیع اس عنوان سے کی جائے "فریقین کے مقدمے کو دیکھو" اس توقیع سے ولایت (حکومت) منعقد نہیں ہوتی۔ کیونکہ نظر کرنے اور دیکھنے کے اندر دو احتمال ہیں ایک مصالحت جو جائز ہے۔ دوسرا حکم وفیصلہ جو لازم ہے

۸۲

محتمل ہونے میں دونوں برابر ہیں لہٰذا اس سے ولایت انعقاد پذیر نہ ہوگی۔ اور اگر اس عنوان سے کہے "حق کے مطابق دونوں کے مقدمے کو دیکھو" تو بعض کے نزدیک ولایت منعقد ہو جائے گی کیونکہ حق وہ ہے جو لازم ہو اور بعض کے نزدیک منعقد نہ ہوگی کیونکہ صلح و وساطت حق تو ہیں مگر لازم نہیں۔
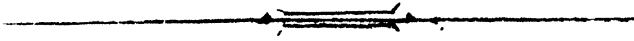
نقیب انساب

نقیب انساب وہ عہدہ دار ہے کہ عالی خاندان شرفا پر بجائے کم نسب و کم رتبہ حاکم کے اس کو مقرر کیا جائے تاکہ اس کی فرماں روائی قابل تسلیم اور نافذ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "انساب سے واقف رہو تاکہ صلہ رحمی کر سکو فانہ لا قرب بالرحم اذا قطعت وان کانت قریبۃ ولا بعد بھا اذا وصلت وان کانت بعیدۃ"۔

ترجمہ:۔ اگر تم قطع قرابت کر دو تو باوجود قریبی رشتہ کے وہ قرابت باقی نہیں رہتی اور اگر تم کسی سے رشتہ جوڑ لو تو باوجود دور کی رشتہ داری کے وہ دوری جاتی رہتی ہے۔

نقیب انساب کا تقرر تین شخصوں کی طرف سے ہو سکتا ہے خلیفہ[1] جس کو ہر امر کا اختیار ہے وزیر[2] تفویض یا امیر علاقہ جس کو خلیفہ تمام امور ملکی تفویض کر دیتا ہے۔ نقیب[3] عام الولایت جو نقیب خاص الولایت کو اپنا نائب بنا سکتا ہے طالبیوں یا عباسیوں پر نقیب مقرر کرنے کے وقت ان میں سے اونچے گھرانے کے شخص کو جو عقل و فضیلت میں سب سے بہتر ہو منتخب کیا جائے۔ تاکہ شرائط عظمت و سیاست جمع ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت کریں اور اس کے حسن تدبیر کی بدولت ان کے معاملات بخیر و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ نقیب کی دو قسمیں ہیں خاص[1] و عام[2]۔ نقیب خاص وہ ہے جس کو بجز نقابت کے تصفیۂ مقدمات اور اقامت حدود وغیرہ کا اختیار نہیں ہوتا اس کا عالم ہونا شرط نہیں۔ اس کے متعلق بارہ حقوق ہیں۔ ۸۴

(۱) جن لوگوں پر مقرر کیا جائے ان کے نسب میں کسی کو داخل یا اس سے خارج نہ ہونے دے یعنی اس کے ذمے خارج و داخل دونوں کی نگرانی ضروری ہے۔ تاکہ انتساب غلط نہ ہو سب کا نسب صحیح رہے (۲) تمام گھرانوں کے انساب سے بالتفصیل واقفیت رکھے کوئی گھرانہ اس سے مخفی نہ ہو نہ اس کو کسی کے سمجھنے میں گڑبڑ ہو۔ ہر ایک کا نسب جدا جدا اپنے رجسٹر میں درج رکھے (۳) ہر ایک کی پیدائش و موت قلمبند کرتا رہے تاکہ ہر بچے کا نسب محفوظ رہے کوئی دوسرا شخص میت کے ساتھ اپنا فرضی نسب جتانے کی جراءت نہ کر سکے (۴) ان لوگوں کے ساتھ وہی طرز و طریقہ استعمال کرے جو ان کی شرافت نسب اور علوِ خاندانی کے مناسب ہو تاکہ ان کی عظمت کا سکہ جما رہے حرمت نبوی (صلعم) کی حفاظت ہو۔ (۵) ان کو رذیل پیشوں اور برے طریقوں سے باز رکھے متبذل و پامال لوگوں کو ان کے سر نہ چڑھنے دے کسی بے بس پر ظلم نہ ہونے دے (۶) ان کو ارتکاب معاصی اور قوانین ربانی کے توڑنے سے روکے تاکہ جس دین کے معاون تھے اس کے حامی رہیں اور جن منکرات کو دنیا سے مٹایا تھا ان سے تنفر میں سب سے پیش پیش رہیں اور کسی کو ان کی مذمت یا ان سے بغض و عناد کا موقع نہ ملے۔ (۷) اگر یہ لوگ اپنی شرافت اور علوِ نسب کی وجہ سے دوسرے لوگوں پر دباؤ ڈالیں ان کو مغلوب کرنا چاہیں تو اس سے روکے ورنہ بغض و عداوت اور تنافر و تباعد پیدا ہو جائے گا ان کو اس پر آمادہ کرے کہ لوگوں کے ساتھ نہایت محبت آمیز اور مہربانی کا برتاؤ کریں تاکہ وہ بھی ان کی طرف خلوص کے ساتھ مائل ہوں۔ (۸) ان کے حقوق دوسرے لوگوں سے دلانے میں ان کا معاون ہو تاکہ اپنے حقوق سے محروم نہ ہوں نیز اگر ان کے ذمے کسی کا حق ہو تو ادا کرائے تاکہ بہر صورت مقتضائے انصاف پورا ہو۔ عدل یہی ہے کہ دوسروں کا ادا اور اپنا وصول کیا جائے۔ (۹) ان کے عامہ حقوق (مثلاً مال غنیمت و فئے سے ذوی القربیٰ کا حصہ) جو کسی خاص

فرد سے متعلق نہیں ہے ان کی طرف سے نیابتہً وصول کرکے بموجب ارشاد خداوندی ان میں تقسیم کرے۔

۴۴ (۱۰) ان کی بیوہ عورتوں کو چونکہ شریف زادیاں ہوتی ہیں غیر کفو میں شادی نہ کرنے دے تاکہ ان کا نسب محفوظ رہے اور یہ بدنامی نہ ہو کہ بدون ولی کے خود یا غیر کفو میں شادی کرلی۔

(۱۱) معمولی ناعاقبت اندیش لوگوں کی جو خطائیں سزائے حد یا قتل تک نہ پہنچیں ان میں مناسب سزا دیکر ان کی اصلاح کرے معززین کی لغزشوں سے درگزر کرے اور پند و نصیحت کرکے چھوڑ دے۔

(۱۲) ان کے اوقاف کی نگرانی کرے کہ اصل محفوظ رہے اور منافع کو ترقی ہو اگر اوقاف کی آمدنی خود وصول نہ کرتا ہو تو وصول کرنے والوں کی اور ان کے تقسیم کی نگرانی اور جانچ کرے اگر مستحقین مخصوص لوگ ہوں تو ان کو معلوم رکھے اور اگر مشروط بالوصف ہوں تو ان کے اوصاف سے غافل نہ ہو تاکہ حق اصل حقداروں کو پہنچے دوسرے لوگ شامل نہ ہوں۔

فصل

نقیب عام وہ ہے جس کو مذکورۂ بالا احکام کے ساتھ پانچ اختیارات مزید دیئے جائیں (۱) ان کے مقدمات کا تصفیہ (۲) یتیموں کے مال کی تولیت (۳) جرائم کی حدود قائم کرنا (۴) بیوہ عورتوں کی شادی کرانا جن کے ولی نہ ہوں یا نکاح سے روکتے ہوں (۵) عقل چلے ہوئے یا بیوقوف کے مال اور تصرفات پر حجر[1] وارد کرنا اور جس کو افاقہ ہو جائے یا سمجھ آگئی ہو اس کے حجر کو منسوخ کرنا۔ ان پانچ احکام سے نقیب عام النقابتہ ہو جاتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ عالم و مجتہد ہو تاکہ اس کے احکام و فیصلے نافذ ہوں۔

جب ایسے نقیب کا تقرر ہو جائے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس کے دائرۂ اختیارات میں قاضی کو دخل دینے کی ممانعت ہوگی

[1] جائداد میں تصرف کرنے کی قانونی ممانعت یا روک۔

یا نہیں۔ اگر ممانعت نہیں ہے اور اس کے تقرر سے قاضی بحالہ عام الاختیار ہے تو اس خاندان کے مقدمات وغیرہ میں دونوں کارروائی کرنے کے مجاز ہوں گے نقیب تو اس لئے کہ اس کو خاص طور سے ان کے لیئے مقرر کیا گیا ہے اور قاضی اس واسطے کہ حکومت عامہ رکھتا ہے لہذا دونوں میں سے جو بھی ان کے مقدمات طے کرے گا' ان کی بیواؤں کے نکاح کرائے گا درست ہوں گے اور ان کے احکام کی وہی صورت ہوگی جو ایک شہر کے دو قاضیوں کے احکام کی ہوتی ہے کہ اگر ایک فیصلہ کردے تو دوسرے کو (بشرطیکہ اس کے اجتہاد میں گنجائش نہ ہو) پہلے کے فیصلے کو توڑنے کا اختیار نہیں ہے۔

اگر فریقین مقدمہ میں نزاع ہو ایک نقیب کے پاس اور دوسرا قاضی کے پاس مقدمہ لیجانا چاہے تو بعض کے نزدیک نقیب کے پاس لیجانے والا اولی ہے کیونکہ اس کو حکومت خاصہ حاصل ہے۔ اور بعض کے نزدیک چونکہ دونوں برابر ہیں لہذا وہی صورت اختیار کرنی چاہیئے جو ایک شہر کے دو قاضیوں کے متعلق اختلاف کرنے میں بیان کی جاچکی ہے یعنی مدعی کے قول کو ترجیح دی جائے اگر دونوں برابر ہوں تو جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں دو صورتیں ہیں یا تو قرعہ[1] ڈال کر معین کرلیا جائے یا جب تک[2] متفق نہ ہوں مرافعہ کرنے سے روک دیا جائے۔

اگر نقیب کے تقرر کے بعد قاضی کے اختیارات اس خاندان کے معاملات میں ممنوع کردیئے جائیں تو قاضی کو دخل دینا اور تعرض کرنا جائز نہیں خواہ کوئی ان میں سے دادخواہی کے لیئے آئے یا نہ آئے۔ برخلاف اس کے اگر شہر کے دو حصوں میں دو قاضی مقرر ہوں تو ایک حلقے کا شخص دوسرے کے اجلاس میں مرافعہ کرسکتا ہے وجہ یہ ہے کہ ہر ایک جدا جدا اپنے حلقے کا حکمران ہے اس اعتبار سے باہر کا شخص حلقے میں آنے کے بعد اسی کے حکم میں شمار ہوگا اور ولایت نقابۃ کا تعلق نسب سے ہے جو انتقال مکانی سے متبدل نہیں ہوتا لہذا اگر فریقین

قاضی سے فیصلہ کرانے پر متفق ہو جائیں تو اس کو ان کے موافق یا خلاف فیصلہ کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ نقیب کے تقرر سے اسکی حکومت اس خاندان سے اٹھ گئی ہے جب اس خاندان کے لوگوں کا نزاع ہو تو نقیب ہی فیصلہ کرنے میں احق ہے۔

اور جب دوسرے خاندان سے نزاع ہو مثلاً طالبی کا عباسی سے اور دونوں اپنے اپنے نقیب کے پاس مقدمہ لیجانے پر مصر ہوں تو کسی کو دوسرے نقیب کا حکم تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اس لیئے کہ وہ اس کے اختیارات سے خارج ہے۔ اگر دونوں ایک نقیب پر متفق الرائے نہ ہوں تو دو طریقے ہیں پہلا یہ کہ اگر قاضی کو ان دونوں کا تصفیہ کرنے کا اختیار نہ ہو تو سلطان جس کو دونوں پر حکومت حاصل ہے خود یا کسی کو نائب بنا کر فیصلہ کرائے دوسرا طریقہ جو زیادہ مناسب ہے یہ ہے کہ دونوں نقیب جمع ہوں اور اپنے اپنے آدمیوں کو حاضر کرکے دونوں ملکر دعویٰ کی سماعت کریں اور فیصلہ نقیب مطلوب کرے کیونکہ وہی اپنے متعلقہ آدمی سے دوسروں کا حق دلانے کے لیئے مقرر کیا گیا ہے پس اگر دعویٰ کا ثبوت شہادت یا حلف سے ہو تو شہادت سننے کا حق اس کے نقیب کو ہوگا جس کے خلاف شہادت دی جائے۔ اور حلف اس کا نقیب دلائے گا جو حلف اٹھائے۔ حلف کا مطالبہ کرنے والے کا نقیب حلف نہ دلائے۔ تاکہ فیصلہ کرنے کا حق نقیب مطلوب کو رہے اگر دونوں نقیب مجتمع ہونے پر آمادہ نہ ہوں تو پہلی صورت میں کوئی گنہگار نہ ہوگا اور دوسری صورت میں نقیب گنہگار ہوگا کیونکہ تنفیذ حکم وہی کرتا ہے۔

اگر طالبی و عباسی ایک نقیب کے پاس مرافعہ کرنے میں متفق ہو جائیں اور وہ فیصلہ کردے تو دیکھا جائے گا اگر فیصلہ کرنے والا نقیب مطلوب ہے تو حکم صحیح ہے مطلوب سے حق وصول کیا جائے گا اور اگر نقیب طالب فیصل کنندہ ہے تو دو صورتیں ہیں ایک میں صحیح اور دوسری میں رد ہے۔

اگر ان میں سے ایک شخص اپنی بینہ ایسے قاضی کے اجلاس میں پیش کرے جس کو ان کے مقدمہ کا اختیار نہیں ہے تاکہ وہ سماعت کر کے مدعا علیہ کے نقیب کے پاس بھیجدے تو قاضی کو بینہ سننے کا حق نہیں اگرچہ قضا علی الغائب کو جائز سمجھتا ہو جس قاضی کے نزدیک قضا علی الغائب درست ہو وہ دوسرے حلقے کے شخص کی بینہ سن کر اس کے قاضی کے پاس تحریر کر سکتا ہے فرق یہ ہے کہ اگر غیر حلقے کا شخص اس قاضی کے پاس حاضر ہو تو اس کے خلاف اس کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے لہذا بینہ کا سماع بھی درست ہوگا اور ان دونوں خاندانوں کا کوئی شخص آئے تو اس پر اس کا حکم نافذ نہیں ہوتا لہذا اس کے خلاف شہادت بھی نہیں سن سکتا۔

ایک فریق دوسرے فریق کے حق کا قاضی کے سامنے اعتراف کر لے تو قاضی اس کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا ہاں اس کے نقیب کے سامنے شاہد ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی اگر نقیبین کے سوا کسی اور شخص کے سامنے اقرار کرے تو وہ بھی اس کے نقیب کے سامنے شاہد ہو سکتا ہے اگر اپنے نقیب کے سامنے اقرار کرے تو وہ اس کے اقرار پر فیصلہ کر سکتا ہے۔ اگر اپنے فریق مقدمہ کے نقیب کے سامنے اقرار کرے تو وہی دو صورتیں ہوں گی جو پہلے بتلائی جا چکی ہیں کہ ایک صورت میں شاہد ہوگا دوسری میں فیصلہ کنندہ اس کی وجہ وہی نقیب طالب اور نقیب مطلوب کا فرق ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مذکورۂ بالا تفصیل تمام قبائل اور خاندانوں کے ان سرداروں اور حکام کے متعلق بھی سمجھنی چاہئے جو اپنے لوگوں پر مقرر ہوں۔

نواں باب

نمازوں کی امامت

امامت نماز کی تین قسمیں ہیں (۱) پانچوں نمازوں کی امامت (۲) نماز جمعہ کی امامت (۳) مستحب نمازوں کی امامت. پانچوں نمازوں کی امامت کا تقرر مساجد کے لحاظ سے ہونا چاہیے. مساجد کی دو قسمیں ہیں (۱) مساجد سلطانیہ (۲) مساجد عامّہ. مساجد سلطانیہ سے وہ چھوٹی بڑی مساجد مراد ہیں جن کا تکفل سلطان کی طرف سے ہو۔ ایسی مساجد کی امامت اسی شخص کو جائز ہوگی جس کو سلطان مقرر کرے ورنہ سلطانی امور میں رعایا کی دخل اندازی لازم آئے گی. سلطان جس شخص کو مقرر کر دے وہی مستحق امامت ہوگا اگرچہ دوسرا شخص اس سے افضل اور زیادہ عالم ہو اس عہدہ کا تقرر اولیٰ اور مندوب ہے قضا اور نقابۃ کی طرح واجب نہیں۔ اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ اگر لوگ رضامند ہو کر کسی شخص کو امام بنائیں اور وہ ان کو نماز پڑھائے تو امامت وجماعت دونوں درست ہیں دوسری یہ کہ جماعت ایک پسندیدہ اور بہترین سنت ہے۔ بجز داؤد کے کسی فقیہہ کے نزدیک فرض واجب نہیں داؤد کہتے ہیں کہ اگر معذور نہ ہو تو جماعت واجب ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جماعت سنت موکدہ ہے اور سلطان کے مقرر کرنے کے بعد کوئی اور شخص اس کی موجودگی میں امام نہیں ہو سکتا تو جاننا چاہیے کہ اگر امام نے اپنی غیبوبت میں کسی کو نائب تجویز کر دیا تو وہ احق بالامامۃ ہوگا اور نائب مقرر نہ کیا تو جو شخص نماز پڑھائے بصورت

امکان امام سے اجازت حاصل کرے اجازت مشکل ہو تو اہل شہر اپنی مرضی سے کسی کو منتخب کرلیں تاکہ نماز یا جماعت نہ چھوٹے۔ اس کے بعد دوسری نماز میں بھی امام موجود نہ ہو تو بعض کے نزدیک جس نے پہلی نماز پڑھائی تھی یہ اور اس کے بعد والی نمازیں جب تک امام آئے پڑھاتا رہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے دوبارہ انتخاب کرنے میں سلطانی تقرر کا احتمال ہوتا ہے اس لیئے دوسری نماز کے لیئے دوسرا امام منتخب کریں مگر میرے نزدیک دونوں رایوں پر اس طرح عمل کیا جائے کہ اگر دوسری نماز میں وہی نمازی ہوں جو پہلی نماز میں شریک تھے تو سابق امام نماز پڑھائے اگر دوسرے نمازی ہوں تو یہ سابق امام بھی مثل ایک نمازی کے ہوگا لہٰذا از سر نو انتخاب کیا جائے۔

امام مسجد کے نماز پڑھانے کے بعد جو لوگ نماز پڑھنے آئیں وہ اس مسجد میں جماعت کر کے نہ پڑھیں علیٰحدہ علیٰحدہ پڑھیں تاکہ جماعت عامہ سے علیٰحدگی اور اس کی مخالفت کی بدگمانی نہ ہو۔ اگر سلطان کی طرف سے ایک مسجد میں دو امام مقرر کئے جائیں اور بعض نمازیں ایک کو اور بعض دوسرے کو پڑھانے کا حکم ہو تو یہ تقرر جائز ہے مثلاً ایک دن کی نمازوں کا امام ہو اور دوسرا رات کی نمازوں کا۔ ہر ایک اپنی اپنی متعلقہ نمازیں پڑھانے کا مجاز ہوگا دوسری نمازیں نہ پڑھائے اگر نمازوں کی تخصیص نہیں کی گئی دن جدا جدا مقرر کر دیئے گئے تو ہر ایک امام اپنے اپنے دن نمازیں پڑھانے کا حق دار ہوگا۔ اور کوئی تخصیص نہ کی گئی ہو تو دونوں کی امامت مساوی ہوگی جو سبقت کر جائے وہی احق ہوگا دوسرے کو یہ حق نہ ہوگا کہ الگ دوسری جماعت کو نماز پڑھائے سلطانی مساجد میں ایک وقت کی نماز کے لیئے دو جماعتیں کرنا جائز نہیں۔

سبقت میں جس سے ایک احق ہوتا ہے اختلاف ہے۔ ایک صورت سبقت کی یہ ہے کہ مسجد میں وہی پہلے آیا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے امامت کے لئے سبقت کی اگر ایک ساتھ ایک حالت میں دونوں مسجد میں آئیں تو کسی کو پڑھانے کا حق نہ ہوگا دونوں میں سے جس کو باتفاق طے کریں وہی نماز پڑھائے اگر آپس میں نزاع کریں تو دو صورتیں

ایک یہ کہ قرعہ اندازی کریں جس کے موافق قرعہ نکلے نماز پڑھائے اور دوسری یہ کہ اہل مسجد دونوں میں سے ایک منتخب کرلیں۔

امام مسجد اپنے اجتہاد اور مذہب پر عمل کرسکتا ہے۔ شافعی ہو تو نماز اول وقت میں پڑھ سکتا ہے اذان میں ترجیع اور افراد اقامت کرا سکتا ہے چاہے موذن اس کے ہم مسلک ہوں یا نہ ہوں۔ اور حنفی ہو بجز مغرب کے دوسری نمازیں آخر وقت میں پڑھنا افضل سمجھتا ہو اذان میں ترک ترجیع اور اقامت کی تکرار کا قائل ہو تو موذن اس کے تابع ہوں گے اگرچہ مذہباً اس کے موافق نہ ہوں۔

۸۸

احکام نماز بھی امام اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق ادا کرے اگر شافعی ہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بالجہر قنوت بوقت صبح پڑھنے کا قائل ہو تو سلطان یا نمازیوں کو روکنے کا حق نہیں۔

علی ہذا القیاس امام حنفی ہو قنوت بوقت صبح اور بسم اللہ بالجہر پڑھنے کا قائل نہ ہو تو اپنی رائے پر عمل کرے کوئی شخص اس سے تعرض کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ امام و موذن میں فرق یہ ہے کہ نماز ادا کرنا اپنا حق ہے لہٰذا امام سے کوئی تعرض نہیں کرسکتا اور اذان دوسروں کا حق ہے لہٰذا اس میں موذن سے تعرض ہوسکتا ہے اگر موذن کی خواہش ہو کہ اپنے اجتہاد و مسلک کے موافق اذاں دے تو اذان عام کے بعد اپنے لیئے اذان خاص سراً دے سکتا ہے جہراً نہ دے۔

فصل

اس امام کے تقرر میں پانچ صفات قابل لحاظ ہیں۔ مرد، عادل (نیک چلن) قاری، فقیہ ہو توتلے پن اور الفاظ کی شکستگی سے محفوظ ہو، بچے، غلام، اور فاسق کی امامت درست ہے لیکن ان کو ولایت و اختیار حاصل نہ ہو گا صغر سنی رق اور فسق ولایت کے منافی ہیں امامت

کے منافی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن مسلمہ کو حکم دیا تھا کہ اپنی برادری کو نماز پڑھائیں یہ اس وقت بچے تھے مگر قرآن ان سب میں اچھا پڑھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے فرمایا ہر نیک و بد سلطان کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ عورت، خنثیٰ، گونگے اور توتلے کی امامت جائز نہیں۔ عورت یا خنثیٰ نماز پڑھائیں تو مرد یا خنثیٰ مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی گونگا یا توتلا جو حروف کو دوسرے حروف سے بدل دے امامت کرے تو مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی صرف ان کی صحیح ہو گی جو امام کی طرح گونگے یا توتلے ہوں۔

قراءت اور فقہ کے اعتبار سے کم از کم امام کو سورۂ فاتحہ یاد ہو اور احکام نماز جانتا ہو اس قدر جاننا تو ضروری ہے اگر حافظ قرآن اور تمام احکام نماز کا عالم بھی ہو تو وہ زیادہ اولیٰ ہو گا۔

اگر فقیہ غیر قاری اور قاری غیر فقیہ جمع ہوں تو فقیہ اگر سورۂ فاتحہ پڑھ سکتا ہو قاری سے اولیٰ ہے کیونکہ قرآن بقدر ضروری محصور ہے اور حوادث جو نماز میں پیش آئیں غیر محصور ہیں۔ امام اور اس کے موذن کو بیت المال کے مصالح عامہ کی مد سے امامت اور اذان کی تنخواہ لینا جائز ہے امام ابوحنیفہ اس کو ممنوع کہتے ہیں مساجد عامہ جن کو لوگ اپنے محلوں یا راستوں پر تعمیر کریں ان کے اماموں کے متعلق سلطان کو تعرض کرنے کا حق نہیں وہ لوگ خود اپنی رضامندی ۸۹ اور اتفاق سے جس کو چاہیں امام مقرر کر سکتے ہیں۔ رضامندی سے مقرر کرنے کے بعد بلا کسی معقول وجہ کے نہ معزول کر سکتے ہیں اور نہ اس کا نائب مقرر کر سکتے ہیں۔ انتخاب امام کا حق اہل مسجد کو ہو گا۔ اگر انتخاب میں اختلاف ہو تو اکثر کی رائے پر عمل کیا جائے اگر دونوں طرف برابر ہوں تو نزاع مٹانے کے لئے سلطان ایسے شخص کا انتخاب کرے جو ان میں سب سے زیادہ دیندار، معمر قاری اور فقیہ ہو اس میں اختلاف ہے کہ سلطان امام کا انتخاب ان لوگوں میں سے کرے جن کے متعلق اہل مسجد میں اختلاف ہو یا تمام اہل مسجد میں سے کسی کو انتخاب کر سکتا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ جن لوگوں کی امامت میں

نزاع ہو انہی میں سے ایک کو منتخب کر سکتا ہے کیونکہ دو سروں کے ترک کرنے
میں سب متفق ہیں۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ سلطان وسیع الاختیار ہے تمام
اہل مسجد میں سے جس کو چاہے منتخب کر دے۔

جو شخص مسجد تعمیر کرائے استحقاق امامت و اذان میں مسجد کے سب
ہمسایوں کے مثل ہو گا اس کا استحقاق کسی سے زائد نہ ہو گا۔ امام ابو حنیفہ کے
نزدیک امامت و اذان میں بانی مسجد احق ہے اگرچند لوگ ایک شخص کے
گھر پر آکر نماز باجماعت پڑھیں تو صاحب خانہ احق بالامامتہ ہے اگرچہ علم و فضل
میں ان سے کم ہو اور اگر سلطان آئے تو ایک قول یہ ہے کہ سلطان عام الولایت
ہونے کی وجہ سے احق ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مالک مکان احق ہے اس لیئے
کہ اپنی ملک میں تصرفات کرنا اس کے ساتھ مختص ہے۔

فصل

امامت نماز جمعہ کے واجب التقرر ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے
امام ابو حنیفہ اور علمائے عراق اس طرف گئے ہیں کہ یہ ولایات واجبہ میں سے ہے
اس لئے سلطان یا اس کے نائب کے بدون نماز جمعہ صحیح نہیں ہوتی۔ امام شافعی اور
علمائے حجاز کہتے ہیں کہ اس کا تقرر مندوبات سے ہے سلطان کا ہونا شرط نہیں
نمازی شرائط کے مطابق ادا کر دیں تو ادا ہو جائے گی۔ جمعہ کی امامت غلام بھی
کر سکتا ہے مگر اس کی ولایت منعقد نہیں ہوتی بچے کے امام ہونے میں دو اقوال
ہیں۔

نماز جمعہ ایسی آبادی میں جائز ہے جس میں ملے جلے مکانات ہوں اور
ان میں رہنے والوں سے جمعہ منعقد ہو سکتا ہو اور گرمی و سردی میں بلا ضرورت
بستی چھوڑ کر باہر نہ جاتے ہوں شہر یا قریہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں اور امام
ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جمعہ شہروں کے ساتھ خاص ہے قریہ میں جائز نہیں۔ مصر
سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اس میں سلطان اور قاضی ہوں جو اجرائے حدود اور

تنفیذ احکام کریں۔

خارج المصر آدمی پر نماز جمعہ واجب ہونے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے ساقط ہے اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر اذان سنے تو اس پر واجب ہے۔

نماز جمعہ کے نمازیوں کی تعداد میں اختلاف ہے امام شافعیؒ کے نزدیک چالیس سے کم آدمیوں کا جمعہ منعقد نہیں ہوتا اس تعداد میں عورت، غلام اور مسافر شامل نہیں۔ امام چالیس میں داخل ہے یا نہیں اس میں اصحاب شافعی مختلف الرائے ہیں بعض کے نزدیک اس وقت صحیح ہوگی جبکہ امام اکتالیسواں ہو اور اکثر یہ کہتے ہیں کہ مع امام کے چالیس ہوں تب بھی جائز ہے زہریؒ اور محمد بن حسن کہتے ہیں کہ امام کے علاوہ بارہ ہوں تو منعقد ہو سکتا ہے امام ابوحنیفہؒ اور مزنی کہتے ہیں کہ مع امام کے چار ہوں تو منعقد ہو جاتا ہے لیث اور ابو یوسف کہتے ہیں کہ مع امام کے تین ہوں تو منعقد ہو جاتا ہے۔ ابو ثور کہتے ہیں کہ تمام جماعتوں کی طرح جمعہ بھی دو سے منعقد ہو جاتا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کوئی عدد معین نہیں اتنے آدمی ہوں کہ بظن غالب ان کے لیئے وطن ہونا چاہئے۔ راستہ سفر میں یا خارج مصر جمعہ منعقد نہ کیا جائے البتہ اگر شہر کی عمارتیں وہاں تک متصل چلی گئی ہوں تو جائز ہے۔ اگر شہر چند قریوں کو مشتمل ہو کہ عمارات متصل ہو گئی ہوں اور بغداد کی طرح باشندوں کی کثرت سے بہت وسیع شہر ہو گیا ہو تو جن متعدد مقامات پر پہلے سے جمعہ ہوتا تھا وہاں اب بھی جائز ہے یعنی اس صورت میں اتصال عمارات متعدد جگہ جمعہ قائم کرنے سے مانع نہیں ہے۔

اگر ابتدا سے ایک ہی شہر ہو اور جامع مسجد میں تمام باشندوں کی وسعت ہو (جیسے مکہ) تو دوسرے مقام پر جمعہ قائم کرنا جائز نہیں اور اگر کثرت باشندگان کی وجہ سے مسجد میں تمام کی وسعت نہ ہو جیسے (بصرہ) تو دو جگہ جمعہ قائم کرنے میں علماء شافعیہ کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک جائز بعض کے نزدیک ناجائز ہے اگر راستوں میں صفیں قائم کر لیں تو دوسری جگہ جمعہ کرنے کی مجبوری نہ رہے گی۔ جس شہر میں دو جگہ جمعہ قائم کرنے کی ممانعت ہو اگر اس کے باشندے

دو جگہ قائم کریں تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جس میں اقامت جمعہ سابق ہو ان کا جمعہ صحیح ہے اور بعد والے نماز ظہر سے اعادہ کریں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو جمعہ بڑی مسجد میں جس میں سلطان آئے قائم ہو وہ صحیح ہے خواہ سابق ہو خواہ مسبوق۔ اور جو لوگ چھوٹی مسجد میں پڑھیں وہ ظہر کی نماز پڑھ کر اعادہ کریں۔

امام جمعہ کی فرائض میں پانچوں وقت کی نماز کی امامت نہیں ہے۔

جو شخص پانچ نمازوں کا امام ہو وہ امام جمعہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جو علماء جمعہ کو مستقل فرض کہتے ہیں ان کے نزدیک نہیں ہو سکتا جن کے نزدیک جمعہ ظہر کا اختصار ہے وہ کہتے ہیں کہ جمعہ کا امام ہو سکتا ہے۔

اگر امام جمعہ کا مذہب یہ ہو کہ چالیس آدمیوں سے کم کا جمعہ منعقد نہیں ہوتا اور مقتدی جو چالیس سے کم ہوں اس کو جائز سمجھتے ہوں تو اس کو امامت کرنا جائز نہیں مقتدیوں میں سے کسی کو اپنا نائب بنانا واجب ہے۔

اگر امام چالیس سے کم کا جمعہ جائز سمجھتا ہے مگر مقتدی جائز نہیں سمجھتے تو جمعہ قائم کرنا لازم نہیں اس لئے کہ ان مقتدیوں کے نزدیک جائز نہیں اور دوسرے مقتدی جو امام کے ساتھ نماز پڑھیں موجود نہیں۔

اگر امام کو سلطان کا حکم ہو کہ چالیس سے کم لوگوں کو نماز جمعہ نہ پڑھائے تو اگرچہ امام اس کو جائز سمجھتا ہو مگر اس کو پڑھانا جائز نہیں کیونکہ اس کو چالیس کی صورت میں اختیار دیا گیا ہے اس سے کم کا اختیار نہیں ہے مگر یہ جائز ہے کہ کسی دوسرے شخص کو اپنا نائب بنا دے وہ ان کو نماز پڑھائے۔

اگر سلطان کا حکم ہو کہ چالیس سے کم کو بھی پڑھائے اور امام اس کو جائز نہ سمجھتا ہو تو اس کے متعلق دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ چونکہ امام کے نزدیک جائز نہیں لہذا نماز باطل ہوگی دوسری صورت یہ ہے کسی کو اپنا خلیفہ بنا دے نماز صحیح ہو جائے گی۔

فصل

مسنون نمازوں کی امامت پانچ قسم پر ہے۔ عیدین[۱،۲]، کسوف[۳]، خسوف[۴]

اوستسقاء ان نمازوں کے لیئے امام کا تقرر مندوب ہے اس لیئے کہ با جماعت اور تنہا دونوں طرح پڑھنی جائز ہیں۔ ان کے حکم میں اختلاف ہے بعض اصحاب شافعی کے نزدیک سنت موکدہ ہیں اور بعض کے نزدیک فرض کفایہ جو شخص پانچوں نمازوں یا نماز جمعہ کا امام مقرر کیا جائے اس کو ان نمازوں کے قائم کرنے کا حق نہیں البتہ اگر تمام نمازوں کے لیئے مقرر کیا جائے تو ان کو بھی قائم کرسکتا ہے۔

نماز عید کا وقت طلوع شمس اور زوال شمس کے مابین ہے۔ عید الضحیٰ کی نماز میں تعجیل اور عید الفطر کی نماز میں تاخیر بہتر ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ دونوں عیدوں کی رات میں غروب شمس سے لیکر جب تک نماز عید شروع ہو تکبیرات پڑھتے رہیں بالخصوص عید الضحیٰ میں فرض نمازوں کے بعد یوم نحر کی نماز ظہر کے بعد سے آخر ایام تشریق تک پڑھیں۔

نماز عیدین خطبے سے قبل اور نماز جمعہ خطبے کے بعد مسنون ہے نماز عیدین میں تکبیرات زائد بھی داخل ہیں ان کی تعداد میں فقہا کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تکبیر احرام کے علاوہ سات تکبیریں زیادہ کہے اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام کے علاوہ پانچ تکبیریں کہے مگر ہر دو رکعت کی تکبیریں قرائت سے پہلے کہی جائیں امام مالکؒ کے نزدیک پہلی میں چھ اور دوسری میں تکبیر قیام کے علاوہ پانچ کہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پہلی میں قرائت سے قبل تین کہے اور دوسری میں قرائت کے بعد علاوہ تکبیر قیام کے چار کہے۔ اعداد تکبیرات کے متعلق امام اپنے مسلک و اجتہاد پر عمل کرسکتا ہے تقرر کرنے والا اپنی رائے پر مجبور کرنے کا مجاز نہیں۔ برخلاف اس کے جمعہ کے نمازیوں کی تعداد میں اپنے مسلک پر عامل نہیں ہوسکتا دونوں میں فرق یہ ہے کہ نمازیوں کی تعداد معین کرنے سے امام خاص الولایۃ ہوجاتا ہے اور عیدین کی تکبیرات معین کرنے سے خاص الولایۃ نہیں ہوتا خسوف شمس و قمر کی نمازیں وہی شخص پڑھا سکتا ہے جس کو سلطان تجویز کرے یا وہ شخص جس کی امامت عام نمازوں کے لیئے ہو تو یہ بھی ان میں شامل ہوں گی۔ یہ نماز دو رکعتوں پر مشتمل ہوتی ہے ہر رکعت میں دو رکوع دو قیام ہوتے ہیں ہر قیام میں قرائت طویل ہوتی ہے پہلی رکعت کے پہلے قیام میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ بقر یا اس کی برابر

کسی اور جگہ سے پڑھے رکوع سو آیتوں کے برابر ہو جس میں تسبیح پڑھے ۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر فاتحہ کے بعد سورۂ آل عمران یا اس کے برابر پڑھے اور رکوع اسی آیتوں کے قدر کیا جائے دو سجدے عام نمازوں کی طرح کئے جائیں اسی طرح دوسری رکعت میں قرائت قیام و تسبیح و رکوع پہلی رکعت کے دو ثلث کے برابر ہونی چاہئے اس کے بعد خطبہ پڑھے ۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دو رکعت عام نمازوں کی مانند پڑھے خسوف قمر کی نماز کسوف شمس کی طرح ہے مگر جہراً پڑھی جائے کیونکہ رات کی نماز ہے ۔ امام مالک کی رائے ہے کہ خسوف قمر کی نماز کسوف شمس کی طرح نہ پڑھی جائے

نماز استسقاء اندیشۂ قحط اور انقطاع بارش کے وقت پڑھی جائے جس کو اس کا انتظام تفویض ہو اس کو چاہئے کہ نماز سے قبل تین روزے رکھے ظلم و تعدی اور جھگڑوں کو موقوف کرے جن لوگوں میں مخاصمت اور نزاع ہو یا انقطاع تعلقات ہو ان میں صلح کرائے ۔ اس نماز کا وقت وہی ہے جو نماز عید کا ۔

جس کو بلا تخصیص ایک سال نماز عید کا امام بنایا جائے وہ جب تک معزول نہ کیا جائے آئندہ بھی نماز عید پڑھانے کا مجاز ہے ۔ جس کو بلا تخصیص ایک سال نماز کسوف یا استسقاء کا امام مقرر کیا جائے وہ آئندہ بلا اس کے کہ دوبارہ مقرر کیا جائے نماز پڑھانے کا مجاز نہیں ۔ فرق یہ ہے کہ نماز دائمی سالانہ ہوتی ہے اور نماز خسوف و استسقاء عارضی ہوتی ہیں ۔

اگر نماز استسقاء پڑھتے ہوئے بارش ہو جائے تو نماز پوری کر دیں اور اس کے بعد شکریہ کا خطبہ پڑھا جائے نماز سے پہلے بارش ہو جائے تو نماز نہ پڑھیں بغیر خطبہ کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں ۔ یہی حکم خسوف کے ختم ہو جانے کی صورت میں ہے ۔ استسقاء کے لیئے دعا بغیر نماز کے کافی ہے ابو مسلم انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ! اتیناک ومالنا بعیر یئط ولا صبی یصطبح

ترجمہ :- میں آپ کے پاس اس حالت میں آیا ہوں کہ نہ ہمارے پاس کوئی اونٹ زندہ رہا ہے اور نہ کوئی بچہ ۔

اور یہ شعر پڑھے۔

اتیناک والعذراء یدمی لبانھا	وقد شغلت ام الصبی عن الطفل
والقی بکفیہ الصبی استکانۃ	من الجوع ضعفا لا یمر ولا یحلی
ولا شیئ مما یاکل الناس عندنا	سوی الحنظل العامی والعلھز الغسل
ولیس لنا الا الیک فرارنا	واین فرار الناس الا الی الرسل

ترجمہ :۔ میں آپ کی خدمت میں اس حالت میں آیا ہوں کہ ہمارے یہاں کی باکرہ عورتیں بھوک کی وجہ سے اپنے پستان چوس رہی ہیں، اور ماں اپنے شیرخوار بچے کی طرف سے دودھ خشک ہوجانے کی وجہ سے بے فکر ہوگئی ہے اور بھوک سے وہ اس قدر ناتوان اور کمزور ہوگئی ہے کہ وہ اپنے بچے کو ہاتھ سے اوٹھا بھی نہیں سکتی اور اُٹھنے بیٹھنے کی بھی طاقت اوس میں نہیں رہی۔

اب ہمارے پاس سوائے عام اندرائن اور کینچلی کے اور کوئی کھانے کی شئے نہیں رہی، مجبوراً میں آپ کے پاس بھاگ کر آیا ہوں کہ آپ مدد کریں اور لوگوں کا یہ دستور ہے کہ وہ مصیبت کے وقت انبیاء کے پاس دوڑ کر آتے ہیں۔

آپ (صلعم) اٹھے اور چادر سنبھالتے ہوئے منبر پر تشریف لے گئے حمد و ثنا کے بعد آپ نے دعا کی اللھم اسقنا غیثا غدقا مغیثا سحا طبقا غیر رائث ینبت بہ الزرع ویملاء بہ الضرع ویحی بہ الارض بعد موتھا وکذالک تخرجون۔

ترجمہ :۔ خداوندا تو ہم پر کثیر مقدار میں باران رحمت نازل فرما جس سے ہر جگہ سیراب ہوجائے اور وہ مینہ مفید ہو جس سے کھیتی اگ جائے تھنوں میں دودھ بھر جائے اور زمین موت کے بعد حیات تو اختیار کرے اور اسی طرح تم قبروں سے دوبارہ اٹھائے جاؤگے۔

آپ نے دعا ختم نہ فرمائی تھی کہ بارش شروع ہوئی اور اس قدر پانی برسا کہ نشیبی مقامات کے رہنے والے چلاتے ہوئے آئے یا رسول اللہ ہم ڈوبے آپ نے دعا کی حوالینا لا علینا (الہی ہمارے گرد نہ ہم پر) بادل مدینہ کے اوپر سے پھٹ کر تاج کی طرح نظر آنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے مسکرائے کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے فرمایا" ابوطالب کا بھلا ہو اگر زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں کون ہے جو ان کے شعر سنائے علیؓ بن ابی طالب نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کی اس بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔

بحر طویل

وابیض یستسقی الغمام بوجهه	ثمال الیتامی عصمة للا رامل
یلوذ به الهلاك من آل هاشم	فهم عنده فی نعمة وفواضل
کذبتم وبیت الله نبزی محمداً	ولما نقاتل دونه و نناضل
ونسلمه حتی نصرع حوله	ونذهل عن ابنائنا والحلائل

ترجمہ :۔ میرے ممدوح کا چہرہ ایسا روشن ہے کہ ابر سفید اس سے آپ حاصل کرتا ہے، وہ یتیموں کا مددگار اور رانڈوں کا معین ومحافظ ہے ال ہاشم کے تباہ حال اس کی پناہ لیتے ہیں اور اب وہ اس کے پاس مزے سے عیش کرتے ہیں۔

خانۂ کعبہ کی قسم تم اس خیال میں جھوٹے ہو کہ ہم محمدؐ کو بغیر نیزہ زنی اور تیر اندازی کئے دشمن کے حوالے کردیں گے یہ کبھی نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ ہم اپنی اولاد اور بیویوں کو فراموش کرکے اس کے گرد کٹ نہ جائیں ہم اس کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔

اس کے بعد کنانہ کے ایک شخص نے آپ کو یہ اشعار سنائے۔ (بحر متقارب)

لك الحمد والحمد ممن شکر	سقینا بوجه النبی المطر
دعا الله خالقه دعوة	واشخص معها الیه البصر
فلم یك الا کالقا الردا	ء واسرع حتی رائنا المطر
وفاق العزالی جم البعا	ق أغاث به الله علیا مضر
وکان کما قال عمه	ابو طالب ابیض ذاغرر
به الله ارسل صوب الغما	م وهذا العیان وذاك الخبر

ترجمہ :۔ آپ کی تعریف اور اس ذات کی تعریف جو شکریہ کا مستحق ہے نبی کریم کی بدولت بارش نے ہمیں سیراب کیا۔

اونھوں نے اپنے خالق سے دعا مانگی اور نگاہ اٹھا کر اپنے رب کی طرف دیکھا اس کے بعد فوراً ہی اسقدر جلد کہ جس اثنا میں کوئی شخص چادر اوتارے یا اس سے بھی جلد تر ہمیں مینھ نظر آیا، اور ابوطالب ان کے چچا نے ان کے متعلق جو کہا تھا کہ وہ روشن چہرہ اور درخشندہ جبیں ہے وہ پورا ہوا، اللہ نے ان کی وجہ سے مینھ کا ابر بھیجدیا ابوطالب نے تو خبر ہی دی تھی یہاں اب یہ واقعہ عیاں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر شاعر اچھی بات کہتا ہے تو بیشک تونے خوب کہا ہے جن نمازوں میں سلطان کے لیئے دعا کی جائے اماموں کو چاہیئے کہ سیاہ لباس پہنیں یہ آج کل سلطانی شعار ہے اس کی مخالفت مکروہ ہے۔ اگرچہ شریعت کا حکم نہیں مگر سلطان کی مخالفت سے بچنا چاہیئے۔

اگر ایسے حکمران کا غلبہ ہو جائے جو جماعت کو منع کرے تو یہ علی اعلان جماعت ترک کرنے کا عذر ہوگا (یعنی سراً پڑھنی چاہیئے) اگر یہ عقیدہ حکمران جماعت قائم کرے تو اس کا اس میں اتباع کیا جائے مگر کوئی بدعت کرے تو اس (بدعت) میں پیروی نہ کی جائے۔

دسواں باب

امیر حج کا تقرر

اس عہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک حجاج کے سفر کے لیئے۔ دوسرا ادائے حج کے لیے امیر سفر کا عہدہ سیاسی و انتظامی حیثیت سے ہوتا ہے اس کی قابل اجتہاد شرائط دس ہیں۔

(۱) سفر اور قیام کی حالت میں لوگوں کو منتشر نہ ہونے دے تاکہ ضائع اور ہلاک ہونے کا خطرہ نہ ہو

(۲) سفر و قیام کے لیئے اس طرح ترتیب قائم کرے کہ علحدہ علحدہ جماعتیں بنا کر ان پر سردار مقرر کرے ہر جماعت سفر و قیام میں اپنے سردار کی متبع ہو جہاں وہ ٹھہرے اسی جگہ اس کی جماعت ٹھہرے تاکہ اس کی بابت آپس میں نزاع نہ ہو اور نہ اپنی جگہ سے گم ہوں۔

(۳) اس قدر تیز نہ چلے کہ کمزور لوگوں کو دشواری ہو یا جو پیچھے رہ جائیں پھر قافلہ تک نہ پہنچ سکیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا "کمزور شخص قافلہ کا امیر ہے" آپ کا مقصود یہ ہے کہ جس کی سواری ضعیف ہو لوگوں کو چاہیئے کہ اسی کی رفتار سے چلیں۔

(۴) قافلہ کھلے ہوئے اور سرسبز راستے سے لے جائے قحط زدہ اور چٹیل علاقوں سے بچے۔

(۵) پانی اور چارہ کی قلت محسوس ہو تو فوراً تلاش کرائے۔

(۶) راستے میں جب کسی جگہ ٹھہرنا ہو تو قافلہ کی حفاظت کا انتظام کرے چلتے ہوئے مکمل نگرانی رکھے تاکہ اچکوں اور چوروں کو موقع نہ ملے۔

(۷) جو لوگ راستے میں قافلے کو سفر سے روکیں اور حج کو نہ جانے دیں اگر امیر میں قدرت ہو تو ان کے ساتھ جنگ کرکے راستہ صاف کرے۔ قدرت نہ ہو تو اگر روپیہ وغیرہ دیکر کام چل سکے اور حجاج اس کو منظور کریں تو یہ بھی دے سکتا ہے۔ امیر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ حجاج سے خفارت (رہبری) کے لئے جبراً روپیہ وصول کرے اگر وہ خود اپنی خوشی سے صرف کرنا چاہیں تو جائز ہے وجہ یہ ہے کہ حج کی قدرت حاصل کرنے کے لیئے مال کا صرف کرنا واجب نہیں ہے

(۸) حجاج کے مناقشات اور جھگڑوں کو صلح کرا کر مٹا دے اپنے فیصلے پر کسی کو مجبور کرنے کا مجاز نہیں اگر اختیارات فیصلہ بھی اس کو تفویض کیئے گئے ہوں تو بیشک فیصلہ پر مجبور کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ حکومت کی اہلیت رکھتا ہو۔ پس اگر ایسے شہر میں ٹھہرنا ہو جس میں عدالت موجود ہو تو یہ اور حاکم شہر دونوں حجاج کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں دونوں کا حکم نافذ ہوگا اگر نزاع حجاج اور اہل شہر کے مابین ہو تو صرف حاکم شہر فیصلہ کر سکتا ہے۔

(۹) مجرم اور خائن کو تادیب اور سزا دے مگر یہ سزا حد کی مقدار تک نہ پہنچنی چاہیئے البتہ حد کے قائم کرنے کی اس کو اجازت ہو اور اس کے متعلق درجۂ اجتہاد رکھتا ہو تو حد بھی جاری کر سکتا ہے اگر ایسے شہر میں داخل ہو جس میں وہاں کا حاکم حدود موجود ہو تو اگر جرم کا مرتکب داخلہ سے پہلے ہوا ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ امیر حجاج حد جاری کرے اور اگر شہر میں داخل ہوکر ہوا ہو تو حاکم شہر کا حد جاری کرنا بہتر ہے

(۱۰) وقت کا خاص لحاظ رکھے ایسا نہ ہو کہ حج فوت ہو جائے یا تنگیٔ وقت کی وجہ سے گھبرا کر چلنا پڑے میقات پر پہنچنے کے بعد احرام باندھنے اور سنتیں پڑھنے کا وقت دے پھر اگر وقت کافی ہو تو قافلے کو مکہ لے جائے تاکہ مکہ والوں کے ہمراہ حج کے لیئے نکلیں اور وقت تنگ ہو تو سیدھا عرفات لیجائے تاکہ قیام عرفات فوت نہ ہونے پائے ورنہ حج فوت ہو جائے گا۔ اس لیئے کہ وقوف عرفات کا وقت عرفہ کے دن زوال شمس سے لے کر نحر کے دن کی صبح صادق کے

طلوع تک ہے لہٰذا جس شخص کو اس عرصہ میں دن یا رات میں وقوف عرفات میسر ہو گیا تو اس کا
حج ہو گیا اور جو شخص اس عرصہ میں وقوف نہ کر سکا اس کا حج فوت ہو گیا۔ وہ ما بقی ارکان
کو پورا کرے اور اس قصور میں ایک دم (قربانی) دے اور آئندہ سال اگر ممکن ہو
حج کی قضا کرے ورنہ اس کے بعد جب میسر ہو۔ حج فوت ہو کر عمرہ نہیں بن جاتا
حج کے فوت ہونے کے بعد حلال ہونے کا وہی طریقہ ہے جو حج کے بعد حلال
ہونے کا۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اعمال عمرہ کر کے حلال ہو جائے۔ ابو یوسفؒ
فرماتے ہیں کہ فوت ہونے سے اس کا احرام عمرہ ہو جاتا ہے۔ مکہ پہنچنے کے بعد
جو لوگ واپسی کے خیال سے نہ گئے ہوں وہ امیر کی ماتحتی سے نکل جائیں گے
اب ان کے ذمے اس امیر کی اطاعت لازم نہ رہے گی۔ جب حج سے
فراغت ہو جائے تو جتنے دن کا دستور ہو لوگوں کو ضروریات پوری کرنے
کے لیئے وہاں ٹھہرنے کی مہلت دے ایسی عجلت نہ کرے کہ ان کو نقصان
پہنچے۔

جب واپسی ہو تو مدینۂ طیبہ کے راستے سے چلے تاکہ روضۂ مبارک
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں اور حجاج کو حج بیت اللہ
اور زیارت روضۂ اطہر دونوں میسر ہو جائیں۔ اگرچہ زیارت فرائض میں سے
نہیں ہے مگر آپ (صلعم) کا احترام اور حق اطاعت جو امت پر عائد ہوتا ہے
اس کا مقتضا ہے کہ ہم اس سے محروم نہ رہیں لہٰذا یہ حجاج کی عادات مستحسنہ
اور مندوبات شرع میں داخل ہو گئی۔ نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (جس نے
میری قبر کی زیارت کی اس کے لیئے میری شفاعت واجب ہو گئی)

عتبی بیان کرتے ہیں کہ میں روضۂ اطہر کے پاس موجود تھا ایک اعرابی
نے نہایت خوبی کے ساتھ سلام پڑھا اور یہ عرض کیا "یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم
الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔

ترجمہ:۔ جب وہ لوگ قصور کر کے آپ کے پاس حاضر ہوں اور اللہ سے

مغفرت کے طالب ہوں اور رسول بھی ان کی مغفرت چاہے تو اللہ کو معاف کرنے والا اور رحیم دیکھیں گے)

اب میں حضور کی خدمت میں اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اور اپنے رب کے دربار میں آپ کی شفاعت کا طالب بن کر حاضر ہوا ہوں۔ یہ عرض کر کے اعرابی رو پڑا اور یہ شعر پڑھے۔ (بحر بسیط)

يا خير من دفنت بالقاع اعظمه　　فطاب من طيبهن القاع والاكم

نفسي الفداء لقبر انت ساكنه　　فيه العفاف وفيه الجود والكرم

ترجمہ:- اے بہترین خلائق جو میدان میں مدفون ہیں اور جن کی خوشبو سے میدان اور تمام ٹیلے معطر ہیں میں قبر پر قربان ہو جاؤں جس میں آپ مقیم ہیں اور جس میں عفت، جود اور کرم موجود ہے۔

پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر چلا گیا۔ عتبی کہتے ہیں کہ مجھے ذرا اونگھ آئی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ (صلعم) فرماتے ہیں جاؤ اعرابی سے مل کر کہو کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے تمہاری مغفرت فرما دی۔ واپسی میں بھی ان ہی احکام کا لحاظ رکھے جو آمد کے متعلق بیان ہو چکے ہیں اس شہر میں پہنچکر جس سے روانگی ہوئی تھی اس امیر کی امارت ختم ہو جاتی ہے۔

امامت ادائے حج کی کیفیت امامت نماز کی ایسی ہے۔ لہذا اس کیلئے شرائط نماز کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مناسک اور احکام حج کا عالم ہو مواقیت وایام حج کو جانتا ہو۔ اس کی امارت سات دن کے لیئے ہوتی ہے یعنی ۷ ذی الحجہ کی نماز ظہر کے بعد سے حلق کے (۱۳ ذی حجہ) نفر ثانی تک۔ ان ایام سے پہلے اور بعد امام حج عام رعایا کی طرح ہے اگر مطلقاً اقامتہ حج کا امام بنایا گیا ہے تو آئندہ ہر سال بھی بشرطیکہ معزول نہ کیا جائے امیر حج رہے گا۔ اور اگر صرف ایک سال کے لیئے امیر بنایا جائے تو بلا جدید تقرر کے آئندہ سال کا امام نہ ہوگا

جن احکام کی پابندی اس امام سے متعلق ہے ان میں سے پانچ تو متفق علیہ ہیں اور چھٹا مختلف فیہ ہے۔ (۱) احرام باندھنے اور روانگی کے اوقات سے لوگوں کو مطلع کرے تاکہ لوگ اس کے افعال کا اتباع کر سکیں۔

(۲) تمام مناسک حج بالترتیب ادا کرے کسی کو مقدم و موخر نہ کرے خواہ ان میں ترتیب ضروری ہو یا مستحب۔ (۳) ٹھہرنے کے مقامات اور ان سے روانگی کا تعین اس طرح کرے جیسے مقتدیوں کی نماز امام کی نماز کے ساتھ متعین ہوتی ہے (۴) تمام ارکان مشروعہ کا اتباع کرے اور دعاؤں کے بعد آمین کہے تاکہ لوگ اس کے ہر قول و فعل کی پیروی کریں اور سب کی دعائیں جمع ہونے سے اجابت و قبولیت کے دروازے مفتوح ہوں۔ (۵) ان ایام میں جن نمازوں کے بعد خطبات حج اور حجاج کا جمع ہونا ضروری ہے ان کی امامت کرائے ایسی نمازیں چار ہیں پہلی جبکہ احرام باندھنے کے بعد مسنونات و مندوبات حج شروع ہوتے ہیں اگرچہ ان کے بعد بھی احرام باندھنا درست ہے ساتویں تاریخ کو مکہ میں ظہر کی نماز پڑھے اس نماز کے بعد خطبہ کہے حج کے چار خطبوں میں سے یہ پہلا خطبہ ہے جس کو اگر محرم ہو تو تلبیہ سے شروع کرے محرم نہ ہو تو تکبیر سے لوگوں کو بتلائے کہ کل انھیں منیٰ جانا ہے تاکہ سب تیار رہیں یہ آٹھویں تاریخ ہو گی لہذا خیف منیٰ میں کنانہ کے قریب جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اترے۔ شب گزار کر نویں تاریخ کی صبح کو طلوع شمس کے ساتھ عرفات کی طرف ضب کے راستے سے روانہ ہو اور مازمین کے راستے سے واپس ہو تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہو اور آمد و رفت کے راستے بدل جائیں۔

عرفات کے قریب پہنچکر بطن عرنہ میں اتر جائے زوال شمس تک وہیں مقیم رہے ظہر کی نماز کے لیے وادی عرنہ میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد میں جائے نماز سے قبل جمعہ کے مثل حج کا دوسرا خطبہ کہے خطبہ جمعہ اور خطبہ عرنہ کے سوا تمام خطبے نماز کے بعد ہوتے ہیں اس خطبے میں ارکان حج اور مناسک کی جن کی ادائی لازمی ہے تعلیم دے محرمات و ممنوعات سے روکے خطبے کے بعد ظہر و عصر کی نماز ظہر کے وقت میں جمع کر کے پڑھائے۔

مسافران نمازوں میں قصر کریں اور مقیم پوری پڑھیں جمع اور قصر

دونوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے۔ نمازوں سے فارغ ہوکر عرفات میں جائے یہی وہ مقام ہے جس میں ٹھہرنا ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حج عرفات ہے جس نے عرفات کو پالیا اس نے حج پالیا اور جس سے عرفات فوت ہوگیا اس سے حج فوت ہوگیا۔

میدان عرفات کی حد وادی عرنہ اور اس کی مسجد سے آگے بڑھ کر (کیونکہ وادی عرنہ اور اس کی مسجد عرفات سے خارج ہیں) سامنے کے پہاڑوں تک ہے۔ لہذا تینوں پہاڑ نُتْعَۃ، نُتَیْعَۃ اور تائب کے قریب ٹھہرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تائب کے کنارے پر قیام فرمایا تھا اور اپنی اونٹنی کا سینہ محراب کی طرف رکھا تھا لہذا امام کے ٹھہرنے کے لیۓ سب سے بہتر مقام یہی ہے۔ یوں عرفات میں ہر جگہ امام اور لوگ ٹھہر سکتے ہیں بہتر یہ ہے کہ امام اپنی سواری پر وقوف کرے تاکہ لوگ اس کا اتباع کرسکیں۔

غروب شمس کے بعد نماز کو موخر کرکے وہاں سے مزدلفہ کو روانہ ہو وہاں پہنچکر عشاء کے وقت مغرب و عشا جمع کرکے پڑھاۓ۔ شب مزدلفہ میں گزارے مزدلفہ کی حد مازمین عرفات سے لے کر قرن محسر تک ہے مازمیں اور قرن محسر مزدلفہ سے خارج ہیں۔ یہاں سے امام اور لوگ جمار کے واسطے انگلیوں برابر چھوٹی کنکریاں اٹھالیں فجر کے بعد یہاں سے روانہ ہو فجر کے پہلے آدھی رات کے بعد بھی روانہ ہوسکتا ہے یہاں شب گزارنا رکن حج نہیں ہے اگر چھوڑدے تو دم سے تلافی ہوسکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ارکان واجبہ ہے یہاں سے چلکر مشعر حرام پہنچے اور دعا کرنے کے لیۓ قزح میں ٹھیرے یہاں وقوف فرض نہیں ہے پھر منیٰ کو روانہ ہو وہاں پہنچکر زوال سے پہلے سات کنکریوں سے جمرۂ عقبہ کی رمی کرے اس کے بعد جو لوگ اپنے ساتھ ہدی لاۓ ہوں اس کی قربانی کریں پھر حلق یا قصر کریں دونوں درست ہیں لیکن حلق افضل ہے۔ پھر مکہ کی طرف متوجہ ہوں وہاں پہنچکر طواف افاضہ ادا کریں یہ فرض ہے اس سے فارغ ہوکر اگر عرفات سے پہلے سعی نہ کی ہو تو سعی کریں۔ سعی عرفات سے مقدم کرسکتے ہیں مگر طواف افاضہ

مقدم نہیں کر سکتے اس کے بعد منیٰ میں لوٹ آئے اور لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائے نماز پڑھ کر حج کا تیسرا خطبہ کہے اس میں بقیہ مناسک احلال اول وثانی کے احکام اور یہ کہ کون سے احلال سے کیا کیا ممنوع چیزیں ان پر حلال ہو جاتی ہیں بتلائے۔

اگر امیر فقیہ ہو تو اعلان کر دے کہ ہر شخص مسئلہ دریافت کر سکتا ہے فقیہ نہ ہو تو یہ اعلان نہ کرے رات منیٰ میں گزارے گیارھویں کی صبح کو جس دن نفر کی اجازت ہے زوال کے بعد تینوں جمار کی اکیس کنکریوں سے رمی کرے ہر جمرۃ کو سات سات کنکریاں مارے دوسری شب بھی یہیں رہے اگلے دن (اس میں بھی نفر کی اجازت ہے) جمار ثلاث کی رمی کرے اور نماز ظہر کے بعد چوتھا یعنی حج کا آخری خطبہ کہے اس میں بتلائے کہ ایام حج میں دو نفر (کوچ) ہیں اللہ تعالیٰ نے دونوں کا اختیار دیا ہے ارشاد ہے (واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ لمن اتقی)۔

ترجمہ:۔ چند دن اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس شخص کو دونوں میں جانے کی جلدی ہو وہ گنہ گار نہیں اور جو بعد میں جائے وہ بھی گنہگار نہیں۔

اور بتلائے کہ جو شخص آج غروب شمس سے پہلے منیٰ سے چلا جائیگا اس سے شب کا قیام اور کل کی رمی ساقط ہو جائے گی اور جو شخص غروب شمس تک مقیم رہے گا اس کے ذمے شب کا قیام بھی ہے اور کل کی رمی بھی۔

مگر امام حج بہ حیثیت ذمے دار ہونے کے نفر اول سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس کو چاہئیے کہ شب منی میں گزارے اور دوسرے نفر میں کل کے دن حلق کے دن بتاریخ ۱۳ ر ذی الحجہ رمی جمار ثلاث سے فارغ ہو کر یہاں سے کوچ کرے چونکہ لوگ اس کے متبع ہوتے ہیں لہذا مناسک کی تکمیل سے قبل نہ جائے۔

جب نفر ثانی کی اجازت کا وقت ہو جائے تو امام حج کی ولایت

ختم ہو جائے گی اور فرائض امامت سے سبکدوش ہو جائے گا۔ ہم پانچ احکام متفق علیہ کو بیان کر چکے۔

چھٹے حکم مختلف فیہ میں تین چیزیں ہیں (پہلی) یہ کہ اگر کسی حاجی سے ایسا جرم سرزد ہوا جس کی سزا تعزیر یا حد ہو تو اگر اس فعل کا حج سے کوئی تعلق نہ ہو تو امام حج تعزیر یا حد کا نفاذ نہیں کر سکتا اور اگر حج سے متعلق ہو تو زجر و تادیب کے لیئے تعزیر کر سکتا ہے اور نفاذ حد کے متعلق دو رائے ہیں ایک یہ کہ حد کا نفاذ کرے اس لیئے کہ حج سے اس کا تعلق ہے دوسری یہ کہ حد کا نفاذ نہ کرے کیونکہ افعال حج سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ (دوسری) یہ کہ احکام حج کے ماسوی حجاج کے تنازعات میں کوئی حکم و فیصلہ نہ کرے۔ اور احکام حج سے متعلق نزاعات میں (مثلاً زوجین کا نزاع کفارۂ وطی میں) اور قضائے حج کے واجب ہونے میں) امام حج کے حکم کی دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ حکم نافذ کرے دوسری یہ کہ حکم نافذ نہ کرے۔

(تیسری) یہ کہ اگر کسی حاجی سے ایسا فعل سرزد ہو جس سے فدیہ لازم آئے تو اس کی ادائی کا حکم دے آیا اس سے جبراً مدعی بنکر بھی مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں اس کی بابت بھی اقامت حدود کی طرح دو قول ہیں امام حج فقیہہ ہو تو فتوی بھی دے سکتا ہے اگرچہ حکم کرنے کا مجاز نہ ہو۔ امام کو جائز افعال سے روکنے کا حق نہیں ہے اگر یہ خیال ہو کہ جاہل شخص اس سے ممنوعات پر آمادہ ہو جائیں گے تو روک دے جیسے طلحہ بن عبیداللہ نے حج میں سرخ رنگ کا کپڑا پہنا تھا تو حضرت عمرؓ ان پر خفا ہوئے اور فرمایا " مجھے اندیشہ ہے کہ جاہل تمہارا اتباع کریں گے۔ امام لوگوں کو اپنے مسلک پر عمل کرنے کے لیئے مجبور نہیں کر سکتا اگر بلا احرام باندھے لوگوں کو حج ادا کرائے تو یہ مکروہ ہے مگر لوگوں کا حج درست ہو جائے گا نماز کو اس پر قیاس نہ کیا جائے غیر مصلی نمازیوں کا امام نہیں بن سکتا حجاج ارکان حج کو امام سے مقدم یا موخر ادا کریں تو ادا ہو جائیں گے اگرچہ متبوع کی مخالفت مکروہ ہے مگر نماز میں امام کی مخالفت سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس لیئے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مرتبط ہے اور حج امام کے حج سے مرتبط نہیں ہوتا۔

گیارھواں باب

حاکم صدقات

صدقہ و زکات دونوں کا مفہوم ایک ہے صرف لفظوں کا فرق ہے مسلمان کے مال پر اس کے سوا اور کوئی حق یا محصول واجب نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لیس فی المال حق سوی الزکاۃ۔ (زکواۃ کے علاوہ مال پر اور کوئی محصول نہیں)

زکواۃ اس مال پر واجب ہوتی ہے جو خود بڑھتا ہو یا کام کر کے بڑھایا جا سکتا ہو تاکہ صاحب مال کا مال پاک ہو جائے اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی ہو۔ قابل زکواۃ مال کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہر۔ پوشیدہ ظاہر سے مراد وہ مال ہے جس کا اخفا ممکن نہ ہو جیسے کھیتی، بیل اور چوپائے پوشیدہ سے مراد وہ مال ہے جس کا اخفا ممکن ہو جیسے سونا، چاندی اور سامان تجارت۔

مال باطن کے متعلق حاکم زکواۃ کو کچھ تعرض کرنے کا حق نہیں ارباب مال خود ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں اگر برضا و رغبت حاکم کو دینا چاہیں تو قبول کرے اور تقسیم کرنے میں ان کا معاون ہو۔ اس کے اختیارات مال ظاہر کے ساتھ مختص ہیں ارباب مال کو حکم دیا جائے کہ مال ظاہر کی زکواۃ اس کو ادا کریں۔ اس حکم کے متعلق اگر حاکم عادل ہو تو دو قول ہیں ایک یہ کہ حکم ایجاب ہے خود ادا نہیں کر سکتے ادا کردیں تو ادا نہ ہوگا۔ دوسرا

یہ کہ حکم استحباب ہے تاکہ اظہار اطاعت ہو اگر خود ادا کردیں تو ادا ہو جائے گی
ان ہر دو قول کے ساتھ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اگر ادائے زکات سے انکار
کریں تو ان سے جنگ کی جائے ابو بکر صدیقؓ نے منکرین زکات سے
جنگ کی تھی وجہ یہ ہے کہ انکار کرنا حکام سے بغاوت کے معنی رکھتا
ہے ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر خود ادا کرنے لگیں تو جنگ نہ کی جائے
اس عہدہ کی شرائط حسب ذیل ہیں۔ حر مسلمان اور عادل نیک چلن
ہو اگر عمال تفویض سے ہو تو مسائل زکواۃ کا عالم بھی ہو اور اگر صرف زکات
وصول کرنے کے لیئے مقرر کیا جائے تو ان مسائل سے ناواقف کا تقرر
بھی جائز ہے۔ ذوی القربیٰ کو جن پر زکات حرام ہے اس عہدے پر مقرر کر سکتے
ہیں مگر ان کی تنخواہ مصالحت کے روپیے سے دی جائے یہ عہدہ بحیثیت
اختیارات کے تین قسم کا ہے (پہلی قسم) زکات کی وصولی اور اس کی تقسیم
کے اختیارات ہوں ان کاموں کو حسب تفصیل آئندہ ایک شخص کر سکتا
ہے۔ (دوسری قسم) وصول کا اختیار ہو تقسیم کا نہ ہو۔ لہذا وصول کر سکتا ہے
تقسیم کی ممانعت ہوگی۔ جس شخص کو دونوں اختیار ہوں تقسیم میں تاخیر کرنے
سے گنہگار ہوگا اور اگر جلد تقسیم کرنے کے لیئے کوئی دوسرا شخص مقرر ہو تو
یہ گنہگار نہ ہوگا (تیسری قسم) مطلقاً بلا تعین اختیارات مقرر کیا جائے
مثلاً تقسیم کا حکم ہو نہ اس کی ممانعت۔ تو اطلاق کی وجہ سے اس کو وصول
و تقسیم دونوں کا اختیار ہوگا۔

صدقات دو امر کو مشتمل ہیں۔ وصول۔ تقسیم دونوں کے احکام
مختلف ہیں جنکو ہم اختصار کے لیئے اسی باب میں بیان کرتے ہیں مال زکات کی
چار قسمیں ہیں (۱) مواشی یعنی اونٹ گائے اور بکری ان کو مواشی اس لیے
کہتے ہیں کہ یہ مشی کرتے ہیں یعنی چلکر چرتے ہیں۔ اونٹ کا ابتدائی نصاب پانچ
ہے۔ پانچ سے نو تک ایک جذع (بھیڑ کا بچہ) یا ایک ثنی (بکری) دیا جائے
جذع چھ ماہ کی عمر کا ہوتا ہے اور ثنی پورے ایک سال کا جب دس اونٹ
ہو جائیں تو ان میں چودہ تک دو بکریاں اور پندرہ میں انیس ۱۹ تک تین بکریاں

اور ۲۰ بیس میں چوبیس ۲۴ تک چار بکریاں دی جائیں اور جب پچیس ۲۵ ہو جائیں تو بکریوں کے بجائے اونٹ سے زکات دے لہذا پچیس ۲۵ میں پینتیس تک بنت مخاض یعنی ایک سالہ اونٹنی یہ نہ ہو تو ابن لبون مذکر دیا جائے اور چھتیس میں پینتالیس تک بنت لبون یعنی دو سالہ اونٹنی دی جائے اور چھیالیس میں ساٹھ تک ایک حقہ یعنی تین سالہ اونٹنی جو نر سے ملنے اور سواری دینے کے قابل ہو دی جائے اور اکسٹھ میں پچھتر تک ایک جذعہ یعنی چار سالہ اونٹنی دی جائے اور چھہتر میں نوے ۹۰ تک دو بنت لبون دی جائیں اور اکانوے میں ایک سو بیس تک دو حقہ دیئے جائیں اسقدر تفصیل تو نص سے ثابت ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہے مگر ایک سو بیس سے زائد میں فقہا کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے زائد میں سلسلہ پھر سے شروع کیا جائے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس پر زیادتی کا اعتبار نہیں جب تک ایکسو تیس نہوں ایکسو تیس پر ایک حقہ دو بنت لبون دی جائیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں جب ایک سو بیس پر ایک زیادہ ہو جائے تو ہر چالیس پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ دیا جائے لہذا ایک سو اکیس میں تین بنت لبون اور ایک سو تیس میں ایک حقہ دو بنت لبون اور ایک سو پچاس میں تین حقے اور ایک سو ساٹھ میں چار بنت لبون اور ایک سو ستر میں ایک حقہ تین بنت لبون اور ایک سو اسی میں دو حقے دو بنت لبون اور ایک سو نوے میں تین حقے ایک بنت لبون اور جب دو سو ہو جائیں تو ان میں جو موجود ہو یا تو چار حقے یا پانچ بنت لبون لی جائیں اگر دونوں موجود ہوں تو بہتر کو لیا جائے بعض کی رائے ہے کہ حقے ہی لئے جائیں ان میں منفعت زیادہ اور دقت کم ہوتی ہے اس سے زائد میں اسی پر قیاس کر کے ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ لیا جائے

گائے کا ابتدائی نصاب تیس ہے تیس میں ایک تبیع نر یعنی چھ ماہ کا بیل جو ماں کے پیچھے چلنے لگے اگر تبیعہ مادہ دینا چاہے تو قبول کر لی جائے۔ چالیس ۴۰ ہو جائیں تو ان میں مسنہ مادہ لی جائے مسنہ سال

بھر کی گائے ہوتی ہے ۔ اگر سب نر ہوں تو ایک قول یہ ہے کہ مسن نر قبول کر لیا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ قبول نہ کیا جائے چالیس سے زائد گایوں میں اختلاف ہے ابو حنیفہؒ کی ایک روایت ہے کہ پچاس میں ایک مسنہ اور ایک ربع لیا جائے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سے ساٹھ تک کچھ نہیں ساٹھ میں دو تبیعے واجب ہوں گے ساٹھ کے بعد ہر تیس میں ایک تبیع اور ہر چالیس میں ایک مسنہ لہذا ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع اور اسی میں دو مسنے نوے میں تین تبیعے ہوں گے نوّے میں دو تبیعے ایک مسنہ ہوگا ایک سو دس میں دو مسنے ایک سو بیس میں دو سو اونٹوں کی طرح دو صورتیں ہیں یا تو چار تبیعے یا تین مسنے ہوں گے بعض کی رائے ہے کہ عامل کو جو ملے وہی لے لے اگر دونوں موجود ہوں تو افضل کو لے ۔ اور بعض کے نزدیک منات ہی لے اس سے زائد میں ہر تیس پر ایک تبیع اور ہر چالیس پر ایک مسنہ دیا جائے ۔

بکری کا ابتدائی نصاب چالیس ہے چالیس میں ایک سو بیس تک ایک جذع یا ایک ثنی ہے اگر سب جذع اور ثنی سے چھوٹی ہوں تو امام شافعیؒ کے مذہب پر ان سے کم عمر بھی لی جاسکتی ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جذع یا ثنی کے سوا نہ لی جائے ایک سو اکیس میں دو سو تک دو بکریاں دو سو ایک میں چار سو تک تین بکریاں اور جب چار سو ہو جائیں تو چار بکریاں لی جائیں اس کے بعد ہر سو پر ایک بکری ۔ بھیڑ بکری کے حکم میں اور بھینس گائے کے حکم میں اور بخت اونٹ عربی اونٹ کے حکم میں ہے کیونکہ جنسیں متحد ہیں مگر اونٹ کو گائے کے اور گائے کو بکری کے حکم میں شامل نہ کیا جائے ان کی اجناس متحد نہیں ہیں ۔

زکواۃ کے لئے ایک شخص کا تمام مال جمع کر لیا جائے اگرچہ اس کے پاس متفرق مال ہوں ایک نصاب کے چند شریک زکواۃ ادا کریں بشرطیکہ شرکت کی شرائط موجود ہوں ۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تاوقتیکہ کوئی شخص مالک نصاب نہ ہو شرکت موثر نہیں زکواۃ نہ لی جائے ۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں

کہ خلط کا کچھ اعتبار نہیں ہر شخص علیحدہ علیحدہ اپنے مال کی زکات دے۔
مواشی میں زکات واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ چرنے والے ہوں جنگل کا گھانس چرتے ہوں تا کہ مشقت کم اور نفع (دودھ) اولاد زیادہ ہو لادنے والے کام کرنے والے یا بقیمت گھانس کھانے والے جانوروں میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکات واجب نہیں امام مالکؒ چرنے والوں کی طرح ان میں بھی وجوب زکات کے قائل ہیں دوسری شرط یہ کہ ان پر ایک سال گزر جائے تاکہ اس میں نسل پوری ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سال گزرنے سے پہلے مال میں زکات نہیں ہے۔
ان جانوروں کے چھوٹے بچوں کی زکات جو ماؤں کا سال پورا ہونے سے پہلے پیدا ہوں اور ماؤں کا نصاب پورا ہو ماؤں کی زکات کے ساتھ تابع کر کے دی جائے اگر ماؤں کا نصاب کامل نہ تھا مگر بچوں کے ملنے سے نصاب پورا ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ماؤں کے سال سے زکات دی جائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بچے مل کر نصاب پورا ہونے کے بعد سے سال شمار کیا جائے۔
گھوڑوں، خچروں، اور گدھوں میں زکات نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ چرنے والی گھوڑیوں میں ہر گھوڑی پر ایک دینار واجب کرتے ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میں غلام اور گھوڑے کا صدقہ تم کو معاف کرتا ہوں"۔
اگر حاکم صدقات عمال تفویض سے ہو فقہاء کی مختلف رایوں میں سے کسی ایک کی رائے پر اپنے اجتہاد کے ساتھ زکات لے امام یا ارباب مال کے اجتہاد پر نہ لے نہ امام کو جائز ہے کہ اس کے لیئے زکات لینے کی مقدار معین کرے۔ اور اگر عمال تنفیذ سے ہو تو مختلف فیہ مقداریں امام کے اجتہاد پر عمل کرے ارباب مال یا اپنے اجتہاد پر عمل کرنا جائز نہیں امام مقدار زکات معین کر دے یہ شخص تحصیل زکات کے لیئے امام کا قاصد اور اس کے احکام کا نافذ کرنے والا ہو گا یہ عامل غلام اور ذمی بھی ہو سکتا ہے لیکن زکات عامہ کے لیئے جائز نہیں اس میں ولایت ہے جو کفر اور غلامی کے منافی ہے اور

زکات خاصہ میں یہ ہے کہ اگر زکات کی مقدار معلوم ہو تو اس کی وصولی کے لیئے غلام و ذمی کا تقرر جائز ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کی ولایت نہیں صرف قاصدانہ کارروائی ہے اور مقدار معلوم و متعین نہ ہو تو اس کی وصولی کے لیئے ذمی کا تقرر جائز نہیں یہ امانت کا معاملہ ہے جس میں اس کی بات پر اعتماد نہیں ہو سکتا اور غلام کا تقرر جائز ہے اس کی بات قابل قبول ہے۔

وجوب زکات کے بعد عامل صدقات کے آنے میں تاخیر ہو تو اگر تاخیر کام شروع کرنے کے بعد اس وجہ سے ہو کہ وہ اور لوگوں سے وصول کر رہا ہے تو اس کا انتظار کریں کیونکہ بیک وقت سب سے وصولی دشوار ہے یکے بعد دیگرے وصول کر سکتا ہے اور اگر سب سے زکات لینے میں تاخیر ہو اور وقت معمول سے زیادہ گزر جائے تو خود ادا کریں عامل کو ادا کرنے کے اس وقت مامور ہیں جبکہ اس کو ادا کرنا ممکن ہو ورنہ مامور نہیں۔ صاحب مال جب خود زکواۃ ادا کرے اگر خود مجتہد ہو تو اپنے اجتہاد کے مطابق کام کرے اور مجتہد نہ ہو تو جس فقیہ سے عقیدت ہو اس کے فتوئے پر عمل کرے کسی اور سے فتویٰ لینا لازمی نہیں اگر دو فقیہوں سے فتویٰ لیا ایک نے وجوب زکات کا اور دوسرے نے ساقط ہونے کا فتویٰ دیا یا ایک نے کم مقدار دوسرے نے زیادہ مقدار بتلائی تو اس صورت کے متعلق اصحاب شافعی میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک جس کے قول کا حکم سخت ہو اس پر عمل کرے اور بعض کی رائے ہے کہ جس کے قول پر چاہے عمل کرے اپنے اجتہاد یا مفتی کے فتوے کے مطابق عمل کرنے کے بعد اگر عامل زکات کے لیئے آئے اور اس کے اجتہاد سے ساقط شدہ واجب ہو یا ادا شدہ سے زیادہ واجب ہو تو عامل کے اجتہاد پر عمل ضروری ہوگا بشرطیکہ عامل کے آنے کا امکان باقی ہو۔ اگر امکان کا وقت نکل گیا ہو تو رب المال کا اجتہاد زیادہ نافذ ہوگا۔

اگر عامل نے زکات اور اس کے وجوب و اسقاط میں اپنی رائے و اجتہاد پر عمل کر لیا مگر رب المال کے اجتہاد میں ساقط شدہ واجب ہے

یا جسقدر اس نے لی ہے اس سے زیادہ واجب ہے تو رب المال کا اپنے اور خدا کے درمیان معاملہ یہ ہے کہ ساقط شدہ یا باقی کو ادا کرے کیونکہ وہ خود مستحقین کے حق کو اپنے اوپر واجب سمجھتا ہے۔

فصل

دوسری قسم کے مال جن میں زکات واجب ہوتی ہے کھجور اور درختوں کے پھل ہیں امام ابو حنیفہؒ ہر قسم کے پھلوں میں واجب کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف کھجور اور انگور میں زکات واجب ہے ان کے علاوہ سب پھلوں سے ساقط ہے۔ پھلوں میں زکات واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ پھل کارآمد اور کھانے کے قابل ہو جائیں اگر اس سے پہلے کوئی شخص قطع کرے زکات ساقط ہو جائے گی مگر زکات سے بچنے کے لئے قطع کرنا مکروہ ہے بضرورت مکروہ نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پانچ وسق تک مقدار ہو اس سے کم میں امام شافعیؒ کے نزدیک زکات واجب نہیں وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے ایک صاع $\frac{1}{3}$ ۵ عراقی رطل کا ہوتا ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کم و بیش سب میں زکات واجب ہے۔ امام موصوف پھلوں کی مقدار کا اندازہ کرنے سے منع کرتے ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے تاکہ زکات کا اندازہ اور مستحقین کا حق معلوم ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے لئے عمال مقرر کئے تھے آپ ان سے فرماتے تھے اندازے میں تخفیف سے کام لو کیونکہ مال میں وصیت عریّتہ واطئہ نائبتہ ہوتی ہیں وصیت وہ جس کو صاحب مال مرنے کے بعد کسی کو دینا چاہیں۔ عریّتہ وہ منفعت جس کو اپنی زندگی میں بخشے۔ واطئہ وہ جو راستے میں آنے جانے والے کھائیں واطئہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ زمین کو روندتے ہیں۔ نائبتہ وہ آفات جن سے پھل برباد ہو جائیں بصرہ کے پھلوں میں صرف انگور کا اندازہ کیا جائے جس طرح اور مقامات کے انگوروں کا کیا جاتا ہے اور کھجور چونکہ وہاں

بکثرت ہوتی ہے اور اندازہ کرنے میں دقت بھی ہے لہذا اس کا اندازہ کرنے کی ضرورت نہیں نیز وہاں رواج یہ ہے کہ آمدورفت والے کھجور کھا سکتے ہیں بصرہ میں یہ دستور مقرر تھا کہ جو پھل درخت سے گر جاتے ان کا بڑا حصہ جمعہ اور منگل کے دن اہل صدقات میں خرچ کر دیا جاتا اور جو بڑے پھل درخت پر رہ جاتے وہ جب پکنے کے لیئے بصرہ کے چوک میں آتے تو اب ان سے عشر لیا جاتا چونکہ اہل بصرہ کے سوا اور لوگوں پر یہ ضروری نہیں ہے لہذا ان کا حکم ان سے مختلف ہوگیا۔

انگور و کھجور کا اندازہ اس وقت کیا جائے جب وہ کارآمد درجہ کو پہنچ جائے یعنی جب بسر اور عنب ہو جائیں اندازہ کے بعد ان کو تمر اور زبیب ہونے دیا جائے۔ اندازہ لگانے کے بعد اگر یہ معلوم ہو کہ مالک امانت دار ہے مقدار زکات کا ضامن رہے گا تو اس کو کھانے پینے اور تصرف کرنے کی اجازت دی جائے بعد میں ضمان زکات وصول کر لیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بحیثیت امین کے مال کی حفاظت کرے پھل پکنے پر زکات نکالی جائے مقدار زکات کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سیرابی نالی یا نہر سے کی جائے دسواں حصہ ہے اور چرس یا اونٹ پر پانی لا کر سیراب کریں تو بیسواں حصہ ہے دونوں سے کی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ اعلیٰ کا اعتبار ہوگا اور دوسرا یہ ہے کہ ہر ایک کا حصہ لگا کر لی جائے سیرابی کے متعلق عامل اور رب المال میں اختلاف ہو تو رب المال کا قول قابل تسلیم ہے مگر تقویت کے لیئے عامل اس کو قسم دے قسم سے انکار کرے تو جس کا اعتراف کر چکا ہے صرف اسی کی زکات لازم ہوگی۔ کھجور کی تمام مختلف انواع ایک سمجھی جائیں انگور کی مختلف انواع کا حکم بھی یہی ہے کیونکہ اجناس متحد ہیں مگر کھجور و انگور ایک حکم میں نہیں ہو سکتے دونوں کی جنسیں مختلف ہیں۔ کھجور و انگور کے پھل خشک کھجور اور منقیٰ ہو جائیں تو زکات بالکل خشک ہونے کے بعد لی جائے اور اگر تازہ توڑے جائیں تو فروخت کے بعد قیمت کا دسواں حصہ لیا جائے اگر مستحقین زکات کو تر و تازہ پھلوں کی ضرورت

ہو تو ایک قول کے مطابق جس کا حاصل یہ ہے کہ تقسیم کا مطلب حصہ نکالنا ہے، تازہ پھل دینے جائز ہیں اور دوسرے قول کے مطابق کہ تقسیم سے مراد بیع ہے تازہ پھل دینے جائز نہیں۔

اگر اندازہ لگانے کے بعد ادائے زکات کے امکان سے پہلے پھل آفت ارضی یا سماوی سے ضائع ہو جائیں تو زکات معاف ہو جائے گی اور اگر زکات کے امکان کے بعد ضائع ہوں تو زکات وصول کی جائے گی۔

فصل

تیسری قسم کا مال جس میں زکات واجب ہے کھیتیاں ہیں امام ابوحنیفہؒ ہر قسم کی کھیتی میں واجب کہتے ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک صرف ان میں واجب ہے جن کو لوگ کھانے کے ذخیرہ بنا کر رکھیں لہذا ان کے نزدیک سبزی اور ترکاری (بقولات) میں زکات واجب نہیں۔ نہ ایسی اشیاء میں جو کھانے کے کام نہ آئیں جیسے روئی اور کتان۔ اور نہ وادیوں اور پہاڑوں کی پیداوار میں۔ ان کے نزدیک ان دس قسم کی کھیتیوں سے زکات لی جائے۔ گیہوں، جو، چاول، ذرہ، باقلا، لوبیا، چنا، ارد، دخن، اور جلبان۔ علس ایک قسم کا گیہوں ہے اس کے ساتھ ملایا جائے اس پر دو چھلکے ہوتے ہیں مع چھلکوں کے دس دس پر زکات واجب ہوگی۔ یہی حکم چاول مع چھلکوں (دھانوں) کا ہے سُلت ایک قسم کا جو ہے اس کے حکم میں ہوگا۔ جاورس ایک قسم کا دخن ہے۔ اس کے حکم میں ہوگا۔ ان دونوں کے سوا اور اجناس ایک دوسرے کے ساتھ نہ ملائی جائیں امام مالکؒ جو کو گیہوں کے اور بقیہ اجناس کو ایک دوسرے کے حکم میں قرار دیتے ہیں۔

کھیتیوں کی زکات خشک اور پختہ ہونے کے بعد واجب ہوتی ہے لیکن گاہنے اور صاف کرنے کے بعد جبکہ ایک صنف کی مقدار پانچ وسق تک

پہنچ جائے زکاۃ وصول کی جائے اس سے کم میں واجب نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قلیل و کثیر سب میں واجب ہے اگر مالک تر اور سری کھیتی کاٹ لے تو زکاۃ واجب نہیں لیکن زکاۃ سے بچنے کے لیئے ایسا کرنا مکروہ ہے ضرورتاً مکروہ نہیں۔ ذمی زمین عشری کا مالک ہو کر اس کی کاشت کرے تو اس کے حکم میں فقہا کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ نہ عشر لیا جائے نہ خراج۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ خراج قائم کیا جائے جو اس کے مسلمان ہونے سے ساقط نہ ہوگا۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں جو مقدار مسلمان سے لی جاتی تھی اس کا دوچند لیا جائے مگر مسلمان ہونے پر دوچند نہ رکھا جائے۔ محمد بن الحسن اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ مسلمان کے صدقہ کے برابر لیا جائے دوچند نہ کیا جائے۔

مسلمان زمین خراجی کی کاشت کرے تو امام شافعیؒ کے نزدیک زمین کے خراج کے ساتھ زراعت کا عشر بھی لیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں دونوں جمع نہیں ہو سکتے صرف خراج لیا جائے۔ خراجی زمین کو کرایہ پر دیا جائے تو خراج مالک پر اور عشر کرایہ دار پر واجب ہوگا۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زراعت کا عشر مالک کو دینا ہوگا یہی حکم معشر کا ہے۔ مال ظاہر کے احکام ختم ہوئے۔

فصل

چوتھی قسم کا مال سونا اور چاندی ہیں یہ اموال باطنہ سے ہیں ان کی زکاۃ چالیسواں حصہ ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "چاندی میں چالیسواں حصہ واجب ہے" چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے ایک درہم اسلامی وزن سے چھ وانق کا ہوتا ہے دس درہم کا وزن سات مثقال ہے دوسو میں پانچ درہم یعنی چالیسواں حصہ واجب ہے اس سے کم میں واجب نہیں اور زائد میں اس کے حساب سے دیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ

فرماتے ہیں دو سو سے زائد میں چالیس تک کچھ نہیں اور چالیس میں ایک چھٹا درہم اور بڑھ جاتا ہے چاندی کے ٹکڑے اور مضروب سکے ایک حکم میں ہیں

سونے کا نصاب اسلامی مثقال سے بیس مثقال ہے چالیسواں حصہ یعنی نصف مثقال دینا واجب ہے اور زائد میں اس کے حساب سے دیا جائے خالص اور مضروب سونے کا ایک حکم ہے۔ چاندی کو سونے کیساتھ نہ ملایا جائے ہر ایک کا نصاب الگ الگ اعتبار کیا جائے امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ کم کو زیادہ کے ساتھ ملا کر دونوں کی قیمت زیادہ کی قیمت سے لگائی جائے درہم و دینار کی تجارت میں زکات واجب ہے اصل کا سال پورا ہونے پر منافع اس کے تابع کر لیا جائے کیونکہ وجوب زکات کے لیئے سال گزرنا شرط ہے۔ داؤد کہتے ہیں کہ مال تجارت میں زکات نہیں ہے وہ اس رائے میں تمام جماعت سے منفرد ہیں۔

سونے چاندی کے مباح زیورات میں امام شافعیؒ کا اصح قول یہ ہے کہ زکات واجب نہیں۔ امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے اور ضعیف قول یہ ہے کہ زکواۃ واجب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔ اور ان کے ممنوع زیورات اور برتنوں میں سب کے نزدیک زکواۃ واجب ہے۔

فصل

معادن (کانیں) یہ اموال ظاہری میں داخل ہیں فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ کونسی معدن میں زکات واجب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ڈھلنے والی دھات جیسے سونا، چاندی، تانبا، پیتل میں زکات واجب ہے اور نہ ڈھلنے والی یعنی رقیق چیزوں اور پتھروں میں واجب نہیں۔ ابو یوسفؒ کے نزدیک زیورات کے پتھر جواہر وغیرہ میں واجب ہے۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ صرف سونے اور چاندی کی کانوں میں جبکہ پگھلانے اور صاف کرنے سے مقدار نصاب نکلے زکات

واجب ہے اس کے اندر مقدار زکات میں تین قول ہیں (۱) چالیسواں حصہ جمع شدہ سونے چاندی کی طرح (۲) پانچواں رکاز کی طرح (۳) اگر مشقت زیادہ ہو تو چالیسواں اور کم ہو تو پانچواں۔ اس میں سال گزرنا شرط نہیں اس منفعت کی فوراً زکات دینی چاہیے

رکاز وہ مال ہے جو زمانہ جاہلیت کا مضروب ہو اور کسی بیکار زمین یا راستے میں مدفون ہو یہ مال پانے والے کی ملک ہے اور اس پر پانچواں حصہ واجب ہے جس کو مصارف زکات میں صرف کیا جائے۔ امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ پانے والے کو اس کے ظاہر کرنے اور پوشیدہ رکھنے کا اختیار ہے۔ ایسے ہی امام کو معلوم ہونے کے بعد اختیار ہے پانچواں حصہ لے یا نہ لے اور جو دفینہ مملوکہ زمین میں دستیاب ہو بظاہر مالک زمین کا مملوک ہے پانیوالے کا کچھ حق نہیں۔ نہ مالک پر (بجز زکات کے اگر مالک کی طرف سے اس نے ادا کردی ہو) اس کو کچھ دینا ضروری ہے اسلامی دور کے سکے مدفون ہوں یا غیر مدفون اگر دستیاب ہوں تو لقطے کے حکم میں ہیں۔ ایک سال تک اس کا اعلان ضروری ہے مالک آجائے تو فبہا ورنہ پانے والا مالک ہو جائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ مالک کے معلوم ہونے پر ضمان ادا کرے۔

فصل

عامل صدقات کو چاہیے کہ لوگوں سے صدقات لینے کے بعد ان کو دعائے خیر دے تاکہ مسلمانوں کو بعجلت ادا کرنے کی رغبت ہو اور ان میں اور ذمیوں میں جن سے جزیہ لیا جاتا ہے فرق معلوم ہو نیز حق تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل ہو (خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم) حق تعالیٰ سبحانہ کے قول (تطھرھم و تزکیھم) کے یہ معنی ہیں کہ ان کے گناہ پاک کردو اور اعمال صاف کردو اور صل علیھم میں دو وجہ ہیں ایک یہ کہ ان کی مغفرت چاہو یہ رائے ابن عباس رض کی ہے دوسری یہ کہ ان کے حق میں

دعائے خیر کرو یہ قول جمہور کا ہے۔ ان صلوتك سكن لهم میں چار تاویلیں ہیں ایک یہ کہ ان کے لیئے موجب قربت ہے یہ قول ابن عباسؓ کا ہے۔ دوسری یہ کہ موجب رحمت ہے، یہ قول طلحہ کا ہے۔ تیسری یہ کہ موجب ثبات ہے یہ ابن قتیبہ کا قول ہے۔ چوتھی یہ کہ ان کے لیئے موجب امن ہے۔

اگر لوگ دعا کے خودخواستگار نہ ہوں تو دعا کرنا مستحب ہے اور خواستگار ہوں تو ایک رائے یہ ہے کہ مستحب ہے دوسری یہ ہے کہ واجب ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکات پوشیدہ کرلے اور عامل کو باوجود اس کے حق پرست ہونے کے نہ دے تو جب عامل کو اطلاع ہو لے سکتا ہے۔ اگر تحقیق ہے پوشیدہ کرنے کی وجہ یہ معلوم ہو کہ خود ادا کرنا چاہتا تھا، تو سزا نہ دے۔ اور اگر حق اللہ کے ہضم کرنے کی نیت معلوم ہو تو سزا دے اور واجب سے زیادہ وصول نہ کرے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کا آدھا مال لے لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص زکات ہضم کرے گا میں اس سے زکات اور اس کا آدھا مال لے لونگا یہ اللہ کا حق ہے آل محمد کا اس میں کچھ نہیں مگر حدیث لیس فی المال حق سوی الزکاۃ بظاہر اس حدیث کے معارض ہے لہذا معلوم ہوا کہ پہلی حدیث ایجاب پر محمول نہیں، زجر و توبیخ مقصود ہے۔ جیسا کہ آپ (صلعم) کا ارشاد (من قتل عبدہ قتلنا) زجر و توبیخ کے لیئے ہے حالانکہ غلام کے قصاص میں آقا کو قتل نہیں کیا جاتا اگر عامل صدقات کے لینے میں ظالم ہو اور تقسیم میں حق پرست ہو تو اس سے پوشیدہ کرنا اور دینا دونوں جائز ہیں اور اگر لینے میں عدل پرور مگر تقسیم میں ناانصاف ہو تو اس سے زکات کا پوشیدہ رکھنا واجب ہے، پس اگر برضامندی یا بہ جبر وصول کرے تو ارباب مال حق اللہ سے بری نہ ہوں گے ان پر واجب ہے کہ خود مستحقین کو ادا کریں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عامل کو دینا کافی ہے اعادہ زکات واجب نہیں۔

عامل کا یہ اقرار کہ لوگوں سے زکات وصول کرلی دوران تقرر میں قابل قبول ہے خواہ عمال تفویض سے ہو یا عمال تنفیذ سے اور عزل کے بعد دو صورتیں ہیں جن کا مدار اموال ظاہری کی زکات کے ان دو قولوں پر ہے

کہ آیا عامل کو زکات دینا مستحب ہے یا واجب؟ اگر کہا جائے کہ مستحب ہے تو عزل کے بعد اس کا قول قبول کیا جائے اور اگر کہا جائے کہ واجب ہے تو عزل کے بعد بدون بینہ کے اس کا قول مقبول نہیں اور نہ وصولی کے متعلق اس کی شہادت جائز ہے اگرچہ عدل (نیک چلن) ہو۔

اگر رب المال ادائے زکات کا مدعی ہو اور یہ دعویٰ امکان ادا کے بعد باوجود عامل کی تاخیر کے ہو تو قبول کیا جائے لیکن عامل کو بدگمانی ہو تو حلف دے۔ حلف کے متعلق دو رائیں ہیں ایک رائے یہ ہے کہ واجب ہے اگر حلف سے منکر ہو زکات وصول کی جائے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ محض تقویت دعویٰ کے لیئے حلف سے انکاری ہو تب بھی زکات نہ لی جائے اور اگر عامل کے ہوتے ہوئے اس کا مدعی ہو تو اس قول پر کہ عامل کو ادا کرنا واجب ہے اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے۔ اور اس قول پر کہ عامل کو ادا کرنا مستحب ہے دعویٰ قبول کیا جائے۔

فصل

زکات کی تقسیم مستحقین میں۔ مستحقین زکات کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے (انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم۔

ترجمہ:۔ بیشک صدقات فقیروں، مسکینوں صدقات کا کام کرنیوالوں مولفۃ القلوب، غلاموں، قرضداروں اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں اور مسافروں کیلئے ہیں یہ تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔

اس سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے خود تقسیم فرماتے تھے ایک منافق نے گستاخانہ جسارت کی اور یہ کہا "محمد عدل کرو" آپ نے فرمایا تیری ماں تجھے روئے میں عدل نہیں کرونگا تو اور کون کرے گا۔ اس کے بعد مذکورہ بالا آیت صدقات نازل ہوئی آپ نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے تقسیم اموال کو کسی مقرب فرشتے یا نبی مرسل کی مرضی پر نہیں چھوڑا خود ہی اس کام کو فرمایا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام صدقات مواشی کھیتوں اور پھلوں کے عشر، مال و معادن کی زکات۔ رکاز کا خمس تقسیم کرنا واجب ہے ہر زکات کے آٹھ سہام کئے جائیں کیونکہ آٹھوں مستحقین کو بشرطیکہ موجود ہوں تقسیم کرنا واجب ہے کسی کو چھوڑنا جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آٹھوں مستحقین کے ہوتے ہوئے کسی ایک صنف کو دینا جائز ہے سب کو دینا واجب نہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ نے سب کو حقدار قرار دیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض کو دینا کافی نہیں لہٰذا عامل صدقات پر واجب ہے کہ اگر سب اصناف موجود ہوں تو برابر برابر آٹھ حصے کر کے تقسیم کرے ایک حصہ فقراء کو دیا جائے فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو دوسرا حصہ مساکین کو دیا جائے مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ناکافی موجود ہو اس سے معلوم ہوگیا کہ فقیر کی حالت مسکین سے گری ہوئی ہوتی ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسکین کی حالت بدتر ہوتی ہے کیونکہ مسکین وہ ہے جس کو عدم نے ساکن کردیا۔ بہرحال دونوں کو اتنی مقدار دینی چاہیئے کہ جس سے فقر و مسکنت کے درجے سے نکل کر غنا کے ادنیٰ مرتبہ کو پہنچ جائیں۔ مگر اس میں احوال کا اعتبار ہونا چاہیئے بعض لوگ تو ایک ہی دینار سے غنی ہو جاتے ہیں جیسے بازار کے لوگ کہ ایک دینار سے بقدر کفایت نفع کما سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کو ایک دینار سے زیادہ نہ دیا جائے اور بعض لوگ سو دینار سے بھی غنی نہیں ہوتے ان کو اس سے زیادہ دینا بھی جائز ہے اور بعض لوگ ہٹے کٹے مزدوری پیشہ ہوتے ہیں حسب کفایہ کما سکتے ہیں ان کو قطعاً دینا جائز نہیں اگرچہ ان کے پاس ایک درہم بھی نہ ہو۔

امام ابو حنیفہؒ نے فقیر و مسکین کے لیئے زیادہ سے زیادہ مقدار دو سو درہم سے کم چاندی اور بیس دینار سے کم سونا تجویز کی ہے تاکہ انھوں نے جو کچھ لیا ہو اس پر زکات لازم نہ آئے۔ تیسرا حصہ عمال صدقات کا ہے ان کی دو قسمیں ہیں ایک عمال تحصیل دوسرے عمال تقسیم ان میں امین، کارکن اور چھوٹے بڑے اہل کار سب داخل ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی تنخواہیں بھی مال

زکات سے تجویز فرمائی ہیں تاکہ ارباب اموال سے زیادہ وصول نہ کریں۔ اس مد سے ہر ایک کی تنخواہ کارکردگی کی حیثیت سے دی جائے تنخواہیں دیکر جو بچ رہے اس کو دوسرے حصہ داروں پر تقسیم کردیا جائے اور کمی واقع ہو تو ایک رائے یہ ہے مال زکات سے پوری کی جائے اور دوسری یہ ہے کہ مال مصالحت سے پوری کی جائے۔

چوتھا حصہ مولفۃ القلوب کا ہے ان کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہیں جن کو مسلمانوں کی اعانت پر آمادہ کرنے کے لئے دیا جائے۔ دوسری قسم وہ ہیں جن کو سب مسلمانوں کی اذیت سے روکنے کے لیئے دیا جائے۔ تیسری وہ ہیں جن کو اسلام کی رغبت دلانے کے لیئے دیا جائے۔ چوتھی قسم وہ ہیں جن کو اس لیئے دیا جائے کہ ان کی قوم اور قبیلہ والے اسلام کی طرف مائل ہوں۔ ان چاروں اقسام میں سے جو مسلمان ہوں ان کو مال زکات سے مولفہ کے سہم سے دینا چاہئے اور جو مشرک ہوں ان کو زکات کے بجائے مال مصالحت فئی اور غنیمت سے دینا چاہئے۔

پانچواں حصہ غلاموں کا ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکاتبین کو اتنی رقم دیجائے جس سے خود کو آزاد کرالیں امام مالکؒ فرماتے ہیں غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔

چھٹا حصہ قرضداروں کا ہے ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جنھوں نے اپنی ضروریات کے لیئے قرض لیا ہو ان کو اگر غنی نہ ہوں تو اس میں سے دیا جا دوسرے وہ جنھوں نے مسلمانوں کی مصالح کے لیئے قرض لیا ہو ان کو خواہ فقیر ہوں یا غنی اس قدر دیا جائے کہ قرض ادا ہو جائے زیادہ نہ دیا جائے۔

ساتواں حصہ فی سبیل اللہ کا ہے اس سے مراد مجاہدین ہیں ان کو اس میں سے جہاد کی ضرورت کے موافق دیا جائے اگر جہاد فی ڈال کر رہنے والے ہوں تو جانے کا اور بقدر امکان وہاں کے قیام کا خرچ دیا جائے اور اگر جہاد سے واپس آنے والے ہوں تو آمد و رفت کا خرچ دیا جائے

آٹھواں حصہ ابن سبیل کا ہے اس سے مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس

زاد راہ نہ ہو یہ حصہ ان کو بشرطیکہ سفر کسی معصیت کے لیئے نہ ہو اس قدر دیا جائے کہ سفر میں کفایت کرے۔ اس میں آغاز سفر کرنے والا اور درمیان سفر والا برابر ہیں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں درمیان سفر والے کو دیا جائے آغاز کنندہ کو نہ دیا جائے آٹھوں قسم کے مستحقین کو زکات تقسیم کرنے کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ ان کی پانچ حالتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ ان کو بقدر کفایت مل جائے نہ کم ہو نہ زیادہ۔ اس صورت میں مستحقین زکات سے خارج ہو جائیں گے اب زکات طلب کرنا ان پر حرام ہوگا۔ دوسری یہ کہ ناکافی ہو اس صورت میں مستحقین سے خارج نہ ہوں گے بقیہ ضرورت کے لیئے کوئی اور تدبیر کی جائے۔ تیسری یہ کہ بعض کے لیئے کافی اور بعض کے لیئے ناکافی ہو لہذا پہلے تو مستحقین سے خارج ہو جائیں گے اور دوسرے خارج نہ ہوں گے۔

چوتھی یہ کہ سب کو کافی پہنچکر ان کے حصہ میں سے بچ جائے لہذا سب مستحقین زکات سے خارج ہو جائیں گے مابقی صدقہ کو دوسرے لوگوں کے لیئے جو قریب تر مقامات میں ہوں بھیجدیا جائے۔ پانچویں یہ کہ بعض کو پہنچکر ان کے حصوں میں سے بچ جائے اور دوسروں کے حصے ناکافی رہیں لہذا اول الذکر مابقی ان کو دیا جائے تاکہ ہر دو فریق کو بقدر کفایت پہنچ جائے۔ اگر آٹھوں اصناف موجود نہ ہوں تو موجودہ کو خواہ وہ ایک ہی صنف ہو زکات دی جائے غیر موجود صنف کا حصہ مال کے ہمسایوں کی طرف منتقل نہ کیا جائے مگر مجاہدوں کا حصہ جو بیشتر چھاونیوں میں رہتے ہیں دوسرے مقامات پر بھیجا جا سکتا ہے ہر مقام کی زکات وہیں کے مستحقین میں صرف کی جائے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں البتہ اگر وہاں کوئی صنف مستحق نہ ہو تو منتقل کی جائے اگر صنف مستحق کے موجود ہونے کی صورت میں دوسری جگہ منتقل کی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ ادا ہو جائے گی اور دوسرا یہ ہے کہ ادا نہ ہوگی یہی مذہب امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ کافر کو زکواۃ دینا جائز نہیں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف صدقہ فطر ذمی کو دینا جائز ہے معاہد کو یہ بھی دینا جائز نہیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ بنو ہاشم بنو عبد المطلب کو زکات دینا

جائز نہیں تاکہ گناہوں کے میل سے پاک رہیں امام ابو حنیفہؒ ان کو دینا جائز کہتے ہیں غلام، مدبر، ام ولد، اور جس کا بعض حصہ غلام ہو اسکو زکات دینا جائز نہیں۔ شوہر بیوی کو زکات نہ دے بیوی شوہر کو دے سکتی ہے امام ابو حنیفہؒ اس کو نا جائز فرماتے ہیں جس کے ذمے نفقہ واجب ہو اس کو زکات دینا جائز نہیں جیسے باپ یا بیٹا کیونکہ زکات دہندہ کی وجہ سے وہ بھی غنی ہوتے ہیں لیکن اگر یہ لوگ قرضدار ہوں تو قرضداروں کے حصے سے دینا جائز ہے ان کے علاوہ اور قرابت داروں کو دینا جائز ہے بلکہ ان کو دینا غیروں سے افضل ہے ایسے ہی مال کے ہمسائے دور والوں سے افضل ہیں اگر رب المال عامل کے پاس اپنے عزیزوں کو لاکر مطالبہ کرے کہ میری زکواۃ ان کو دو تو اگر دوسروں کی زکات میں اس کی زکات مخلوط نہیں ہوئی تو اس کی زکات ان ہی کو دی جائے اور اگر دوسروں کی زکات میں مخلوط ہوگئی تو یہ بھی دوسروں کی طرح مستحق ہوں گے لیکن بالکل خارج نہ کئے جائیں کیونکہ اس زکات میں ایسا حصہ بھی شامل ہے جس کے یہ لوگ زیادہ حقدار ہیں۔

رب المال کو عامل کے متعلق شک ہو اور اس سے مطالبہ کرے کہ تقسیم میرے سامنے کرو تو ایسا کرنا عامل پر لازمی نہیں کیونکہ رب المال اپنی زکات عامل کو دے کر سبکدوش ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر عامل رب المال کو تقسیم کے موقع پر حاضر ہونے کا حکم دے تو اس کو حاضر ہونا ضروری نہیں۔ اگر زکوت قبل از تقسیم عامل کے ہاتھ سے ضائع ہو جائے تو رب المال کی زکات ادا ہوگئی اور عامل بھی بشرطیکہ اس کی طرف سے تعدی نہ ہوئی ہو ضامن نہ ہوگا۔ اگر زکات عامل کو دینے سے پہلے رب المال کے ہاتھ میں ضائع ہو جائے تو بری نہ ہوگا اعادہ کرے زکات دینے سے قبل مال تلف ہو جائے تو اگر امکان ادا سے قبل تلف ہو زکات ساقط ہو جائیگی اور اگر امکان ادا کے بعد تلف ہوا ساقط نہ ہوگی رب المال اگر یہ دعوی کرے کہ وجوب زکات سے قبل میرا مال تلف ہو گیا تو اس کا قول قبول کیا جائے اگر عامل کو بدگمانی ہو تو تقویت کے لیئے اس سے قسم لے سکتا ہے۔ عامل کو ارباب اموال سے رشوت

لینا جائز نہیں تحائف بھی قبول نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عمال کے تحفے بیڑیاں ہیں۔ رشوت اور تحفے میں فرق یہ ہے کہ رشوت مانگ کر لی جاتی ہے اور تحفہ بلاطلب پیش ہوتا ہے۔

عامل سے خیانت سرزد ہو تو امام اس پر مقدمہ چلائے خود ارباب اموال کچھ نہ کریں ایسے ہی مستحقین زکواۃ بھی خصومت نہیں کر سکتے۔ مگر عام حاجتمنداں کی طرح فریاد کے لیئے آ سکتے ہیں عامل کے خلاف ان کی شہادت بدگمانی کی وجہ سے معتبر نہ ہوگی اور ارباب اموال کی شہادت اگر ان سے زکواۃ لینے کی بابت ہو تو غیر مقبول ہے اور اگر غیر محل میں صرف کرنے کی بابت ہو تو مقبول ہے اگر ارباب اموال کا دعویٰ ہو کہ ہم نے زکواۃ عامل کو ادا کردی عامل اس سے منکر ہو تو ارباب اموال اپنے دعویٰ پر قسم کھا کر بری ہو جائیں گے اور عامل اپنے پر قسم کھا کر بری ہو جائے گا۔ اگر بعض ارباب اموال بعض کے شاہد ہوں کہ انھوں نے زکواۃ عامل کو ادا کردی تو اگر یہ شہادت فریقین کے انکار و تخاصم کے بعد ہو تو غیر مسموع اور پہلے ہو تو مسموع ہے عامل سے تاوان وصول کیا جائے اس شہادت کے بعد اگر عامل یہ دعویٰ کرے کہ میں نے اس کو مستحقین میں تقسیم کر دیا تو مقبول نہ ہوگا کیونکہ سابق انکار سے اس دعویٰ کی تکذیب کر چکا ہے اگر مستحقین زکواۃ شہادت دیں کہ ہم وصول کر چکے ہیں تو ان کی شہادت بھی غیر مفید ہوگی وہ اپنے سابق انکار سے ان کی بھی تکذیب کر چکا ہے۔

عامل زکواۃ کی وصولی کا اقرار کرے اور مدعی ہو کہ حصہ داروں میں تقسیم کر چکا ہوں مگر حصہ دار انکار کریں تو عامل کا قول معتبر ہوگا وہ اس کے متعلق امین مانا گیا ہے۔ اور حصہ داروں کے انکار سے یہ ہوگا کہ وہ مستحقین سے خارج نہ ہوں گے کیونکہ ان کی احتیاج و ضرورت باقی ہے۔ حصہ داران زکواۃ میں سے جو شخص فقر کا دعویٰ کرے قبول کیا جائے اور جو شخص قرض کا دعویٰ کرے قبول نہ کیا جائے اور نہ بینہ تسلیم کی جائے۔

رب المال عامل کے سامنے مقدار زکواۃ کا اقرار کرلے اور اپنے مال

کی مقدار ظاہر نہ کرے تو اس کے قول پر اعتماد کرکے زکواۃ لینا جائز ہے مال حاضر کرنے پر مجبور نہ کرے۔ عامل سے تقسیم زکواۃ میں غلطی ہوجائے مثلاً غیر مستحقین کو زکواۃ دیدے تو اگر مالداروں کو جن کا مال مخفی رہ سکتا ہے زکواۃ دی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر ذوی القربیٰ کفار اور غلاموں کو جن کی حالت مخفی نہیں رہتی زکواۃ دے تو ضامن ہونے میں دو قول ہیں اور اگر تقسیم زکواۃ میں رب المال نے غلطی کی تو ان کو دینے میں جن کی حالت ظاہر ہوتی ہے جیسے ذوی القربیٰ وغیرہ ضامن ہوگا اور ان کو دینے میں جن کی حالت مخفی ہوتی ہے (جیسے دولتمند) ضمانت کے متعلق دو قول ہیں۔ لیکن ضمان کے ساقط ہونے میں عامل کے لیئے قدرے وسعت ہے اس کے مشاغل اور مصروفیت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا بصورت غلطی اس کا عذر زیادہ قابل سماعت ہوگا۔

بارھواں باب

فیئی اور غنیمت کی تقسیم

فیئی اور غنیمت وہ مال ہیں جو مشرکین سے حاصل ہوں یا مشرک ان کے حصول کا سبب ہوئے ہوں ان دونوں مالوں کا حکم مختلف ہے اور صدقات سے چار وجوہ میں ممتاز ہیں (۱) صدقات مسلمانوں سے ان کا مال پاک کرنے کے واسطے لیئے جاتے ہیں مال فیئی اور غنیمت کفار سے انتقاماً لیئے جاتے ہیں (۲) صدقات کا مصرف منصوص ہے اجتہاد کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ اور مال فیئی اور غنیمت اجتہاد کے مطابق صرف ہوتے ہیں (۳) صدقات کو ارباب اموال خود مستحقین میں صرف کر سکتے ہیں اہل فیئی اور اہل غنیمت مال کو خود مستحقین میں صرف نہیں کر سکتے بلکہ اہل اجتہاد حکام اپنے اختیار سے صرف کریں گے (۴) ہم عنقریب بتلائیں گے کہ دونوں کے مصرف جدا جدا ہیں۔

فیئی اور غنیمت میں دو امر مابہ الاتفاق اور دو مابہ الاختلاف یہ ہیں (۱) دونوں کفر کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں (۲) دونوں کے خمس کا مصرف ایک ہے۔ مابہ الاختلاف یہ ہیں (۱) مال فیئی برضامندی لیا جاتا ہے مال غنیمت جبراً لیا جاتا ہے۔ (۲) مال فیئی کے چار خمس کا مصرف مال غنیمت کے چار خمس کے مصرف سے جدا ہے ہم اس کو انشاء اللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔ اب ہم فیئی کی تفصیل شروع کرتے ہیں جو مال کفار سے بدون قتال اور چڑھائی کے

حاصل ہو جیسے مال صلح، جزیہ، ان کی تجارت کا عشر اور جس کے حاصل ہونے کا سبب ان کی طرف سے ہو جیسے مال خراج اس کا خمس اہل خمس میں پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں فئی میں خمس نہیں ہے مگر ان کا یہ قول نص قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ۔

ترجمہ:۔ جو مال اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اہل قریٰ سے دلائے وہ اللہ رسول ذوی القربیٰ، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیئے ہے۔

لہٰذا خمس کے پانچ مساوی حصے کیے جائیں ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کی حیات میں تھا جس میں سے آپ خود پر اور اپنی بیبیوں پر نیز اپنی اور مسلمانوں کی مصالح میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد علماء میں اختلاف ہے جو لوگ میراث انبیاء کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ کے وارثوں کو دیا جائے ابو ثور کہتے ہیں امام کو ملنا چاہیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ آپ کا قائم مقام ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد ساقط ہو گیا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی مصالح میں صرف کیا جائے جیسے فوج کی تنخواہیں، سواریوں، اور ہتھیاروں کی خرید، قلعوں اور پلوں کی تعمیر قاضیوں اور اماموں کی تنخواہیں وغیرہ جن میں مسلمانوں کی آسائش و راحت ہو۔ دوسرا حصہ ذوی القربیٰ کا ہے ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اب ان کا حصہ بھی ساقط ہو گیا امام شافعیؒ کے نزدیک باقی ہے۔ ذوی القربیٰ سے مراد صرف عبد مناف کی اولاد بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہے دوسرے قریشی داخل نہیں اس حصے کی تقسیم میں چھوٹے بڑے مالدار مفلس سب برابر ہیں کیونکہ قرابت کے نام سے دیا گیا ہے مگر مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہے ان کے غلاموں اور لڑکیوں کی اولاد کا اس میں کچھ نہیں ہے۔ جو شخص حصول مال کے بعد تقسیم سے قبل مر جائے اس کا حصہ اس کے وارثوں کو دیا جائے۔ تیسرا حصہ ضرورتمند یتیموں کا ہے یتیم کے معنی ہیں باپ کا مر جانا اس میں لڑکا اور لڑکی مساوی ہیں بلوغ کے بعد یتیم نہیں کہلاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لا یتم بعد الحلم (بلوغ کے بعد یتیم نہیں ہے) چوتھا حصہ مسکینوں کا ہے وہ اہل فیئ ہیں جن کو بقدر کفایت میسر نہ ہو مساکین فیئ مساکین صدقات سے علاوہ ہیں کیونکہ دونوں کے مصرف میں اختلاف ہے۔ پانچواں حصہ بنو السبیل کا ہے یہ وہ اہل فیئ مسافر ہیں جن کے پاس زاد راہ نہ ہو سفر کا آغاز کرنے والے اور دوران والے برابر ہیں خمس کی تقسیم کا حکم ختم ہوا۔

بقیہ چار خمس کی تقسیم میں دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ صرف لشکر کے لئے ہیں ان سے تنخواہیں مہیا رکھی جائیں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں دوسرا یہ کہ مسلمانوں کی مصالح عامہ فوج کی تنخواہوں اور جو کام مسلمانوں کے لئے ضروری ہوں ان میں صرف کئے جائیں فیئ کو اہل صدقات میں اور صدقات کو اہل فیئ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہر ایک کو اس کے مستحقین میں صرف کیا جائے اہل صدقہ وہ ہیں جو نہ مہاجر ہوں نہ مجاہد اور سلطنت کی حمایت کرنے والے اہل فیئ وہ ہیں جو مہاجر ہوں اور سلطنت و قوم کے محافظ اور دشمنوں سے جہاد کریں ابتدائً مہاجر اس کو کہتے تھے جو اپنا وطن چھوڑ کر اسلام کی طلب میں مدینہ آجاتا اور جو پورا قبیلہ مسلمان ہو کر ہجرت کر جاتا اس کو بررہ کہتے اور اگر قبیلہ کے بعض لوگ مسلمان ہو کر ہجرت کرتے ان کو خیرہ کہتے تھے یہ دونوں قسم کے مہاجرین پائے جاتے تھے فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم ساقط ہو گیا اور مسلمانوں کی دو قسمیں ہو گئیں ایک مہاجرین دوسرے اعراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اہل صدقہ کو اعراب اور اہل فیئ کو مہاجرین کہتے تھے یہ بات ان کے اشعار سے بھی ثابت ہے (بحر سریع)

قد لفّها اللیل بعصلبی — اروع خرّاج من الداوی

مهاجر لیس باعرابی

ترجمہ:۔ اس اونٹنی سوار بہادر پر رات چھا گئی جو جنگل سے نکلا چلا جا رہا تھا اور مہاجر تھا اعرابی نہ تھا۔

چونکہ دونوں فریق مختلف ہیں لہذا دونوں کے مال میں بھی امتیاز رکھا جائے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں برابر ہیں اسلئے ہر ایک کا مال دوسرے

فریق پر صرف کرنا جائز ہے۔

اگر امام کے نزدیک مسلمانوں کی مصلحت مدنظر رکھ کر کسی قوم کی ہمدردی حاصل کرنے کی ضرورت ہو (جیسے قاصد اور مولفہ) تو ان کو مال فئی میں سے کچھ دیسکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے روز بعض مولفہ کو عطیات دیئے ہیں چنانچہ عیینہ بن حصین کو سو اونٹ اقرع بن حابس کو سو اونٹ عطا فرمائے اور عباس بن مرداس کو پچاس اونٹ جس پر اس نے آپ سے ناراض ہو کر یہ شعر پڑھے۔ (بحر متقارب)

کانت نہابا تلافیتہا ۔۔۔ مکری علی المھر فی الاجرع

وایقاظی القوم ان یرقدوا ۔۔۔ اذا ھجع القوم لم اھجع

فاصبح نہبی ونہب العبید بین عیینۃ والاقرع

وقد کنت فی الحرب ذا قدرۃ ۔۔۔ فلم اعط شیئا ولم امنع

والا افائل اعطیتہا ۔۔۔ عدید قوائمہا الاربع

فما کان حصن ولا حابس ۔۔۔ یفوقان مرداس فی مجمع

وما کنت دون امرئ منہما ۔۔۔ ومن تضع الیوم لا یرفع

ترجمہ:۔ یہ غنیمت آپ کو میری بہادری اور ریگستان میں گھوڑے پر گھومنے سے ملی ہے جب لوگ سو جاتے ہیں نہ سوتا تھا بلکہ دوسروں کو جگاتا تھا مگر ثمرہ یہ ملا کہ عیینہ اور اقرع کے سامنے مجھے غلاموں کے برابر حصہ دیا گیا مجھے لڑائی میں شرکت کا اختیار تھا دینے لینے کی نوبت ہی نہ آئی۔ اگر میں نہ لڑتا تو تب بھی چند چوپائے مل جاتے حصن اور حابس کا رتبہ مرداس سے زیادہ تو نہیں ہے نہ میں ان سے کم رتبہ ہوں جو آج ذلیل ہوا وہ کبھی عزت نہ پائے گا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا جاؤ اس کی زبان کاٹ دو حضرت علیؓ گئے تو ان سے پوچھا کیا تم میری زبان کاٹو گے؟ آپ نے فرمایا نہیں تجھے اتنا دونگا کہ تو خوش ہو جائے آپ نے اس کو عطا فرما دیا قطع زبان سے یہی مقصود تھا۔

اگر انعامات کے دینے میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت نہ ہو صرف معطی کا نفع ہو تو خود اس کے مال میں سے محسوب ہوں گے کہتے ہیں ایک اعرابی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یہ شعر پڑھے (بحر سریع)

یا عمر الخیر جزیت الجنۃ   اکس بنیاتی و امہنہ

وکن لنا من الزمان جنۃ   اقسم باللہ لتفعلنہ

ترجمہ:۔ اے نیکو کار عمر تجھے جنت نصیب ہو میری بچیوں اور ان کی ماں کو کپڑے پہنا دے اور زمانے کے حملے کے وقت تو ہماری ڈھال ہو جا۔ تجھے قسم ہے اللہ کی ایسا ہی کر۔

حضرت عمر نے فرمایا اگر میں نے نہ کیا تو کیا ہوگا اعرابی نے کہا مصرع

اذا ابا حفص لاذھبنہ

ترجمہ:۔ اے ابو حفص میں چلا جاؤں گا۔

آپ نے پوچھا جب تو چلا جائے گا تو کیا ہوگا۔ اس نے عرض کیا۔

یکون عن حالی لتسألنہ   یوم تکون الاعطیات ھنہ

وموقف للمسؤل بینھنہ   اما الی نار و اما جنۃ

ترجمہ:۔ جس روز باز پرس ہو رہی ہوگی اور ہر شخص کا ٹھکانہ دوزخ یا جنت ہوگا تم سے میری بابت سوال ہوگا۔

کہتے ہیں یہ سنکر حضرت عمرؓ اتنے روئے کہ ریش مبارک تر ہوگئی فرمایا لڑکے میرا کرتا اس کو دیدو اور یہ اس دن کے خوف سے دیتا ہوں اس کے شعروں کی وجہ سے نہیں خدا کی قسم میں اس سے زیادہ کا مالک نہیں ہوں چونکہ اس کی منفعت ان کی ذات تک محدود تھی مصالح عامہ سے کچھ تعلق نہ تھا اس لیئے آپ نے اپنے ہی مال سے عطا فرمایا مسلمانوں کے مال سے نہیں دیا۔ یہ اعرابی اہل صدقہ میں داخل ہو سکتا تھا مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یا تو حضرت عمرؓ نے اس کے اشعار کی وجہ سے (جنھوں نے اس کو سوال پر آمادہ کیا) نہیں دیا یا اس لیئے کہ صدقہ ہمسایان مال کے صرف کا تھا اور اعرابی ان سے خارج تھا۔ غالباً حضرت عثمانؓ سے لوگوں کے بھڑکنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ انھوں نے ہر قسم کے عطایا مال فیئ میں سے دئے اور دونوں باتوں میں امتیاز نہ رکھا۔

امام اپنی اولاد نرینہ کا فیئ میں سے وظیفہ مقرر کر سکتا ہے کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں اگر بچے ہوں تو بچوں کی معاش میں ان کو مقدم رکھا جائے گا، اور بڑے ہوں تو یہ بھی اور سپاہیوں کی طرح اس کے مستحق ہوں گے ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ بالغ ہوئے تو اپنے والد عمرؓ بن الخطاب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا وظیفہ مقرر کر دیجئے آپ نے دو ہزار مقرر کر دیا ان کے بعد ایک انصاری لڑکا حاضر ہوا اس نے بھی یہی خواہش کی آپ نے اس کے لیئے تین ہزار مقرر کیا عبداللہؓ نے عرض کیا امیر المومنین آپ نے میرے لیئے دو ہزار اور اس کے لیئے تین ہزار مقرر فرمایا ہے حالانکہ اس کے باپ نے اسقدر کارنمایاں نہیں کیئے جتنے آپ نے کیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا بیشک میں نے دیکھا کہ تمھارا نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتا تھا اور اس کا نانا آپ کے ساتھ مل کر لڑتا تھا اور ماں کا حصہ ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

امام کو اپنی لڑکیوں کو مال غنیمت سے دینا جائز نہیں یہ اولاد خود اس کی تنخواہ میں شریک ہے غلام خواہ امام کے ہوں یا دوسروں کے اگر شریک جنگ نہ ہوں تو ان کے مصارف ان کے آقا کے ذمے ہیں اور اگر شریک جنگ ہوں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو حصہ دیتے تھے امام شافعیؒ عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے غلاموں کو دیتے البتہ ان کی وجہ سے ان کے آقاؤں کا حصہ لگاتے ہیں کیونکہ متعلقین کے اعتبار سے عطار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اگر آزاد کر دیئے جائیں تو ان کا علیحدہ حصہ لگانا جائز ہے۔ اہل فیئ کے نقیبوں کو دینا جائز ہے مگر ان کے عمال کو دینا جائز نہیں اس لیئے کہ نقیب اہل فیئ میں داخل ہیں اور عمال اپنے کام کی اجرت پاتے ہیں ذوی القربیٰ یعنی ہاشمی یا مطلبی فیئ کا عامل ہو سکتا ہے مگر صدقات کا عامل ہونا یہ تنخواہ جائز نہیں بلا تنخواہ کام کرے تو جائز ہے اس لیئے کہ صدقات ان پر حرام ہیں اور فیئ حرام نہیں۔ عامل فیئ کو وصول شدہ سرمایہ خود بلا اجازت تقسیم کرنا جائز نہیں۔ اور عامل صدقات جب تک ممانعت نہ کی جائے بلا اجازت تقسیم کر سکتا ہے اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ فیئ کے مصارف اجتہاد امام پر موقوف ہیں اور صدقات کے

مصارف نص قرآنی سے معین ہیں عامل فئی میں امانت وشجاعت کے ساتھ ایک صفت اور ہونی چاہئیے جو اختلاف ولایت سے بدلتی رہیگی اس صفت کی تین قسمیں ہیں (پہلی قسم) یہ ہے کہ اموال فئی کا مقرر کرنا جن جن مقامات پر ضرورت ہو ان پر جزیہ و خراج قائم کرنا۔ لہٰذا ایسے عامل کے تقرر کی یہ بھی شرط ہے کہ حر مسلمان احکام شریعت میں مجتہد اور حساب ومساحت میں ماہر ہو (دوسری) قسم یہ ہے کہ تمام اموال فئی کی تحصیل و وصول کے لیے مامور ہو اس کے تقرر کی تین شرطیں ہیں اسلام، حریت، اور مہارت حساب ومساحت فقیہ و مجتہد ہونا شرط نہیں اس لئے کہ اس کا کام صرف مقرر شدہ محاصل کا وصول کرنا ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اموال فئی کی کسی خاص نوع کے لیئے مامور ہو تو اگر اس کو نائب بنانے کی ضرورت بھی ہو تو اسلام و حریت اور مہارت حساب و مساحت ہونی شرط ہے چونکہ اس میں حکومت ولایت ہوتی ہے اس لیئے ذمی یا غلام کو مقرر کرنا جائز نہیں ہاں اگر اس کی نیابت کی ضرورت نہ ہو تو ذمی اور غلام کو بھی مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ یہ صورت محض قاصدانہ ہے۔ مگر ذمی کے تقرر کی صورت میں یہ ہے کہ اگر اس کے متعلق ذمیوں کے معاملات ہوں جیسے جزیہ اور ان کے مالوں کے عشر کی وصولی تو ذمی کا تقرر جائز ہوگا اور اگر مسلمانوں کے معاملات ہوں جیسے خراجی زمینوں کا جو مسلمان کے قبضہ میں آجائیں خراج وصول کرنا تو ذمی کے تقرر میں دونوں امر ہیں۔ (یعنی جواز اور عدم جواز) جب عامل کی حکومت باطل کردی جائے مگر وصولی سے نہ روکا جائے تو باوجود بطلان حکومت کے اگر مال فئی وصول کریگا تو ادا کرنے والا سبکدوش ہوجائے گا اس لیئے کہ لینے والے کو وصولی کی اجازت ہے اگرچہ اس کی حکومت نہیں رہی مگر وصولی بحیثیت قاصد کے کرسکتا ہے اور حکومت کے ہونے اور نہ ہونے میں یہ فرق ہوگا کہ حکومت کی صورت میں بجبر وصول کرسکتا ہے اور نہ ہونے کی صورت میں بجبر نہیں کرسکتا۔ اور اگر حکومت و وصولی دونوں سے معزول کردیا جائے تو نہ جبر کرسکتا ہے نہ وصول کرسکتا ہے جو شخص اس کی ہر دو معزولی کو جانتے ہوئے محصول ادا کرے گا بری نہ ہوگا اور نہ جاننے کی شکل میں وکیل کی طرح دونوں شکلیں ہیں

فصل

غنیمت کی اقسام و احکام فیئ کی بہ نسبت زیادہ ہیں غنیمت اصل اور فیئ فرع ہے غنیمت عام الحکم ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ اسری۔ سبی۔ اراضی اموال۔ اسری سے مراد وہ لڑنے والے مرد کفار ہیں جن کو مسلمان زندہ گرفتار کرلیں ان کے حکم میں فقہا کا اختلاف ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کفر پر قائم رہیں تو امام یا نائب امام حسب مصلحت ان چار امور میں سے ایک کو اختیار کرسکتا ہے۔ قتل کرنا۔ غلام بنانا۔ مال یا قیدیوں کے فدیئے میں چھوڑنا۔ بلا فدیہ لیئے بطور احسان کے چھوڑنا۔ اگر اسلام قبول کرلیں تو قتل ساقط ہے باقی تین امور میں اختیار ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کو تین امر کا اختیار ہے قتل کرنا۔ غلام بنانا۔ مردوں کے فدیئے میں چھوڑنا۔ عورتوں کے فدیئے میں یا احسان رکھ کر بلا فدیہ چھوڑنے کا اختیار نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دو امر کا اختیار ہے قتل کرے یا غلام بنائے۔ اور احسان رکھ کر یا مال کے فدیہ پر چھوڑنے کا اختیار نہیں ہے۔ مگر قرآن شریف سے ان ہر دو امر کا اختیار بھی ثابت ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے (فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارها۔ (اب احسان ہے یا فدیہ یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔

بدر کی لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعزہ جمحی کو مفت احسان رکھ کر اس شرط پر چھوڑا تھا کہ پھر نہ لڑے۔ مگر احد کی لڑائی میں پھر شریک ہو کر قید ہوا آپ (صلعم) نے قتل کا حکم دیا اس نے کہا مجھ پر احسان کرو آپ نے فرمایا لایلدغ المومن من جحر مرتین مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا) پھر آپ کے حکم سے قتل کردیا گیا۔

جب نضر بن الحارث بدر کی جنگ میں شریک ہونے کی وجہ سے مقام صفراء میں قتل کردیا گیا تو فتح مکہ کے دن اس کی بیٹی قتیلہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے حضور کو یہ شعر پڑھ کر سنائے (بحر کامل)

یا راکبا ان الاثیل مظنة   من صبح خامسة وانت موفق

ابلغ بہ میتاً فان تحیۃ ماان تزال بھا الرکائب تخفق
منی الیہ وعبرۃ مسفوحۃ جادت لمائحھا واخری تخنق
المحمد یا خیر ضنئ کریمۃ فی قومھا والفحل فحل معرق
النضر اقرب من قتلت قرابۃ واحقھم ان کان عتق یعتق
ماکان ضرک لو مننت وربما من الفتی وھو المغیظ المحنق

ترجمہ: اے شتر سوار تو آج سے پانچویں صبح کو خیریت کے ساتھ ببولوں کے جھنڈ کے پاس پہنچے گا وہاں جو شخص دفن ہے تو اسے میرا سلام پہنچانا کیونکہ شتر سوار اکثر یہ خدمت انجام دیتے ہیں میرے اس سلام کے ہمراہ تو میرے اشک چکیدہ اور ناچکیدہ کا بھی تحفہ لیتا جا اے محمد میں تم سے کیونکہ تم ماں اور باپ دونوں کی جانب سے اشرف ہو کہتی ہوں کہ تمھارے قتل کردہ لوگوں میں نضر تمھارا قریب تر عزیز تھا اور اگر غلام کی آزادی کا دستور ہے تو وہ سب سے زیادہ آزادی کا سزاوار تھا۔ اگر آپ احسان رکھ کر اسے چھوڑ دیتے تو آپ کا کچھ نہ بگڑ جاتا بلکہ شجاع تو بسا اوقات باوجود غیظ و غضب اور کینہ پروری کے احسان ہی کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کے اشعار سن لیتا تو نضر کو قتل نہ کرتا۔ اگر احساناً چھوڑنا جائز نہ ہوتا تو آپ (صلعم) ایسا نہ فرماتے آپ کے اقوال شرعی احکام ہوتے ہیں۔

فدیہ کے متعلق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑا ہے ان کے بعد ایک آدمی کو دو کے عوض چھوڑا ہے۔ مذکورہ بالا چار اختیارات کو استعمال کرنے کے لیئے امام کو چاہیئے کہ قیدیوں کے حسب ذیل حالات کی تفتیش کرکے اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لے جو شخص نہایت قوی ہیکل اور شدت سے لڑتا ہو اور اس کے مسلمان ہونے سے مایوسی ہو نیز یہ خیال ہو اس کا قتل اس کی قوم کے ضعف کا موجب ہوگا تو اس کو باندھ کر قتل کر دے مثلہ نہ کرے جو شخص قوی مضبوط کام کے قابل ہو اور اس کے متعلق اطمینان ہو کہ یہ نہ خائن ہے نہ خبث باطن رکھتا ہے تو اس کو مسلمانوں کی اعانت کی غرض سے غلام بنالے جس کے مسلمان ہونے کی امید ہو یا اسی قوم کا سردار ہو جس کے چھوڑنے سے خود اسلام لانے کی یا اس کے قوم کے مانوس ہونے کی امید ہو

اس کو احساناً چھوڑ دے تاکہ مسلمانوں کی تیاری اور قوت کا موجب ہو۔ یا اگر اس کے خاندان میں مسلمان مرد یا عورت اسیر ہوں تو ان کے عوض میں چھوڑ دے بہرحال احتیاط و مصلحت کے موافق یہ چاروں اختیارات استعمال کر سکتا ہے۔ فدیہ مالی مال غنیمت ہے اس میں شامل کر دیا جائے قید کرنے والے مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے اسیروں کا فدیہ قید کرنے والوں کو اس آیت کے نزول سے پہلے دیا تھا جس سے غنیمت کو غانمین میں تقسیم کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

اگر امام کسی شخص کو اس کی شرارت و اذیت حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے مباح الدم کر دے اور اسیر کر کے حاضر کیا جائے تو اس کو معاف اور رہا کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال چھ آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا اور ارشاد تھا کہ اگر کعبہ کے پردوں سے لپٹ جائیں تب بھی زندہ نہ چھوڑا جائے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی لکھتا تھا آپ فرماتے لکھو غفور رحیم وہ لکھتا علیم حکیم پھر مرتد ہو کر قریش کے ساتھ مل گیا اور یہ کہا کہ میں محمد کو جہاں سے چاہوں پھیر سکتا ہوں۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ)۔ عبداللہ بن خطل۔ اس کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گالیاں گایا کرتی تھیں حویرث بن نقیل آپ کو اذیت دیتا تھا۔ مقیس بن حبابہ اس کے بھائی کو ایک انصاری نے قتل کر دیا تھا اور اس نے خونبہا وصول کر لیا اس کے بعد اچانک قاتل کو قتل کر کے مرتد ہو کر مکہ واپس چلا گیا اور شعر کہے (بحر طویل)

شفی النفس ان قد بات بالقاع مسندا ... یضرج ثوبیہ دماء الاخادع

وکانت ہموم النفس من قبل قتلہ ... تلم فتحمینی عن وطاء المضاجع

ثارت بہ فہرا وحملت عقلہ ... سراۃ بنی النجار ارباب فارع

وادرکت ثاری واضطجعت موسدا ... وکنت عن الاسلام اول راجع

ترجمہ:۔ میرا جی اب اس بات سے خوش ہو گیا کہ میرا حریف چٹیل میدان میں پڑا ہوا ہے اور عقب گردن کی رگوں کا خون اوس کے بدن میں لتھڑا ہوا ہے

حالانکہ اس کے قتل سے پہلے میرے اوپر غموں کا اس قدر ہجوم رہتا تھا کہ مجھے بستر پر لیٹنا حرام ہوگیا تھا، اب میں نے تو اس سے زبردستی اپنا بدلہ لے لیا اور بنی النجار کے بڑے ناک والے سردار اس کا دیا ہوا زر دیت قبول کرکے بیٹھ گئے، میں نے اپنا بدلہ لے لیا اور تکیہ پر سر رکھ کر سو یا اور اسلام سے برگشتہ ہونے والوں میں اول ہوں۔

سارۃؓ ایک مطلبی کی لونڈی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا کرتی اور اذیت دیتی تھی۔ عکرمہؓ بن ابی جہل اکثر آپ کے خلاف مشورے کیا کرتا تھا تاکہ اپنے باپ کا بدلہ اتارے۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا قصہ یہ ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لیے امان مانگی آپ نے اعراض فرمالیا پھر دوبارہ امان مانگی جب وہ چلا گیا آپ نے فرمایا جب میں نے اعراض کیا تھا تم میں سے کسی سے یہ نہ ہوا کہ اس کو قتل کر دیتا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ آنکھ سے اشارہ فرما دیتے۔ آپ نے فرمایا نبی کی آنکھ خائن نہیں ہوتی۔ عبداللہ بن خطل کو سعد بن حریث مخزومی اور ابو ہرزہ اسلمی نے قتل کیا۔ مقیس بن جنابہ کو اس کی قوم کے ایک شخص مسمی نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کیا۔ حویرث بن نقیل کو حضور (صلعم) کے حکم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باندھ کر قتل کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کوئی قریشی باندھ کر بجز قصاص کے قتل نہ کیا جائے۔ ابن خطل کی دونوں لونڈیوں میں سے ایک قتل کر دی گئی اور ایک بھاگ گئی پھر آپ سے اس کے لیے امن کی درخواست کی گئی آپ نے امن دیدیا۔ سارۃ کہیں غائب ہوگئی پھر آپ سے امن کی درخواست کی گئی آپ نے امن دیدیا اس کے بعد پھر غائب ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک مسلمان کے گھوڑے کی لپیٹ میں آکر مرگئی۔

عکرمہ بن ابی جہل سمندر کے ساحل کی طرف چلا گیا اور یہ کہا کہ میں ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہتا جس نے ابو الحکم (یعنی اس کے باپ) کو قتل کیا ہے کشتی میں سوار ہوا تو کشتی والے نے کہا سورۂ اخلاص پڑھ لو پوچھا کیوں؟ اس نے کہا سمندر میں سورۂ اخلاص ہی کام آتی ہے۔ عکرمہ نے کہا اگر سمندر میں اخلاص ہی کام

آتی ہے تو خدا کی قسم خشکی میں بھی اخلاص ہی کام آئیگی یہ کہہ کر کشتی سے اتر آیا اس کی بیوی نے جو مسلمان ہو چکی تھی آپ سے اس کے لیئے امن حاصل کر لیا بعض کہتے ہیں امن لیکر سمندر کی طرف گئی یعنی بہر کیف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا اور فرمایا مرحباً بالراکب المہاجر (اے مہاجر سوار! خوش آمدید) عکرمہ مسلمان ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تم جو مانگو گے وہی دوں گا۔ عکرمہ نے عرض کیا حضور دعا فرمائیں کہ اسلام کے خلاف میں جو جو پیسہ خرچ کیا اور جہاں جہاں میں کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اللھم اغفر لہ ما سأل۔ عکرمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ زمانہ شرک کے ایک ایک درہم کی بجائے اب حالت اسلام میں دو دو درہم خرچ کروں گا۔ اور جہاں جہاں کفر میں ایک مرتبہ کھڑا ہوا تھا وہاں حالت اسلام میں دو مرتبہ کھڑا ہوں گا چنانچہ یہ جنگ یرموک میں شہید ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ چونکہ اس قصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بہت سے احکام موجود ہیں اس لیئے ہم نے پورا نقل کر دیا۔

فصل

ہرم کو پہنچے ہوئے بوڑھے یا بنجے یا تارک الدنیا راہبوں اور گرجا نشینوں کے متعلق یہ ہے کہ اگر لڑنے والوں کی مشوروں سے اعانت کرتے ہوں یا لڑائی پر بھڑکاتے ہوں تو موقع ملنے پر ان کو قتل کرنا جائز ہے اسیر ہونے کے بعد ان کا حکم لڑنے والوں کا ہوگا اور اگر مشورے اور بھڑکانے کا کام نہ کرتے ہوں تو ان کے قتل کے جواز میں دو قول ہیں۔

فصل

سبی سے مراد اسیر عورتیں اور بچے ہیں اگر اہل کتاب ہوں تو ان کا قتل

جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت فرمائی ہے۔ لونڈی غلام بنا کر مال غنیمت کے ساتھ تقسیم کر دی جائیں عورتیں اگر اہل کتاب کے سوا کسی اور قوم سے ہوں جیسے دہریے۔ بت پرست اور اسلام نہ لائیں تو امام شافعی رحمتہ اللہ کے نزدیک قتل کر دی جائیں اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک لونڈیاں بنائی جائیں مگر ماں اور اس کی اولاد میں جدائی نہ کی جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاتولہ والدۃ من ولدھا (ماں کو اولاد سے غافل نہ کیا جائے)

سبی کو فدیہ مال لیکر چھوڑنا جائز ہے یہ تبادلہ بیع کے حکم میں ہے اور انکا فدیہ بجائے مال غنیمت ہوگا۔ امام کے ذمے یہ ضروری نہیں کہ ان کو چھوڑنے کے بعد غانمین کو مال مصالحت سے روپیہ دے کر خوش کرے۔ اگر مسلمان اسیروں کے فدیے میں ان کو چھوڑے تو غانمیں کو مال مصالح سے اس کا معاوضہ دیا جائے۔ اگر بلا فدیہ لیئے رہا کرے تو غانمیں کی خوشنودی ضروری ہے یا تو وہ اپنے حقوق معاف کر دیں یا ان کو مالی معاوضہ دیا جائے اگر یہ رہائی مصلحت عامہ کی وجہ سے کی جائے تو مال مصالحت سے معاوضہ دیا جائے اور اگر اپنی ذاتی ضرورت سے کرے تو اپنے پاس سے معاوضہ دے۔ اگر غانمین میں سے کوئی شخص اپنا حق چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو تو اس پر جبر نہ کیا جائے مگر اسیر کا یہ حکم نہیں ان کو بلا فدیہ چھوڑنے کی صورت میں غانمین کی رضامندی ہونا ضروری نہیں وجہ یہ ہے کہ اسیر کا قتل مباح ہے اور سبی کا قتل ممنوع اس لیئے سبی مال غنیمت (اور غانمین کا حق) ہے اس سے بلا خوشنودی دست برداری نہیں ہو سکتی قبیلہ ہوازن کی عورتیں اور بچے جنگ حنین میں گرفتار ہوئے اور جب تمام مال اور سبی تقسیم ہو گئے اسکے بعد ان کے وفود نے آکر مراحم خسروانہ کی درخواست کی اور تعلق رضاعت یاد دلایا حلیمہؓ اسی خاندان سے تھیں۔ ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ جب ہوازن کی عورتیں اور بچے گرفتار ہو گئے تو ان کے وفود مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت جعرانیہ میں تشریف فرما تھے عرض کیا یارسول اللہ ہم خاندان والے اور شریف ہیں ہماری مصیبت آپ سے

مخفی نہیں ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان فرمائے پھر ان میں سے ابوصرد زہیر
بن صرد نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ان میں آپ کی پھوپھیاں، خالائیں
اور گود میں لینے والی اور آپ کو پرورش کرنے والی ہیں۔ اگر ہم حارث بن ابی شمر
یا نعمان بن منذر کو پرورش کرتے اور اسی قسم کا واقعہ پیش آتا تو ہمیں امید ہے کہ
وہ ہم پر کرم و مہربانی فرماتے مگر آپ ان دونوں سے بہتر ہیں اس کے بعد اس نے
یہ شعر پڑھے (بحر بسیط)

امنن علینا رسول اللہ فی کرم — فانک المرء نرجوہ وندخر

امنن علی بیضۃ قد عاقہا قدر — ممزق شملہا فی دہرہا غیر

امنن علی نسوۃ قد کنت ترضعہا — اذ فوک تملؤہ من محضہا الدرر

الآن اذ کنت طفلا کنت ترضعہا — واذ یزینک ما تأتی وما تذر

لا تجعلنا کمن شالت نعامتہ — واستبق منا فانا معشر زہر

اذ لم تدارکہا نعماء تنشرہا — یا ارجح الناس حلما حین یختبر

انا لنشکر للنعمی وان کفرت — وعندنا بعد ہذا الیوم مدخر

ترجمہ:۔ اے رسول اللہ آپ ہم پر کرم فرمائیں کیونکہ آپ کی ذات سے ہماری
تمام امیدیں وابستہ ہیں آپ ایسے رقبہ پر احسان فرمائیے جسے خوش بختی نے چھوڑ دیا ہے اس کا نظام
ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے اور بدبختی اس کے نصیبوں میں لکھی جا چکی ہے۔ آپ ان عورتوں پر
احسان فرمائیے جنھوں نے آپ کو بچپن میں اپنا خالص دودھ پلایا ہے اور آپ کی پرورش
اس طرح کی ہے کہ وہ ہاتھوں ہاتھ لیئے پھرتی تھیں آپ ہماری وہ گت نہ کر دیجئے جو قحط زدوں
کی ہوتی ہے اے سب سے بڑے حلیم آپ ہم پر رحم فرمائیں کیونکہ اگر آپ کے احسان نے
ہماری حالت درست کردی تو ہم بالکل ہی تباہ حال ہو جائیں گے اور آج کے بعد سے ہم ہمیشہ آپ کے
اس احسان عظیم کے شکر گزار رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمھیں اپنی عورتیں اور بچے محبوب
ہیں یا اپنا مال"، انھوں نے عرض کیا آپ نے دونوں میں اختیار دیا ہے تو ہمارے
بچے اور عورتیں واپس دیدیجئے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا جو میرے اور بنو مطلب کے حصے میں آئے وہ میں نے تمھیں دیدیئے

قریش نے کہا ہم نے اپنا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ انصار نے کہا ہم نے اپنا حصہ رسول اللہ (صلعم) کو دیا۔ اقرع بن حابس نے کہا میں اور بنو تمیم نہیں دیتے عینیہ بن حصن نے کہا میں اور بنو فزارہ نہیں دیتے۔ عباس بن مرداس سلمی نے کہا میں اور بنو سلیم نہیں دیتے بنو سلیم نے کہا ہم اپنا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے ہیں عباس نے بنو سلیم سے کہا تم نے مجھے ذلیل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا حق دینا نہیں چاہتا ہم اسے ہر آدمی کے بدلے میں چھ اونٹ دیں گے لہذا ان کے بچے اور عورتیں واپس کر دو چنانچہ سب نے واپس کر دئے عینیہ کے پاس ہوازن کی ایک بڑھیا تھی اس نے کہا میرے خیال میں یہ قبیلہ میں بڑی ذی نسب ہے اس کا بدلہ زیادہ ملے گا ابوصرد نے کہا اس کو چھوڑ دے خدا کی قسم نہ اس کے منہ میں ٹھنڈک ہے نہ پستان اٹھے ہوئے ہیں نہ پیٹ بچہ جننے کے قابل ہے نہ اس کا شوہر ایک ہے نہ اس کا دودھ اچھا ہے یہ سنکر اس نے چھ اونٹوں کے عوض میں بڑھیا کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد عینیہ نے اقرع سے ملکر شکایت کی اقرع نے کہا ما اخذتھا بیضاء غریرۃ ولا نصفا وثیرۃ (وہ خوبصورت نازک اندام یا میانہ عمر موٹی تازہ تو نہ تھی)

سبی میں شیما بنت حارث بن عبد عزی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن بھی موجود تھی اس پر سختی کی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہتی ہوئی آئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن ہوں آپ کے پاس پہنچکر عرض کیا میں آپ کی بہن ہوں آپ نے فرمایا کیا علامت ہے شیما نے کہا میں آپ کو گود میں لے رہی تھی آپ نے میرے کاٹ لیا تھا آپ نے علامت سے پہچان لیا اپنی چادر مبارک پھیلادی اور اس پر بٹھایا۔ اور فرمایا تمھیں اختیار ہے عزت کے ساتھ میرے پاس رہو یا بحفاظت اپنی قوم میں چلی جاؤ اس نے اس کو پسند کیا کہ کچھ عرصہ آپ کے پاس رہے اور پھر واپس بھیجدی جائے شیما کا قصہ وفد کے آنے اور سبی کے واپس ہونے سے پہلے ہو چکا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک اپنا غلام اور ایک لونڈی عطا فرمائی تھی شیما نے دونوں کا آپس میں نکاح کر دیا اب بھی کچھ لوگ

ان کی نسل سے باقی ہیں۔ اس پورے واقعے میں احکام کے ساتھ سیرۃ نبوی کا نمونہ بھی ہے سلاطین و حکام کو اس کا اتباع کرنا چاہئے ہم نے اسی غرض سے پورا نقل کیا ہے۔

اگر سبی میں منکوحہ عورتیں ہوں تو قید ہونے سے ان کے نکاح ٹوٹ جاتے ہیں خواہ شوہر بھی ساتھ ہی قید ہوں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر بھی ساتھ قید ہوں تو نکاح بحالہ باقی رہیں گے۔ اگر منکوحہ عورت قید ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ حرہ ہو گی اور عدت گزرنے پر نکاح باطل ہو جائے گا تقسیم کے بعد سبایا سے تاوقتیکہ استبرا رحم حیض سے یا وضع حمل سے نہ ہو جائے وطی کرنا حرام ہے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کی سبایا پر گزرے تو فرمایا خبردار حاملہ سے وضع حمل سے قبل اور غیر حاملہ سے حیض آنے سے پہلے ہمبستری نہ کی جائے۔

مسلمانوں کا جو مال کفار کے قبضے میں چلا جائے وہ اس کے مالک نہیں ہوتے مسلمان مالکوں کی ملکیت باقی رہتی ہے لہذا اگر پھر مسلمانوں کے ہاتھ آجائے تو اصل مالکوں کو بلا عوض دیدیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غلبہ پانے کے بعد کفار مالک ہو جاتے ہیں لہذا اگر کسی باندی کا مسلمان مالک دارالحرب میں جائے تو اس پر اس باندی سے وطی کرنا حرام ہے۔ اور اگر زمین ہو تو غلبہ پانے والے مسلمان ہو جائیں تو وہ احق ہوں گے اور اگر مسلمانوں کا غلبہ ہو جائے تو مالک کی بہ نسبت وہ احق ہو جائیں گے۔ امام مالکؒ کی رائے ہے کہ اگر مالک کو اس کا مال تقسیم سے۔ پہلے مل گیا تو وہ احق ہے اور اگر تقسیم کے بعد ملا تو قیمتاً مالک احق ہے اور بدون اس کے غانم احق ہے حربیوں کی اولاد کو جس طرح سبی بنانا جائز ہے اسی طرح حربیوں سے خریدنا بھی جائز ہے اہل عہد کی اولاد خریدنی جائز ہے سبی بنانا جائز نہیں ذمیوں کی اولاد کا خریدنا اور سبی بنانا دونوں جائز نہیں۔

ایک دو شخص کی لائی ہوئی غنیمت میں سے بھی خمس لیا جائے ابو حنیفہؒ اور ان کے صاحبین فرماتے ہیں کہ جب تک سریہ نہ ہو خمس نہ لیا جائے سریہ کے

متعلق اختلاف ہے ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک سریہ محفوظ اعداد کو کہتے ہیں ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ سریہ ۱۹ اور اس سے زائد اعداد ہیں اس لیئے کہ عبد اللہ بن جحش کے سریہ میں ۹ عدد تھے مگر اکثر فقہا کے نزدیک ان اعداد کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا عبد اللہ بن انیس کو خالد بن سفیان کی طرف سریہ بنا کر روانہ کیا تھا جس کو انھوں نے قتل کیا۔

نیز آپ نے عمر بن امیہ ضمیری اور ایک اور شخص کو سریہ بنا کر بھیجا تھا۔

والدین میں سے جو مسلمان ہو جائے کمسن اولاد اس کے تابع ہو کر مسلمان ہو گی خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں مگر بالغ اولاد بجز مجنون کے بالتبع مسلمان نہ ہوگی امام مالکؒ فرماتے ہیں باپ کے مسلمان ہونے سے کمسن اولاد مسلمان ہو جاتی ہے ماں سے نہیں ہوتی۔ بچے خود نہ مسلمان ہو سکتے ہیں نہ مرتد۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان بھی ہو سکتے ہیں مرتد بھی بشرطیکہ سمجھ اور تمیز آگئی ہو لیکن بلوغ سے پہلے قتل نہ کیئے جائیں۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں مسلمان ہو سکتے ہیں مگر مرتد نہیں ہو سکتے معن کی روایت سے امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر اپنے نفس کو پہچانتا ہو تو اس کا اسلام معتبر ہے ورنہ نہیں۔

فصل

زمینیں جن پر مسلمانوں کو استیلا حاصل ہو تین قسم کی ہیں۔ پہلی قسم وہ زمین جو جبراً قہراً قبضے میں آئے اور کفار کو قتل یا قید یا جلا وطن کر دیا جائے اس کے حکم میں فقہا کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کہتے ہیں دوسرے مالوں کی طرح یہ بھی غنیمت ہے غانمیں پر تقسیم کر دی جائے اگر وہ بخوشی نہ لینا چاہیں تو مسلمانوں کی مصالح کے لیئے وقف کر دی جائے امام مالکؒ فرماتے ہیں قبضے میں آنے کے ساتھ ہی عام مسلمانوں کے لیئے وقف ہو جائے گی غانمیں میں تقسیم کرنا جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں امام کو اختیار ہے خواہ غانمین میں تقسیم کر دے اس صورت میں زمین عشری ہو جائے گی خواہ مشرکین کو

واپس دیکر خراج قائم کر دے تو خراجی زمین ہو جائے گی۔ اور مشرکین ذمی ہو جائیں گے یا تمام مسلمانوں پر وقف کر دے بہر حال یہ زمین مسلمانوں کے پاس رہے یا مشرکین پھر آباد کر دئے جائیں چونکہ مسلمانوں کی مملوک ہے دار الاسلام ہوگی مگر مشرکین کو دے کر اس زمین سے دست بردار ہونا جائز نہیں تاکہ دار الحرب نہ ہو۔

دوسری قسم وہ زمین جو بلا دقت کفار کے بھاگ جانے کی وجہ سے ہاتھ آے یہ زمین استیلاء کے ساتھ ہی وقف ہو جائے گی بعض کے نزدیک ضروری ہے کہ امام اپنے الفاظ سے وقف کرے۔ نگرانی و حفاظت کے معاوضہ میں اس پر خراج مقرر کیا جائے اور اس کو مسلمان یا معاہد عامل سے جو وہاں مقرر ہو وصول کیا جائے۔ اس زمین سے خراج اور کھیتیوں اور پھلوں کا عشر دونوں لینے جائز ہیں لیکن جو کھجوریں استیلاء کے وقت موجود ہوں ان کی آمدنی سے عشر لینا واجب نہیں امام کو اختیار ہے ان پر خراج قائم کرے یا پھلوں پر مسافات اور بعد میں جو کھجوریں لگائی جائیں ان کی آمدنی سے عشر ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ زمین دار الاسلام ہوگی اس کی بیع فروخت اور رہن جائز نہیں جدید پیدا شدہ کھجوروں اور درختوں کی بیع بھی جائز نہیں۔

تیسری قسم کی وہ زمین ہے کہ اس پر مصالحت کے ساتھ بایں شرط استیلا حاصل ہو کہ زمین دشمنوں کے پاس رہے اور وہ اس کا خراج ادا کرتے رہیں اس کی دو قسمیں ہیں (پہلی) اس شرط پر مصالحت ہو کہ زمین پر قبضہ جاری رہے اس صورت میں یہ زمین دار الاسلام کی وقف ہے بیع اور رہن جائز نہیں اس کا خراج کرایہ ہوگا جو ہر حال میں خواہ اس کے باشندے مسلمان ہو جائیں یا زمین مسلمانوں کے پاس چلی جائے واجب الادا ہوگا۔

اس صلح کے بعد اس کے باشندے معاہد ہوں گے جو اگر جزیہ ادا کریں تو ہمیشہ وہیں آباد رہ سکتے ہیں اور ادا کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو مجبور نہ کیا جائے مگر عام معاہدین کے دستور سے زیادہ وہاں قیام نہ کر سکیں گے اس کی مدت چار ماہ ہے ایکسال سے زیادہ نہیں ہو سکتی چار ماہ اور ایک سال کے درمیان مقیم رہنے دینے کے متعلق دو وجہیں۔ (جواز و عدم جواز)۔

(دوسری) اس شرط پر مصالحت ہو کہ زمین ان کی ملک ہے اور اس کا خراج
ہمیں ادا کرتے رہیں یہ خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا جب مسلمان ہو جائیں ساقط ہو جائیگا
اس مصالحت سے زمین دار الاسلام نہیں ہوتی دار العہد ہوتی ہے وہ اس کی بیع
اور رہن کر سکیں گے جب کسی مسلمان کی ملکیت میں منتقل ہوگی خراج نہ لیا جائے گا۔
جب تک صلح کے پابند رہیں گے مقیم رہنے دئے جائیں گے ان سے جزیہ نہ لیا جائیگا
کیونکہ دار الاسلام سے خارج ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مصالحت سے
یہ زمین دار الاسلام ہوگی اور باشندے ذمی ہونگے لہذا جزیہ لیا جائے۔

مصالحت کے بعد نقض صلح کریں تو ان کے حکم میں اختلاف ہے امام شافعیؒ
فرماتے ہیں کہ اگر زمین کی ملکیت ان کو پہلے سے حاصل ہے تو سابقہ حالت کے مطابق
اس کا حکم ہوگا اور اگر وہ اس کے مالک نہ تھے تو اب یہ دار الحرب کے حکم میں ہوگی
امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے علاقے میں کوئی مسلمان ہو یا ان کے
یا دار الحرب کے درمیان کوئی مسلمانوں کا شہر ہو تو دار الاسلام ہے اس کے باشندے
باغی قرار دے جائیں گے اگر ایسا نہ ہو تو دار الحرب ہے امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ
فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں ان کا علاقہ دار الحرب ہو جاتا ہے۔

فصل

اموال منقولہ عام غنیمتوں کے حکم میں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اپنی
رائے سے تقسیم فرمایا کرتے تھے بدر کے دن مہاجرین و انصار میں نزاع ہوئی اللہ تعالیٰ
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک بنا دیا تاکہ جس طرح چاہیں خرچ فرمائیں ابو امامہ
باہلی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبادہ بن صامت سے انفال کے متعلق دریافت
کیا ان کی مراد یہ آیت تھی (یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول
فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم)

ترجمہ:۔ تم سے انفال (غنیمتوں) کی بابت پوچھتے ہیں کہدو وہ اللہ
اور رسول کی ہیں اللہ سے ڈرو اور آپس میں مصالحت کرلو۔

عبادہ بن صامت نے کہا۔ یہ آیت جب ہم بدر والوں میں نفل کے لئے

اختلاف ہوا نازل ہوئی تھی چونکہ ہماری نیتیں صاف نہ رہیں اللہ تعالیٰ نے ہم سے چھین کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدی آپ نے مساوی طور پر مسلمانوں میں تقسیم فرمادی اور اپنے لیئے منبہ بن حجاج کی تلوار مسمیٰ ذوالفقار انتخاب فرمائی اور اپنا حصہ بھی لیا۔

اس وقت تک خمس نہیں لیا جاتا تھا بدر کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا۔ (واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل)۔

ترجمہ:۔ اس بات کو جان لو کہ تم نے جو کچھ لوٹا ہے اس کا خمس اللہ، رسول، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے واسطے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صدقات کی طرح غنیمت کی تقسیم بھی خود ہی تجویز فرمادی اس لئے بدر کے بعد سب سے پہلی غنیمت جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ حصوں میں منقسم فرمایا بنی قینقاع کی غنیمت تھی۔

غنیمتیں جمع ہو جائیں تو لڑائی کے ختم ہونے سے پہلے تقسیم نہ کی جائیں تاکہ مکمل فتح اور ملکیت کا ہونا معلوم ہو جائے مبادا غازی اس میں مصروف ہو کر شکست اٹھائیں۔ لڑائی فتح ہونے کے بعد آیا فوراً دارالحرب میں یا دارالاسلام میں جا کر تقسیم کرے۔ اس کے متعلق امیر لشکر کی رائے معتبر ہے جیسا مناسب ہو عمل میں لائے۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں تقسیم کرنا جائز نہیں دارالاسلام میں جانے کے بعد تقسیم کرے تقسیم کرنے کے وقت سب سے پہلے مقتولین کا سلب تقسیم کرے ہر قاتل کو اس کے مقتول کا سلب دے خواہ امام نے اس کی شرط کی ہو یا نہ کی ہو امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر شرط کی ہو تو سلب کے مستحق ہوں گے ورنہ غنیمت ہے جس میں قاتلین سب کے ساتھ حصہ دار ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مال جمع ہونے کے بعد یہ اعلان کیا تھا من قتل قتیلا فلہ سلبہ (مقتول کا سلب قاتل کی ملک ہے) اور شرط مقدم ہوتی ہے نہ موخر۔ اس موقعہ پر آپ نے ابو قتادہ کو ان کے بیس مقتولوں کا سلب عنایت فرمایا تھا۔ سلب مقتول کے بدن کے لباس، ہتھیاروں اور اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس پر وہ سوار ہو۔ لشکرگاہ

میں جو اس کا سامان موجود ہو وہ سلب نہیں اس کی جیبوں کے مال اور سامنے کے گھٹری کے سلب ہونے کے متعلق دو قول ہیں۔ سلب سے خمس نہ نکالا جائے امام مالک رح فرماتے ہیں مستحقین خمس کے لیئے خمس نکالا جائے۔ سلب کی تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد صحیح قول یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس نکال کر حسب ارشاد خداوندی (واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ وللرسول الخ) مستحقین خمس میں تقسیم کرے ابو حنیفہ رح ابو یوسف رح و محمد اور مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ خمس کے تین حصے کئے جائیں یتیموں کے لئے۔ مساکین کے لیئے۔ مسافروں کے لیئے۔ ابن عباس رض فرماتے ہیں خمس کے چھ حصے کئے جائیں ایک حصہ اللہ تعالیٰ کا کعبے کی ضروریات میں صرف کیا جائے۔

خمس غنیمت کے مستحقین وہی ہیں جو خمس فئی کے۔ لہذا ایک خمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے بعد مصالح عامہ میں صرف کیا جائے دوسرا حصہ ذوی القربیٰ بنو ہاشم بنو عبد المطلب کا تیسرا یتیموں کا چوتھا حصہ مسکینوں کا۔ پانچواں حصہ مسافروں کا۔ خمس کی تقسیم سے فراغت پانے کے بعد اہل رضخ کو (مثلاً غلام عورتیں نیچے لیجیم جن کا غنیمت میں حصہ نہیں ہے اور لڑائی میں شریک ہیں کچھ عطا کرے ذمیوں کو بھی بقدر محنت و مشقت غنیمت سے عطیہ دے مگر کسی کے عطیہ کی مقدار سوار یا پیدل کے حصہ کے برابر نہ ہونے پائے اگر لڑائی کے وقت اہل رضخ کا نقص زائل ہو جائے مثلاً غلام آزاد لڑکا بالغ کافر مسلمان ہو جائے تو اگر لڑائی ختم ہونے کے قبل ہو تو حصہ دیا جائے عطایا اور انعامات نہ دیئے جائیں اور لڑائی ختم ہونے کے بعد ہو تو ان کا حصہ نہ لگایا جائے صرف انعام دیا جائے۔

خمس و انعامات کی تقسیم کے بعد اہل جہاد کو غنیمت تقسیم کرے اہل جہاد سے مراد حر مسلمان تندرست مرد ہیں اس میں لڑنے والے اور نہ لڑنے والے دونوں شریک ہیں کیونکہ نہ لڑنے والے لڑنے والوں کے معاون اور بوقت ضرورت سہارا ہوتے ہیں آیت وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا ترجمہ:۔ ان سے کہا گیا ہے کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا کم از کم دشمن کو روکو۔ میں علماء دو تاویلیں کرتے ہیں ایک یہ کہ تکثیر سواد مراد ہے یہ قول ابن جریج اور سدی کا ہے دوسری یہ کہ جنگ کے لیئے گھوڑے باندھنا اور پرورش کرنا مراد ہے

یہ قول ابن عون کا ہے۔ تقسیم غنیمت واجب ہے تقسیم کنندہ یا امیر لشکر کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور امام مالک رح فرماتے ہیں کہ مال غنیمت امام کی رائے پر موقوف ہے خواہ غانمین میں برابر برابر یا کم و بیش تقسیم کرے خواہ جو لڑائی میں موجود ہوں ان کو بھی شریک کرے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الغنیمۃ لمن شھد الوقعۃ سے (غنیمت شرکاء جنگ کے لیئے ہے) اس مذہب کی تردید ہوتی ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ غنیمت موجودین جنگ کے لیئے مخصوص ہے تو واجب ہے کہ سوار کا حصہ زیادتی مشقت کی وجہ سے پیدل سے زائد رکھا جائے زائد کی مقدار میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ سوار کے دو حصے پیدل کا ایک حصہ امام شافعی رح فرماتے ہیں سوار کے تین حصے پیدل کا ایک حصہ۔ سوار کا حصہ صرف گھوڑے سوار کو دیا جائے خچر، گدھے، اونٹ، اور ہاتھی کے سواروں کو پیدل کا حصہ دیا جائے۔ اصیل وغیر اصیل گھوڑے برابر ہیں۔ سلیمان بن ربیعہ کہتے ہیں کہ صرف اصیل پیشرو گھوڑوں کا حصہ لگایا جائے۔ گھوڑے کو جنگ میں ساتھ لانے ہی سے اس کا حصہ لگایا جائے اس پر سوار ہو کر جنگ کرنا ضروری نہیں۔ مگر لشکر میں پیچھے چھوڑدے تو حصہ نہ لگایا جائے۔ اگر کوئی شخص لڑائی میں چند گھوڑے لائے تو صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا جائے۔ یہی قول ابو حنیفہ رح اور محمد رح کا ہے ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ دو گھوڑوں کے حصے دے جائیں۔ یہی قول اوزاعی کا ہے اور ابن عیینہ کہتے ہیں کہ جتنے کام آئیں ان کا حصہ لگایا جائے۔ باقی کا نہ لگایا جائے جس کا گھوڑا لڑائی میں شریک ہو کر مر جائے اس کا حصہ لگایا جائے اور پہلے مر جائے تو نہ لگایا جائے یہی مسئلہ خود سوار کی موت کی صورت میں ہے۔ امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ اگر دار الحرب میں داخل ہو کر سوار یا اس کا گھوڑا مر جائے تو حصہ لگایا جائے لڑائی کے ختم ہونے سے قبل مدد آجائے تو وہ بھی غنیمت میں شریک ہے لڑائی ختم ہونے کے بعد پہنچے تو شریک نہیں امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں لڑائی ختم ہونے سے قبل اگر دار الحرب میں داخل ہو جائے تو غنیمت میں شریک کی جائے۔ غنیمت میں تنخواہ دار وغیر تنخواہ دار دونوں موجود ہوں تو مساوی حصے دیے جائیں۔ بلا اذن امام اگر کوئی جماعت جہاد کرے تو اس کی غنیمت سے بھی

خمس لیا جائے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں خمس نہ لیا جائے۔ حسن فرماتے ہیں ان کی غنیمت پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں امان لیکر جائے یا ان میں اسیر تھا انھوں نے رہا کر دیا تو اس کو ان کا جان و مال تلف کرنا جائز نہیں ان کو امن دینا اس کے ذمہ ضروری ہے۔ داؤد فرماتے ہیں کہ تلف کرسکتا ہے ہاں اگر وہ بھی اس سے اسی طرح طالب امن ہوں جس طرح اس کو امن دیا ہے تو مصالحت سے رہنا اس پر لازم اور تلف کرنا حرام ہے اگر سپاہیوں میں سے کسی نے جان توڑ کر ایسی کوشش کی ہو کہ اس کی بہادری اور پیش قدمی کا سکہ بیٹھ گیا ہو تو غنیمت کے اصل حصے کے علاوہ مصالح عامہ کے حصے سے اس کو مناسب انعام دیا جائے ایسے لوگوں کا حق نظر انداز نہ کرنا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا جھنڈا اپنے عم حضرت حمزہؓ کے بعد ربیع الاول ۲ھ میں عبیدہ بن حارث کو دیا تھا ان کی ہمراہ سعد بن وقاص بھی حجاز میں ادنی مار کی طرف روانہ ہوئے مشرکین کا سردار عکرمہ بن ابی جہل تھا سعد نے تیر چلایا جو نشانے پر لگا سب سے پہلا تیر اللہ کے راستے میں سعد ہی نے چلایا تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں (بحر وافر)

الا هل اتی رسول الله انی	حمیت صحابتی بصدور نبلی
اذود بها اوائلهم ذیادا	بکل حزونة و بکل سهل
فما یعتد رام فی عدو	بسهم یا رسول الله قبلی
و ذلک ان دینک دین صدق	و ذو حق اتیت به و عدل

ترجمہ:۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آگئی کہ میں نے تیروں کے سینوں سے اپنے ساتھیوں کی حمایت کی اور بڑھتے ہوئے دشمنوں کو سخت و نرم زمین میں سے دفع کر دیا۔ اے اللہ کے رسول مجھ سے پہلے کسی نے دشمن پر تیر نہیں چلائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا دین سچا ہے اور آپ حق و انصاف لے کر آئے ہیں۔

اس کے صلے میں جب سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اُن کے پچھلے قصور معاف فرما دئے۔

تیرھواں باب

جزیہ وخراج (مالگزاری)

جزیہ وخراج دو حق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین سے دلائے ہیں۔ یہ دونوں تین امور میں متحد اور تین میں ممتاز ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں کے احکام متفرع ہوتے ہیں جن امور میں اتحاد ہے یہ ہیں (۱) دونوں مشرک کی اہانت و ذلت کے طور پر لیئے جاتے ہیں (۲) دونوں مال فیٔ ہیں فیٔ کے مصارف میں خرچ کئے جائیں (۳) دونوں سال گزرنے پر وصول کئے جائیں اس سے قبل وصول کرنیکا حق نہیں۔ اور جن وجوہ سے ممتاز ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) جزیہ منصوص قرآنی ہے اور خراج مجتہد فیہ (۲) جزیہ کی کم از کم مقدار شرعاً مقرر ہے اور زیادہ مجتہد فیہ ہے۔ اور خراج کم ہو یا زیادہ مجتہد فیہ ہے۔

(۳) جزیہ کفر کی حالت میں لیا جاتا ہے اسلام لانے سے ساقط ہو جاتا ہے اور خراج کفر و اسلام دونوں حالتوں میں لیا جائے گا جزیہ سروں پر (یعنی فی کس) قائم کیا جاتا ہے یہ لفظ جزاء سے مشتق ہے یعنی جزائے کفر ہے کیونکہ ذلت کے طور پر لیا جاتا ہے یا بجائے امن دینے کی جزا ہے کیونکہ ان سے رفقاً لیا جاتا ہے اس کی اصلیت قرآن شریف سے ثابت ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے (قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیہ عن ید وھم صاغرون)

ترجمہ :- جو اہل کتاب اللہ پر ایمان نہ لائیں اس کی اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہ سمجھیں دین حق کے پیرو نہ ہوں ان سے یہاں تک قتال کرو کہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنے لگیں) ۔

الذین لایومنون اہل کتاب کے متعلق ہے یہ لوگ وحدانیت کے قائل تھے لہذا نفی ایمان کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کتاب اللہ یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے ۔ دوسری یہ کہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ رسول کی تصدیق سے اللہ پر ایمان ہوتا ہے (ولا بالیوم الآخر) میں دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ اگرچہ ثواب وعقاب کے قائل ہیں مگر آخرت کے دن کی وعید سے نہیں ڈرتے ۔ دوسری یہ کہ خدا تعالیٰ کے بیان کئے ہوئے عذاب کی تصدیق نہیں کرتے ۔ (ولا یحرمون ماحرم اللہ ورسولہ) میں دو تاویلیں ہیں (۱) یعنی ان کی شریعت کی وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا ہے حرام نہیں سمجھتے (۲) یعنی وہ چیزیں جو ان کے لیئے اللہ نے حلال فرمائیں اور جو حرام فرمائیں ۔

ولا یدینون دین الحق اس میں دو تاویلیں ہیں (۱) یعنی جو کچھ تورات وانجیل میں اتباع رسول کے متعلق ہے یہ قول کلبی کا ہے (۲) یعنی اسلام میں داخل ہونا یہ قول جمہور کا ہے ۔ من الذین اوتوا الکتاب اس میں دو تاویلیں ہیں (۱) ان کی اولاد جنھیں کتاب دی گئی (۲) وہ لوگ جن میں کتاب موجود ہے کیونکہ وہ اس کے اتباع میں اولاد کی طرح ہیں حتی یعطوا الجزیۃ اس میں دو تاویلیں ہیں (۱) یہاں تک کہ جزیہ ادا کریں (۲) یہاں تک کہ جزیہ کے ضامن ہوجائیں، کیونکہ ضامن ہوجائیں تو ترک قتال واجب ہے جزیہ میں دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ مجمل نام ہے ہم بغیر بیان کئے اس کی مراد سے ناواقف ہیں ۔ دوسری یہ کہ یہ لفظ اسمائے عامہ میں سے ہے اس کو جب تک کسی دلیل سے تخصیص نہ ہو عموم پر محمول کرنا چاہیئے عن ید میں دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ غنا اور قدرت سے ۔ دوسری یہ کہ وہ یہ سمجھیں کہ مسلمانوں کو اس کے لینے میں غلبہ اور قدرت ہے ۔ وہم صاغرون میں دو تاویلیں ہیں (۱) ذلیل و پامال (۲) یہ کہ ان پر اسلامی احکام نافذ ہوں

یعنی حاکم ہر اہل کتاب پر جو ہماری حفاظت میں داخل ہو جزیہ مقرر کرے تاکہ اس کی وجہ سے دارالاسلام میں رہ سکیں۔ جزیہ ادا کرنے سے ان کو دو حق حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان سے قتال نہ کیا جائے گا دوسرا یہ کہ ان کی حمایت کی جائیگی تاکہ امن وحفاظت سے زندگی بسر کریں۔ نافع ابن عمرؓ سے راوی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت یہ فرمائی کہ احفظونی فی ذمتی (میرے عہد کی حفاظت کرو)
عربوں سے بھی دوسروں کی طرح جزیہ لیا جائے ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک عربوں سے نہ لیا جائے تاکہ ذلیل نہ ہوں مرتد دہریے اور بت پرست سے بھی لیا جائے ابوحنیفہؒ عجمی بت پرستوں سے لیتے ہیں عرب کے بت پرستوں سے نہیں لیتے۔ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں ان کی کتاب تورات وانجیل ہے جزیہ لینے میں مجوسی اہل کتاب کی طرح ہیں مگر ان کا ذبیحہ کھانا ان کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ صابئیں اور سامرہ اگر اصول عقائد میں یہود و نصاریٰ سے متفق ہوں تو ان سے جزیہ لیا جائے فروع کا اختیار قابل اعتبار نہیں اور اصول عقائد میں ان سے مختلف ہوں تو نہ لیا جائے۔ اگر کوئی شخص ابتدائً یہودیت یا نصرانیت اختیار کرے تو اسی مذہب پر باقی رہنے دیا جائے اور ان کو تبدیل کرنے کے بعد پھر داخل ہو تو باقی نہ رہنے دیا جائے اور جس کی حالت معلوم نہ ہو اس سے جزیہ لیا جائے اور اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے۔ جو شخص یہودیت چھوڑ کر نصرانیت اختیار کرے صحیح قول یہ ہے کہ نصرانیت پر نہ رہنے دیا جائے اس کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے اگر چھوڑے ہوئے دین کو اختیار کرے تو اس پر باقی رکھنے کے متعلق دو قول ہیں خیبر اور دوسرے مقامات کے یہود جزیہ میں باجماع فقہا مساوی ہیں۔

جزیہ صرف حر عاقل مردوں پر واجب ہوتا ہے عورت بچے مجنون اور غلام سے نہ لیا جائے وہ تابع اور اولاد کے حکم میں ہوتے ہیں۔ اگر کوئی عورت اپنے شوہر یا رشتہ دار سے الگ ہو تو اس سے جزیہ نہ لیا جائے اس صورت میں اپنی قوم کے مردوں کے اگرچہ وہ رشتہ دار نہ ہوں تابع ہو گی اگر کوئی عورت دارالحرب چھوڑ کر دارالاسلام میں رہنے لگے اور یہاں رہنے کی وجہ سے جزیہ

دینا چاہے تو یہ اس پر واجب نہ ہوگا اس کی طرف سے ہدیہ سمجھا جائے گا دینا چھوڑ دے تو مجبور نہ کی جائے اس صورت میں اگرچہ اپنی قوم کے تابع نہیں ہے مگر اس کی حفاظت کی ذمہ داری کی جائے گی۔

خنثیٰ مشکل سے جزیہ نہ لیا جائے اگر اس کا اشکال زائل ہو کر ثابت ہو کہ مرد ہے تو اس سے گزشتہ اور آئندہ کا جزیہ لیا جائے۔

جزیہ کی مقدار میں فقہا کا اختلاف ہے ابو حنیفہ رح تین قسم کے آدمی قرار دے کر کہتے ہیں کہ دولت مندوں سے اڑتالیس درہم سالانہ اور متوسط طبقے سے چوبیس درہم سالانہ فقیروں سے بارہ درہم سالانہ لئے جائیں امام موصوف کے نزدیک اس میں کمی بیشی نہ ہوگی نہ اجتہاد حاکم کو دخل ہوگا۔ امام مالک رح فرماتے ہیں کہ کمی بیشی معین نہیں امام کے اجتہاد پر ہے۔ امام شافعی رح اس طرف گئے ہیں کہ اقل مقدار معین ہے یعنی ایک دینار اس سے کم نہیں ہو سکتا اس سے زیادہ امام کی رائے و اجتہاد پر ہے نیز سب سے برابر یا کم و بیش لینے کے متعلق بھی ان کے حالات کے اعتبار کر کے اپنے اجتہاد سے کام لے جب بالاتفاق امام اور سرداران کفار جزیہ کا معاملہ طے ہو جائے تو ہمیشہ کے لیئے ان پر اور ان کی اولادوں پر واجب و لازم ہو جاتا ہے آیندہ کسی حاکم کو اس میں تغیر و تبدل اور کمی و بیشی کا اختیار نہ ہوگا۔ اگر جزیہ سے دو چند صدقہ ادا کرنے پر مصالحت ہو جائے تو درست ہے حضرت عمر رض نے شام میں تنوخ بہرا اور بنی تغلب سے دو چند صدقہ لینا منظور فرما لیا تھا مگر عورتوں اور بچوں سے نہ لیا جائے کیونکہ دراصل یہ جزیہ ہے جس کے مستحقین اہل فئی ہیں زکوٰۃ نہیں جو عورتوں اور بچوں سے بھی لی جاتی ہے اگر صدقہ و جزیہ دونوں دینا چاہیں تو دونوں لیئے جائیں اگر ایک دینا چاہیں اور ایک دینار سالانہ سے کم نہ ہو تو یہ جزیہ ہے۔ اگر مصالحت مسلمان مسافروں کی مہمانی پر ہو تو تین روز کی مہمانی مقرر کی جائے اور اسی تقرر کا ان سے مطالبہ ہو اس سے زیادہ کی مقرر نہ کی جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے نصاری سے مسلمان مسافروں کی تین روز کی ضیافت پر مصالحت کی تھی

جو خود کھاتے ہوں وہی کھانا طلب کیا جائے ایسا نہ ہو کہ بکری و مرغی کھلانے پر مجبور کیا جائے اور ان کے جانوروں کو جو بھی میسر ہو اس مہمانی کا تعین اہل دیہات پر ہونا چاہئے شہریوں پر نہیں اگر ان سے ضیافت یا المضاعف صدقہ کی شرط نہ ہو تو ان کی زراعت اور پھلوں پر صدقہ واجب نہ ہوگا اور نہ ان کے ذمہ سائل و راہگیر کی ضیافت واجب ہوگی جزیہ کے ساتھ دو شرطیں اور قابل لحاظ ہیں ایک ضروری اور دوسری غیر ضروری۔ ضروری شرط میں چھ امور داخل ہیں (۱) کتاب اللہ پر طعن یا اس کی تحریف کے مرتکب نہ ہوں (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب و توہین نہ کریں (۳) اسلام کی مذمت اور اس پر اعتراضات نہ کریں (۴) مسلمہ عورت سے زنا کے مرتکب نہ ہوں نہ اس سے نکاح کا نام لیں (۵) کسی مسلمان کو مذہب سے نہ ورغلائیں نہ اس کے مذہب و مال سے کوئی تعرض کریں (۶) اہل حرب کی اعانت نہ کریں اور نہ اُن کے دولتمندوں سے راہ و رسم رکھیں یہ چھ امور بلا شرط کئے بھی واجب العمل ہیں شرط محض اطلاع اور عہد کی تاکید و تغلیظ کے لیئے کی جاتی ہے شرط کے بعد اگر ان میں سے کسی امر کی پابندی نہ کی گئی تو عہد ٹوٹ جائے گا۔

غیر ضروری شرط میں بھی چھ امور داخل ہیں (۱) خاکی لباس اور زنار پہنکر اپنی ہیئت ممتاز رکھیں (۲) اپنی عمارتیں مسلمانوں سے بلند نہ کریں زیادہ سے زیادہ مساوی رکھیں (۳) اپنے ناقوس اور اپنی کتابوں کی آواز مسلمانوں کو نہ سنائیں نہ ان کو عزیر و مسیح علیہما السلام کی بابت اپنے خیالات بتلائیں (۴) علی الاعلان شراب نوشی نہ کریں صلیبوں اور خنزیروں کا اظہار نہ کریں (۵) اپنے مُردوں کو خاموشی سے دفن کریں شور اور نوحہ نہ کریں (۶) عمدہ اور اصیل گھوڑوں پر سوار نہ ہوں خچروں اور گدھوں پر سوار ہونے کی ممانعت نہیں ہے۔ یہ چھ امور داخل معاہدہ نہیں شرط کرنے سے لازم ہوتے ہیں شرط کے بعد ان کے ارتکاب سے نقض عہد لازم نہ آئے گا مگر تادیبًا مواخذہ و گرفت ضرور کی جائے اور شرط نہ کی گئی ہو تو مواخذہ بھی نہ کیا جائے۔ امام کو چاہئے کہ طے شدہ شرائط کی نقول تمام شہروں کے دفاتر میں روانہ کردے تاکہ خلاف ورزی پر گرفت کی جائے کیونکہ ممکن ہے

مختلف قوموں سے مختلف شرائط پر مصالحت ہو جزیہ ہلالی مہینوں سے ایک سال گزرنے پر سال میں ایک مرتبہ واجب ہوتا ہے۔ سال کے اندر جو شخص مرجائے اس کے ترکہ سے اور جو مسلمان ہو جائے اس سے گزرے ہوئے ایام کا واجب شدہ جزیہ وصول کیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک موت اور اسلام سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر لڑکا بالغ ہو جائے یا مجنون کو افاقہ ہو جائے تو سال شروع ہونے دیا جائے اس کے بعد سے جزیہ لیا جائے فقیر مالدار ہو جائے تو لیا جائے اور کوئی تنگ دست ہو جائے تو اسے مہلت دی جائے۔ بوڑھے اور لنجے سے ساقط نہیں ہے بعض کہتے ہیں ان سے اور فقیر سے ساقط ہے۔

جب یہ لوگ اپنے دینی مسائل وعقائد میں باہم نزاع واختلاف کریں تو ان سے تعرض یا ان کے شبہات کا ازالہ نہ کیا جائے اپنے حقوق کا مقدمہ اپنے حاکم کے پاس لے جانے سے نہ روکے جائیں اگر ہمارے حاکم کے پاس مرافعہ کریں تو وہ قانون اسلامی کے ماتحت تصفیہ کرے یا سزائے حدود کے مستوجب ہوں تو ان پر جاری کی جائے ان میں سے جو شخص نقض عہد کرے اس کو اس کی جائے پناہ میں پہنچا دیا جائے اس کے بعد سے وہ حربی ہوگا۔ اہل عہد دار الاسلام میں اگر جان ومال سے محفوظ ہوں گے اور چار مہینہ تک بغیر جزیہ اور سال بھر جزیہ دیکر رہ سکتے ہیں ان دونوں مدتوں کے درمیان کے متعلق اختلاف ہے ذمیوں کی طرح ان کو بھی نقصان پہنچانا ممنوع ہے مگر دوسرے حملہ آوروں کا دفاع ضروری نہیں ذمیوں سے غیروں کا دفاع بھی ضروری ہے۔ عاقل بالغ مسلمان کسی حربی کو امان دے تو تمام مسلمانوں پر اس کی پابندی ضروری ہے امان دینے میں عورت مرد، غلام حر، مساوی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر غلام کو قتال کا اذن نہ ہو تو اس کا امان درست نہیں۔ بچے اور مجنوں کا امان صحیح نہیں اگر کسی کو امان دیں تو وہ حربی رہے گا اگر حربی اس قانون سے واقف نہ ہو تو پہلے اس کو اس کی پناہ گاہ میں پہنچا دیا جائے اس کے بعد حربی ہوگا اہل عہد اور اہل ذمہ جس وقت مسلمانوں کے خلاف جنگ کا مظاہرہ کریں تو فوراً حربی ہو جائیں گے لڑنیوالوں کو قتل کیا جائے اور باقیوں کا قصہ ان کے انکار اور رضامندی پر

پر موقوف رکھا جائے۔ ذمی جزیہ دینا چھوڑ دیں تو یہ نقض عہد ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں دارالحرب جانے سے پہلے نقض عہد نہیں ہے دیون کی طرح جبراً وصول کیا جائے۔

دارالاسلام میں نیا کنیسہ اور بیعہ تعمیر نہیں کر سکتے اگر بنائیں منہدم کر دیا جائے پرانے کی مرمت اور درستی کی اجازت ہے۔ ذمی نقض عہد کے بعد جب تک قتال نہ کریں ان کو قتل کرنا مال لوٹنا انکے اہل وعیال کا گرفتار کرنا مباح نہیں اس سے قبل ضروری ہے کہ ان کو امن کے ساتھ دارالاسلام سے نکال کر دارالحرب کے قریب ترین مقام میں پہنچا دیا جائے اگر خود نہ جائیں تو جبراً نکالا جائے۔

فصل

خراج ان حقوق سے ہے جو زمینوں پر مقرر کر کے وصول کیا جاتا ہے کتاب اللہ میں اس کا تذکرہ جزیہ کے تذکرہ سے جدا ہے اسی لیئے یہ اجتہاد ائمہ پر موقوف ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ام تسألہم خرجا فخراج ربک خیر

ترجمہ:۔ کیا آپ ان سے بدلا چاہتے ہیں؟ آپ کے رب کا خراج بہتر ہے۔

ام تسألہم خرجاً میں دو توجیہیں ہیں۔ ایک اجر دوسری نفع فخراج ربک خیر کے دو معنی ہیں ایک فرزق ربک فی الدنیا خیر منہ (آپ کے رب کا رزق دنیا میں اس سے بہتر ہے) یہ قول کلبی کا ہے دوسرے فاجر ربک فی الاٰخرۃ خیر منہ (آپکے رب کا اجر آخرت میں اس سے بہتر ہے) یہ قول حسن کا ہے۔

ابو عمرو ابن العلاء کہتے ہیں کہ خرج اور خراج میں یہ فرق ہے کہ خرج آدمیوں پر ہوتا ہے اور خراج زمینوں پر خراج لغت عرب میں کرایہ اور پیداوار کو کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول الخراج بالضمان اسی سے ہے۔

خراجی اور عشری زمینوں میں بحیثیت ملک اور حکم کے فرق ہے۔ تمام زمینوں کی چار قسمیں ہیں۔ (پہلی) جس کو ابتداءً مسلمان زیر کاشت لائیں اور آباد کریں۔ یہ عشری زمین ہے اس سے خراج لینا جائز نہیں اس کا مفصل تذکرہ باب پندرہ احیاء موات میں آئے گا۔ (دوسری) جس کے باشندے مسلمان ہو جائیں اس کے

مستحق وہی ہوں گے امام شافعی رحمتہ اللہ کے مذہب پر یہ عشری زمین ہوگی خراج لینا جائز نہیں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں خراج و عشر لینے میں امام کو اختیار ہے اگر خراج مقرر کرے تو پھر عشر سے تبدیل نہیں ہوسکتا اور اگر عشر مقرر کرے تو خراج سے تبدیل ہوسکتا ہے۔ (تیسری) وہ زمین جو مشرکین سے جبراً حاصل کی جائے اس کو امام شافعیؒ کے مذہب پر غانمین میں تقسیم کرکے عشری زمین قرار دیا جائے خراج لینا جائز نہیں امام مالکؒ کے نزدیک مسلمانوں پر وقف کرکے اس پر خراج لگایا جائے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں امام کو دونوں امر میں اختیار حاصل ہے۔

(چوتھی) جس پر مشرکین سے مصالحت ہوجائے اس پر خراج ہی لگایا جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کے باشندے بلا لڑے بھڑے اسکو چھوڑ کر بھاگ جائیں اور مسلمان کے ہاتھ آجائے یہ زمین مسلمانوں کے مصالح کے لیئے وقف ہوگی اور دائمی خراج بطور اجرت کے لیا جائے گا۔ اگرچہ مدت مقرر نہیں مگر مصالح عموی کے لحاظ سے درست ہے اس کا حکم اسلام اور ذمیت سے متغیر نہ ہوگا اور وقف ہونے کی حیثیت سے اس کی بیع بھی جائز نہ ہوگی۔ دوسری وہ جس کے باشندے اس میں مقیم رہیں اور مصالحت اس طرح پر ہو کہ زمین ان کے پاس رہے اور ہمیں خراج ادا کیا کریں اس کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ کہ بوقت مصالحت اس کی ملکیت ہمیں دیدیں۔ یہ زمین مسلمانوں پر اس طرح وقف ہوگی جس طرح ان کے بھاگ جانے کی صورت میں وقف ہوتی ہے اس کا خراج بطور اجرت کے ہوگا مسلمان ہوجائیں تو ساقط نہ ہوگا وہ اس کی بیع نہیں کر سکتے۔ جب تک صلح کے پابند رہیں اس زمین کے زیادہ حقدار رہیں ان سے چھین کر دوسروں کے حوالے نہ کی جائے خواہ مشرک رہیں یا مسلمان ہوجائیں جس طرح کرایہ کی زمین کرایہ داروں سے نہیں چھینی جاتی۔

اور اگر وہاں رہ کر متوطن ذمی بننا چاہئیں تو اس خراج کی وجہ سے جزیہ ساقط نہ ہوگا۔ اور اگر ذمی نہ بنیں تو معاہد ہوں گے ایکسال سے زیادہ مقیم نہیں رہ سکتے اس سے کم بغیر ادائے جزیہ بھی رہ سکتے ہیں (۲) اس کی ملکیت اپنے لیئے باقی رکھیں اور خراج دینے پر صلح کرلیں تو

یہ خراج بحکم جزیہ ہوگا اسلام لانے سے ساقط ہو جائے گا۔ یہ جائز ہے کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے
وہ اس زمین کی بیع آپس میں یا مسلمان یا ذمی سے کر سکتے ہیں آپس میں بیع کرنے سے
زمین خراجی رہیگی اور مسلمان سے بیع کرنے سے خراج ساقط ہو جائیگا اور ذمی
سے بیع کرنے میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ خراج ساقط نہ ہو کیونکہ مشتری بھی کافر ہے
دوسرا احتمال یہ ہے کہ ساقط ہو جائے کیونکہ ذمی ہونے کی وجہ سے یہ زمین عقد
مصالحت سے خارج ہو گئی۔

اگر خراج بحساب فی جریب کچھ مقدار ہو اور بعض سے مسلمان ہو جانے
کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو یہ کمی باقی لوگوں سے نہ وصول کی جائے۔ مابقی بحالہ
وصول کیا جائے اور اگر کل زمین پر خراج کی مقدار مخصوص بطور مصالحت مقرر ہو تو
بعض کے مسلمان ہونے سے بحساب جریب کچھ ساقط نہ ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ
فرماتے ہیں کہ جسقدر مسلمان ہونے سے کمی ہوئی وہ ساقط ہے دوسروں کے ذمہ
نہ ڈالی جائے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مال مصالحت پورا
وصول کیا جائے اس مسلمان سے اس کے اسلام لانے سے جو اس پر واجب
ہے ساقط نہ ہوگا۔

خراج کی مقدار زمین کی حیثیت پر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق
کے بعض حصوں پر فی جریب ایک قفیز اور ایک درہم مقرر کیا تھا آپ نے
اس میں کسریٰ بن قباذ کی رائے کو اختیار کیا سب سے پہلے اسی نے زمینوں
کی پیمائش حد بندی خراج اور دفاتر ایجاد کئے اور زمین کے متعلق تمام ایسے
امور کا لحاظ کیا جن سے زمیندار اور کاشتکار دونوں کو نقصان پہنچے۔ اس نے
فی جریب ایک قفیز اور ایک درہم مقرر کیا تھا قفیز کا وزن ۸ رطل تھا۔
جس کی قیمت مثقال کے وزن سے تین درہم تھی۔ دور جاہلیت کے عربوں
میں یہی خراج مروج تھا اسی لیئے زہیر بن ابی سلمیٰ اپنے معلقہ میں کہتا ہے
(بحر طویل)

فتغلل لکم ما لا تغل لاھلھا   قری بالعراق من قفیز و درھم

ترجمہ:۔ اس لڑائی کے نتائج اس قدر کثیر ہوں گے کہ عراق کی آمدنی

کے قفیزہ درہم بھی اتنے ہوں گے۔
اور دوسرے علاقہ پر اور مقدار معین فرمائی تھی چنانچہ عثمان بن حنیف کو وہاں عامل بنا کر بھیجا اور یہ حکم دیا کہ وہاں کی پیمائش کے بعد حسب حیثیت زمین پر خراج لگاؤ انھوں نے پیمائش کرکے حسب ذیل تجویز کیا انگور اور گھنے درختوں پر فی جریب دس درہم کھجور پر آٹھ اور نیشکر پر فی جریب چھ درہم، ترچیزوں پر پانچ درہم گیہوں پر چار درہم جو پر دو درہم اور اس کو لکھ کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں ارسال کردیا آپ نے اسے منظور کرکے نافذ فرمادیا شام کے علاقے میں کچھ اور مقرر فرمایا بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے زمین کی حیثیت سے خراج مقرر کیا تھا۔ تین باتوں سے زمین کے خراج میں کمی وبیشی ہوتی ہے ایک[1] یہ کہ کوئی زمین عمدہ اور بہتر پیداوار کی ہو اور کوئی خراب اور بری پیداوار کی نہ ہو۔ دوسری[2] یہ کہ مختلف غلوں اور پھلوں کی کاشت ہو کسی کی قیمت اچھی اٹھے اور کوئی کم قیمت ہو لہذا خراج میں اس کا لحاظ کیا جائے تیسری[3] ذرائع آب پاشی کیونکہ کول اور بارش کی بہ نسبت اونٹ پر لاد کر اور چرس سے سیراب کرنے میں زیادہ مشقت ہے۔ کھیتوں اور درختوں کے سیراب کرنے کی چار صورتیں ہیں ایک[1] یہ کہ آدمی چشموں اور نہروں سے پانی کی گولیں کھود کر لائیں اور بلا آلات کے حسب ضرورت سیراب کریں اور جب ضرورت نہ رہے پانی روک دیں اس طرح پانی بکثرت ملتا ہے اور مشقت قلیل ہوتی ہے۔ دوسری صورت یہ کہ بذریعہ آلات مثلاً چرس، رہٹ اور اونٹوں سے سیراب کریں یہ صورت سب سے زیادہ وقت طلب ہے۔ تیسری صورت یہ کہ بارش یا برف یا شبنم سے سیراب ہو اس کو عذی کہتے ہیں چوتھی صورت یہ کہ زمین پرنم ہو درختوں اور کھیتوں کی جڑیں اس میں سے پانی جذب کریں اس کو بعل کہتے ہیں غیل قنات اندرون نہر سے سیراب کرنے کو کہتے ہیں اگر اس میں کول بنائی جائے تو قسم اول میں داخل ہے ورنہ قسم ثانی میں کظائم کوؤں سے سیراب کرنے کو کہتے ہیں اگر ان میں چرس لگالیا جائے تو قسم ثانی میں داخل ہے اور بذریعہ قنات پانی نکالا جائے تو یہ غیل ہے قسم ثانی میں

داخل ہے۔ اس تفصیل کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ خراج مقرر کرنے والے کو اختلاف زمین اختلاف کاشت اختلاف سیرابی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ زمین کی حیثیت کے موافق کاشتکار اور اہل فی کے معاملہ میں عدل و انصاف کر سکے کسی فریق کا نقصان نہ ہو بعض لوگ ایک چوتھی شرط لگاتے ہیں وہ یہ کہ شہروں اور بازاروں سے قرب یا بعد کا لحاظ رکھے کیونکہ یہ قیمتوں کی کمی زیادتی میں موثر ہے مگر یہ شرط اس صورت میں قابل اعتبار ہے جبکہ خراج میں روپیہ لیا جائے غلہ لیا جائے تو غیر معتبر ہے برخلاف اس کے اوپر کی تینوں شرطیں نقد اور غلوں دونوں میں معتبر ہیں۔ اور جب خراج کے اندر مذکورہ بالا تفصیل معتبر ہے تو جس کی مقدار مختلف ہو اس میں کمی بھی صورت ہے۔ ہر علاقے کا مختلف خراج مقرر کرنا جائز ہے۔ زمین کی انتہائی حیثیت و وسعت پر خراج نہ لگایا جائے اس قدر نرمی کی جائے کہ اس کی وجہ سے کاشتکار مختلف حوادث و آفات کی کمی پوری کر سکیں۔ کہتے ہیں حجاج نے عبدالملک بن مروان سے محصولات بڑھانے کی اجازت چاہی عبدالملک نے منظور نہ کیا اور جواب میں لکھا جو درہم تم کو ملے اسی پر اکتفا کرو اور جو نہ ملا ہے اس پر حرص نہ کرو کچھ کاشتکاروں کو بھی چھوڑ دیا جائے تاکہ اس سے وہ راحت سے زندگی بسر کریں مقدار خراج طے ہونیکے بعد حسب ذیل تین امور میں سے جو مناسب ہو اختیار کیا جائے۔ (۱) یا تو زمین کی مساحت پر خراج لگایا جائے (۲) یا کھیتوں کی مساحت پر (۳) یا بطور تقسیم غلہ بصورت اول قمری سنہ کا اعتبار کیا جائے بصورت دوئم شمسی سنہ کا بصورت مقاسمہ کھیتوں کے پکنے اور صاف ہونے کا لحاظ رکھا جائے جب مقدار خراج کا معاملہ پہلے سے مکمل ہو تو ہمیشہ اسی طرح رکھنا چاہیئے یعنی جب تک زمین اس کیفیت پر رہے خراج میں کمی یا بیشی جائز نہیں اگر آب پاشی یا زمین کی صلاحیت میں کچھ فرق پیدا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ زیادتی یا نقصان ان کے اپنے فعل سے پیدا ہو مثلاً ان کے نہریں کھود دینے یا پانی نکالنے سے پیداوار بڑھ جائے یا زمین کی آبادی میں کمی اور اس کی اصلاح و درستی سے بے توجہی کرنے کی وجہ سے پیداوار کم ہو جائے۔ اس صورت میں خراج بحالہ قائم رکھنا چاہیے

نہ زیادتی کی وجہ سے بڑھایا جائے اور نہ کمی کی وجہ سے کم کیا جائے البتہ زمین کی کاشت پران کو مجبور کیا جائے تاکہ زمین خراب اور بنجر نہ ہونے پائے دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے فعل کو کچھ دخل نہ ہو مثلاً زمین شق ہونے یا نہر کے بیکار ہونے سے زراعت میں نقصان آئے تو اگر اس کی اصلاح و درستی ممکن ہو تو امام پر واجب ہے کہ مصالح کی مد سے روپیہ صرف کرکے اصلاح کرائے اصلاح ہونے تک خراج معاف رہے اور اگر اصلاح ممکن نہ ہو اور زمین کسی اور کام بھی نہ آسکے تو خراج بالکل ساقط کر دیا جائے اور اگر سوائے زراعت کے شکار گاہ یا چراگاہ کا کام دے سکے تو شکار اور چارہ کے مناسب خراج قائم کر دیا جائے کیونکہ یہ زمین مردہ اور بیکار زمینوں کی طرح نہیں ہے بلکہ مملوک ہے اور مردہ زمین مباح ہوتی ہے۔ اگر پیداوار قدرتی اسباب سے زیادہ ہو جائے مثلاً پہلے آلات سے سیراب کرتے تھے اب سیلاب کی وجہ سے ایک نہر بن گئی تو اگر عارضی ہو ہمیشہ رہنے کی امید نہ ہو تو خراج بڑھانا جائز نہیں اور ہمیشہ جاری رہنے کا یقین ہو تو زمینداروں اور اہل فئ کے مصالح کی رعایت سے امام از روے انصاف خراج زیادہ کرے۔ ہر اس زمین کا خراج لگایا جائے جس کی کاشت ممکن ہو خواہ بالفعل نہ کی جائے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس پر خراج نہیں ہے عام اس سے کہ باختیار خود کاشت چھوڑ دے یا معذور ہو۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ باختیار خود چھوڑے تو خراج لیا جائے اور معذور ہو تو ساقط ہے نہ لیا جائے۔ جس زمین کی کاشت چھوڑ دے اگر اس میں مختلف چیزوں کی کاشت ہوتی تھی تو اس سے ادنیٰ درجہ کی چیز کا خراج لیا جائے کیونکہ اگر وہ صرف اسی کی کاشت کرتا تو اس سے تعرض نہیں ہو سکتا تھا اگر زمین ہر سال کاشت کے قابل نہ ہو ایک سال چھوڑ کر کام میں آسکتی ہو تو ابتداءً خراج مقرر کرنے کے وقت ان تینوں امر میں سے جو امر اہل فئ اور کاشت کاروں کے لیے بہتر ہو عمل میں لایا جائے یا تو ان کھیتوں سے جو ہر سال کاشت کیے جائیں اس کا خراج نصف مقرر کرکے سال کاشت اور غیر کاشت دونوں کا لیا جائے یا اس کی پیمائش میں دو جریبیں ایک جریب کے حکم میں قرار دیکر

پورا خراج رکھا جائے ایک جریب سال کاشت کی دوسری غیر کاشت کی ہوگی یا سال کاشت اور غیر کاشت دونوں کا خراج مقرر کر کے زمین کی آدھی زراعت وصول کر لی جایا کرے اگر زراعتوں اور پھلوں کے اعتبار سے خراج مختلف مقرر ہو اور کاشت کار غیر تجویز شدہ شئے کی کاشت کرلے تو تجویز شدہ زراعتوں میں سے جس کے ساتھ صورت اور نفع میں یہ کاشت زیادہ مشابہ ہو اسی کا خراج وصول کیا جائے۔ اگر خراجی زمین میں ایسی شئے کاشت کی گئی جس پر عشر واجب ہوتا ہے تو خراج زمین کی وجہ سے عشر ساقط نہ ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں وصول کئے جائیں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں دونوں کو جمع نہیں کرتا خراج لوں گا اور عشر ساقط کرتا ہوں۔ خراجی زمین کو عشری اور عشری کو خراجی بنانا جائز نہیں امام ابوحنیفہؒ جائز کہتے ہیں۔ اگر زمین عشری خراج کے پانی سے سیراب کی جائے تو اس سے عشر لیا جائے اور خراجی زمین عشر کے پانی سے سیراب ہو تو خراج لیا جائے کیونکہ زمین کا اعتبار ہے پانی کا نہیں امام ابوحنیفہؒ پانی کا اعتبار کرکے پہلی صورت میں خراج اور دوسری میں عشر لیتے ہیں۔ مگر پانی کی بہ نسبت زمین کا اعتبار بہتر ہے کیونکہ خراج زمین سے اور عشر زراعت سے لیا جاتا ہے پانی پر خراج یا عشر نہیں ہے لہذا دونوں صورتوں میں اس کا اعتبار رہا۔ اسی اختلاف کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ خراج والے کو عشر کے پانی سے اور عشر والے کو خراج کے پانی سے سیراب کرنے کی ممانعت کرتے ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک جس پانی سے چاہے سیراب کر سکتا ہے خراجی زمین میں مکانات یا دوکانیں تعمیر کرے تب بھی خراج واجب الادا ہے۔ کیونکہ اس کو ہر طرح منفعت حاصل کرنے کا اختیار ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ خراج ساقط کر دیتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ کاشتکار کو رہنے کے مکان کی ضرورت ہوئی ہے اس کے بدوں چارہ نہیں لہذا جتنی زمین پر رہنے کی ضرورت کی قدر تعمیر کرے اس کا خراج معاف ہے اور ضرورت سے زائد کا خراج معاف نہیں خراجی زمین اگر کرایہ یا رعایت پر دی جائے تو اس کا خراج مالک کے ذمے ہے مستاجر اور مستعیر پر نہیں

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اجارہ کی صورت میں مالک پر اور رعایت کی صورت میں مستعیر پر ہے۔ زمین کے متعلق عامل اور صاحب زمین میں اختلاف ہو عامل دعویٰ کرے زمین خراجی ہے صاحب زمین کہے کہ عشری ہے اور دونوں کا قول ممکن ہو تو مالک کا قول تسلیم کیا جائے۔ اگر اس کے متعلق بدگمانی ہو تو تقویت کے لیئے اس کو قسم دی جائے۔ نیز ایسے اختلاف میں اگر رجسٹران سرکاری کی صحت کا علم اور اس کی کتابت قابل اعتماد ہو تو ان کی شہادت پر عملدرآمد کیا جائے کیونکہ رجسٹران سرکاری کے متعلق حدود کے سوا اور قضیوں میں شاذونادر اشکال شبہ ہوتا ہے۔

صاحب زمین اگر یہ دعویٰ کرے کہ خراج ادا کر دیا تو اس کا قول مقبول نہیں اور عشر کے متعلق مقبول ہے اداۓ خراج کی بابت بھی رجسٹران سرکار کی شہادت پر جو عموماً صحیح ہوتے ہیں عمل کیا جائے۔ جس شخص میں خراج ادا کرنے کی مقدرت نہ ہو اس کو مقدرت حاصل ہونے تک مہلت دی جائے ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں مقدرت ہو تو خراج واجب ہوتا ہے ورنہ ساقط اگر باوجود مقدرت کے ادا نہ کرے تو قید کر دیا جائے یا اس کا مال مل جائے تو اسے فروخت کرکے قرض کی طرح خراج وصول کر لیا جائے اور اگر خراجی زمین کے سوا اس کے پاس کچھ نہ ملے تو اگر سلطان کے نزدیک اس کا فروخت کرنا جائز ہو تو بقدر خراج فروخت کرے اور اس کے نزدیک جائز نہ ہو تو کرایہ پر دیکر کرایہ دار سے خراج وصول کرے اگر کرایہ زیادہ ہو تو اس کو دی جائے اور کم ہو تو کمی اس سے وصول کی جائے۔ صاحب زمین اگر کاشت کے قابل نہ رہے تو اس سے کہا جائے کہ یا تو زمین کو کرایہ پر دے یا دست بردار ہو جا تاکہ کسی اور کو کاشت کے لیئے دی جائے بیکار نہ چھوڑی جائے اگرچہ وہ خراج ادا کرے ورنہ بیکار رہنے سے زمین زراعت کے قابل نہ رہے گی۔

عامل خراج کے تقرر کے لیئے ضروری ہے کہ حر، امین کام کا اہل ہو اس کے بعد اختلاف تقرر سے شرائط مختلف ہوں گی اگر خراج مقرر کرنے کے لیئے مامور ہو تو فقیہہ و مجتہد ہو اگر وصولی خراج کے لیئے مامور ہو تو غیر فقیہہ

وغیر مجتہد بھی ہو سکتا ہے عامل خراج کی تنخواہ مال خراج سے دی جائے جیسے عامل صدقہ کی تنخواہ صدقات سے عاملوں کے حصہ سے دی جاتی ہے۔ اسی طرح پیمائش کرنے والوں کی تنخواہ خراج سے دی جائے۔ تقسیم کرنے والوں کی تنخواہ کی بابت اختلاف ہے امام شافعیؒ اس طرف گئے ہیں کہ عشر و خراج تقسیم کرنے والوں کی تنخواہیں عشر و خراج کے اس حق میں سے دی جائیں جس کو سلطان نے وصول کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غلہ عشر و خراج کی تقسیم کرنے والوں کی تنخواہیں دونوں قسم کی آمدنی سے دی جائے سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ خراج کی تنخواہیں سلطان پر اور عشر کی تنخواہیں زمین والوں پر ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں عشر کی تنخواہیں زمین والوں پر خراج کی تنخواہیں علی الوسط۔

فصل

چونکہ خراج مساحت معین پر بمقدار معین ہوتا ہے لہذا رفع حاجت، کے لیئے تین مقداروں کا جاننا ضروری ہے (۱) مقدار جریب باعتبار ذراع (ہاتھ) کے جس سے پیمائش کی جائے (۲) مقدار درہم جو خراج میں لیا جائے (۳) مقدار کیل جس سے پیمانہ کر کے لیا جائے۔ جریب ۱۰×۱۰ اقصبات کا ہوتا ہے قفیز ۱۰×۱ اقصبات کا ہوتا ہے عشیر ۱×۱ اقصبہ کا ہوتا ہے قصبہ ۶ ذراع کا ہوتا ہے۔ لہذا ایک جریب ۳۶۰۰ مربع ذراع ہوا اور ایک قفیز ۳۶۰ مربع ذراع ہوا جو جریب کا عشر ہے اور عشیر ۳۶ ذراع ہوا جو قفیز کا عشر ہے۔

ذراع سات قسم کا ہوتا ہے سب سے چھوٹا قاضیہ اس سے بڑا یوسفیہ[1] اس سے بڑا سوداء اس سے بڑا ہاشمیہ صغریٰ اس کا نام بلالیہ ہے اس سے بڑا ہاشمیہ کبریٰ ہے زیادیہ بھی یہی ہے۔ پھر عمریہ اور میزانیہ ہیں۔ قاضیہ جسکو ذراع ذور بھی کہتے ہیں ذراع سوداء سے ۱ ۱/۲ انگشت چھوٹا ہے اس کو قاضی

[1] یہ نسخہ مطبوعہ میں ہے اور قلمی میں نفیہ ہے۔

ابوبیلی نے ایجاد کیا تھا باشندگان کلواذلی اپنے معاملات اسی سے کرتے ہیں
یوسفیہ جس سے بغداد کے قاضی مکان کی پیمایش کرتے ہیں ذراع سوداء سے
۱ ۱/۲ انگشت کم ہے اس کو قاضی ابویوسف نے ایجاد کیا تھا ذراع سوداء ذراع یوسفیہ سے
۱/۲ انگشت بڑا ہے اس کو رشید رحمہ اللہ نے اپنے سیاہ خادم کے ہاتھ سے ناپ کر ایجاد کیا
تھا اور اسی سے لوگ کپڑوں کی تجارت، نیل مصر اور مکانات کی پیمایش کرتے ہیں۔ اور
ذراع ہاشمیہ صغریٰ جسے بلالیہ بھی کہتے ہیں سوداء سے ۲ ۱/۳ انگشت بڑا ہے
اس کو بلال بن ابی بردہ نے ایجاد کیا ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کے دادا
ابوموسیٰ اشعری کی ایجاد ہے یہ ذراع زیادیہ سے ۳/۴ حصہ کم ہے بصرہ اور
اور کوفہ میں اس سے لین دین ہوتا ہے ہاشمیہ کبریٰ شاہی ذراع ہے اس کو
ہاشمیہ کی طرف سب سے پہلے منصور نے منتقل کیا ہے یہ ذراع سوداء
سے ۵ ۲/۳ انگشت بڑا ہے لہٰذا ذراع سوداء سے اس کی پیمائش ایک ذراع
ایک ثمن ایک عشر ہوئی ہاشمیہ صغریٰ اس سے ۳/۴ حصہ کم ہے اس کو زیادیہ
اس لئے کہتے ہیں کہ زیاد نے سواد کی زمین اس سے پیمائش کی تھی۔ اہواز کی زمینیں
بھی اسی سے ناپی جاتی ہیں۔ ذراع عمریہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے
اس سے سواد کی زمینیں پیمائش کی تھیں۔ موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت
عمرؓ کا ذراع دیکھا ہے ایک ہاتھ ایک مٹھی اور ایک کھڑے انگوٹھے کے برابر
تھا۔ حکم بن عیینہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین ذراع سب سے
بڑا سب سے چھوٹا اور متوسط منگا کر تینوں کو ایک ساتھ ملایا اور مجموعہ کا ثلث
لیکر اس پر ایک مٹھی اور ایک کھڑا انگوٹھا زیادہ کیا اور اس کے دونوں طرف سیسے
سے مہریں لگا کر حذیفہ اور عثمان بن احنف کے پاس بھیجدیا انھوں سواد
کو اسی ذراع سے ناپا ان کے بعد سب سے پہلے عمر بن ہبیرہ نے اس سے
پیمائش کی ذراع میزانیہ ذراع سوداء کا دوچند اور ۲/۳ ذراع ۱/۲ انگشت ہے
اسکو خلیفہ مامون نے ایجاد کیا لوگ اس سے مسافت برید مکانات، بازار، نہروں
اور گڑھوں کی پیمائش کرتے ہیں۔

درہم کے متعلق اس کے وزن اور کھرے کھوٹے کا پہچاننا ہے۔

اسلامی عہد میں ایک درہم کا وزن ۶ وانق اور دس درہم کا ، مثقال قرار پایا۔
اس کے سبب میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ عہد فارس میں تین وزن
کے درہم مضروب ہوتے تھے ایک تو مثقال کے وزن سے بیس قیراط
کا دوسرا بارہ قیراط کا تیسرا دس قیراط کا۔ عہد اسلامی میں زکات لینے کی غرض
ان تینوں کے مجموعے یعنی ۴۲ قیراط کا وسط یعنی ۱۴ قیراط لے کر اس پر درہم
ضرب کرایا گیا ایسے دس درہم کا وزن ، مثقال کے برابر ہے۔
اور بعض کہتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے درہم میں اختلاف پایا
کوئی بغلی وزنی ۸ وانق ، کوئی طبری وزنی ۴ وانق کوئی مغربی وزنی ۳ وانق اور
کوئی یمنی وزنی ایک وانق تو حکم دیا کہ سب سے اعلیٰ اور سب سے ادنیٰ
کو جو زیادہ مروج ہوں جمع کرو۔ چنانچہ ایسے درہم بغلی اور طبری تھے جن کا مجموعہ
۱۲ وانق ہوا۔ ۱۲ وانق کا نصف ۶ لیکر اس پر اسلامی درہم ضرب کرایا اس لیے
اسلامی درہم ۶ وانق ہے اگر اس پر اس کا ۳/۷ حصہ زیادہ کیا جائے تو ایک
مثقال کا وزن ہوتا ہے اور مثقال میں سے ۳/۱۰ کم کیا جائے تو درہم کا وزن
نکلتا ہے۔ اس طرح سے ہر دس درہم کا وزن ، مثقال اور ہر ، مثقال کا
وزن دس درہم اور ہر دس مثقال کا وزن ۲/۷ ۱۴ درہم ہوا لہٰذا اسلامی درہم کی
چاندی خالص ہوتی ہے کھوٹ نام کو نہیں اہل فارس کے نظم و نسق بگڑنے
کے ساتھ ان کی نقود بھی کھوٹی ہو گئی تھیں مگر کھوٹ نظر انداز ہونے کی وجہ
سے معاملات لین دین میں کھری کے مساوی چلتی تھیں اسلامی سکے بالکل
کھرے ضرب کیے گئے اس کے بعد سے کھوٹے کھرے میں فرق ہونے لگا
اسلامی سکے کی ضرب سب سے پہلے کس نے کی؟ اس میں اختلاف
ہے سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے عبد الملک بن مروان
نے ضرب کرائے اس وقت رومی دینار اور کسروی وحمیری دراہم بھی کچھ کچھ
چلتے تھے ابو زناد کہتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان کے حکم سے حجاج نے
۷۴ھ میں عراق میں دراہم ضرب کرائے مدائنی کا قول ہے کہ حجاج نے
آخر ۷۵ھ میں ضرب کرائے اس کے بعد ۷۶ھ میں نواحی میں ضرب کرنے کا

حکم دیا ایک قول یہ بھی ہے کہ حجاج نے بلا حکم خود اپنی رائے سے ضرب کرائے اور اللہ احد اللہ الصمد کندہ کرایا اس کا نام مکروہ تھا وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کو فقہاء نے ناپسند کیا تھا کیونکہ آیت قرآنی جنب اور محدث کے ہاتھ میں جاتی تھی دوسری جماعت کہتی ہے کہ عجمیوں نے کم وزن ہونے کی وجہ ناپسند کیا تھا اس لیئے مکروہ سے موسوم ہوا۔ حجاج کے بعد یزید بن عبدالملک کے عہد میں جب عمر بن ہبیرہ والی ہوا تو اس نے پہلے سے زیادہ کھرا ضرب کرایا اس کے بعد خالد بن عبداللہ قسری والی ہوا تو اس نے اور شدت کی اس کے بعد یوسف بن عمر نے اور بھی شدت کر کے نہایت خالص ضرب کرائے اس وجہ سے ہبیریہ، خالدیہ، یوسفیہ عہد بنوامیہ کے خالص ترین سکے تھے منصور خراج میں ان کی نقود کے یہی سکے لیتا تھا۔

یحییٰ بن نعمان غفاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے مصعب بن زبیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کے حکم سے اکاسرہ کی ضرب پر دراہم ضرب کرائے ان کے ایک طرف برکتہ دوسری طرف للہ تحریر کرایا ایک سال کے بعد حجاج نے اس کو بدل کر ایک جانب بسم اللہ اور دوسری جانب حجاج لکھایا۔

معتبر اور چلنے کے قابل وہی سکے ہیں جو کھوٹ سے خالی ہوں۔ اس لحاظ سے سرکاری ضرب شدہ سکے چاندی سونے کے ٹکڑوں کی بہ نسبت زیادہ قابل اعتماد و اطمینان ہوتے ہیں ان میں مہر کی وجہ سے کھوٹ شامل کرنے کا احتمال نہیں رہتا۔ لہٰذا اگر بیع و شرا میں قیمتیں مطلقاً بولی جائیں یا تلف شدہ اشیاء کی قیمت لگائی ہو تو یہی سرکاری نقود مراد ہوں گی۔ اگر مہر شدہ سکے کھرے ہونے کے باوجود مختلف قیمت کے ہوں اور عامل خراج میں سب سے اعلیٰ کا مطالبہ کرے تو اگر وہ سلطان وقت کا سکہ ہو تو وہی ادا کرنا ہوگا ورنہ سلطانی سکے سے انحراف کرنا سلطان کی اطاعت سے نکلنے کے معنی رکھتا ہے اور کسی دوسرے کا سکہ ہو تو اگر پہلے عامل کو بھی یہی ادا

ہوتا تھا تو پہلے کا اعتبار کرتے ہوئے اب بھی یہی ادا کرنا ہوگا اور اگر پہلے عامل کو یہ ند پتے تھے تو اس کا یہ مطالبہ غبن اور ظلم ہے۔ ٹوٹے ہوئے دراہم و دنانیر کا لینا خلط والتباس کے احتمال کی وجہ سے ضروری نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ سالم کی بہ نسبت ان کی قیمت کم ہوتی ہے درہم و دنانیر توڑنے میں فقہا کا اختلاف ہے امام مالک اور اکثر فقہائے مدینہ کی رائے ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا فساد فی الارض ہے ایسا کرنے والے کو دھمکایا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے مسلمانوں کے مروج سکے کو توڑنے سے ممانعت فرمائی ہے سکہ اصل میں اس لوہے کا نام ہے جس پر درہم ضرب کیا جائے اسی مناسبت سے درہم کو سکہ کہتے ہیں۔ بنو امیہ کے والیوں کو یہ سخت ناگوار تھا سخت سزائیں دیتے کہتے ہیں مروان بن حکم نے ایک شخص کو جس نے فارس کا درہم کاٹا تھا گرفتار کرکے ہاتھ کاٹ دیا مگر یہ محض ظلم تھا جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی واقدی کہتے ہیں کہ ابان بن عثمان حاکم شہر تھا ایک شخص کو درہم توڑنے پر تیس کوڑوں کی سزا دی اور شہر میں پھرایا۔ واقدی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ سزا اس شخص کو دی گئی تھی جس نے توڑ کر اس میں کھوٹ ملایا تھا اگر واقعہ واقدی کے قول کے مطابق ہے تو ابان بن عثمان نے کچھ ظلم نہیں کیا کیونکہ اس نے تعزیر کی حد سے تجاوز نہیں کیا اور اس قسم کی جعلسازی میں تعزیر ضروری ہے لیکن مروان کا فعل یقیناً ظلم و تعدی تھا۔ امام ابو حنیفہؒ اور فقہائے عراق کی رائے ہے کہ دراہم کا توڑنا مکروہ نہیں۔

صالح بن حفص ابی بن کعب سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول (أو ان نفعل فی اموالنا ما نشاء) میں دراہم کا توڑنا مراد ہے امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ بضرورت توڑنا مکروہ نہیں اور بلا ضرورت مکروہ ہے کیونکہ بلا وجہ مال میں نقص و عیب پیدا کرنا حماقت ہے احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ اگر اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ہو تو توڑنا مکروہ ہے ورنہ نہیں اور جس حدیث سے اس کی ممانعت ہوتی ہے اس کو محمد بن عبداللہ انصاری قاضی بصرہ اس پر محمول کرتے کہ سکہ کو پتھرا بنا کر چلانے کے لیے توڑنے کی ممانعت ہے۔ اور دوسروں کے نزدیک

اس پر محمول ہے کہ توڑ کر برتن اور آرائش کی چیزیں بنانے کی ممانعت ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کے کنارے ادھر ادھر سے کترنے کی ممانعت ہے کیونکہ ابتداء اسلام میں لوگ اس کو گن کر معاملہ کرتے تھے اور اطراف کے کترنے سے اس میں کمی آجاتی تھی۔

کیل کے متعلق یہ ہے کہ اگر خراج مقاسمۃً ہو تو جس قفیز سے کیل کیا جائے تقسیم درست ہو جائیگی اور اگر اس کی مقدار معین ہو تو یہ کہا جاتا ہے کہ جس قفیز کو عثمان بن حنیف نے اہل سواد کیلئے تجویز کیا تھا اور اس کو حضرت عمرؓ نے منظور فرما لیا تھا وہی ان کا پیمانہ ہو گیا تھا جو شابرقان کے نام سے مشہور تھا یحیٰی ابن آدم کا قول ہے کہ حجاجی مہر بھی اسی پر لگی ہے کہا جاتا ہے اس کا وزن تیس رطل ہے اس لیئے مناسب یہ ہے کہ جس علاقہ پر ابتدائے پیمانہ کے ساتھ خراج مقرر کیا جائے اس کے باشندوں میں جو قفیز زیادہ مروج ہو اس کا اعتبار کیا جائے۔

چودھواں باب

مختلف علاقوں کی احکام

اسلامی ممالک کی تین قسمیں ہیں حرم ۔ حجاز ۔ ان دونوں کے ماسوا ۔ حرم سے مراد مکہ اور اس کے گرد کا وہ علاقہ جو نُصُب کے اندر واقع ہے حق تعالیٰ جل شانہ نے قران شریف میں اس کو دو نام سے ذکر فرمایا ہے ایک آیت میں مکہ (ھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم) لفظ مکۃ تمکّکت المخ من العظم تمکّکاً سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ہڈی سے مغز نکال لیا کیونکہ مکہ بھی اپنے اندر سے فاجر کو نکال دیتا ہے ۔ یہ اصمعی کا بیان ہے انھوں نے اپنی تلبیہ میں راجز کا یہ قول بھی پڑھا ہے ۔

یا مکۃ الفاجر مُکّی مکّاً ولا تمکّی مذحجاً وعکّاً

اور دوسری آیت میں بکۃ (ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً) اصمعی کہتے ہیں وسمیت بکۃ لان الناس یبکّ بعضھم بعضاً فیھا ۔ ای یدفع (بکہ اس لیئے نام ہوا کہ اس میں لوگ ایک دوسرے کو دفع کرتے ہیں اور یہ شعر پڑھا (بحر رجز)

اذا الشریب اخذتہ اکّہ فخلہ حتی یبکّ بکّہ

ان دونوں ناموں کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دو لغت ہیں اور مسمّیٰ ایک ہے میم کو با سے بدل لیتے ہیں جیسے ضربۃ لازم سے

ضربتہ لازب کیونکہ دونوں حرف قریب المخرج ہیں یہ قول تو مجاہد کا ہے اور دوسروں کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں مختلف نام ہیں جن کے مسمی بھی مختلف ہیں اس لئے کہ اختلاف اسامی اختلاف مسمی کے لئے موضوع ہے اس خیال والے مسمی کے بارے میں مختلف ہیں ایک قول یہ ہے کہ مکہ تمام شہر کا نام ہے اور بکہ بیت اللہ کا نام ہے یہ قول ابراہیم النخعی اور یحیٰی بن ابو ایوب کا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ مکہ تمام حرم اور بکہ مسجد ہے یہ قول زہری اور زید بن اسلم کا ہے مصعب بن عبداللہ زبیری کا بیان ہے کہ جاہلیت میں مکہ کا نام اس کے امن کی وجہ سے صلاح تھا استشہاد میں ابوسفیان بن حرب بن امیہ کے یہ شعر پڑھے ۔

(بحر وافر)

اباامطرھلموالی صلاح فیکفیک الندامی من قریش

وتنزل بلدۃ عزت قدیما وتامن ان یزورک ابن جیش

ترجمہ :- اے ابومطر تم مکہ آجاؤ قریش کے احباب تمہارے لیے کافی ہیں وہ ہر طرح سے تمہاری مدد کریں گے اگر تم مکہ آئے تو تم ایک ایسے شہر میں سکونت اختیار کرو گے جو زمانہ قدیم سے بہت معزز و موقر ہے اور یہاں کوئی فوج تم کو ستانے کے لئے نہیں آئیگی)

مجاہد کہتے ہیں کہ مکہ کے نام ام زحم اور باسہ بھی ہیں ام زحم اس لئے کہ لوگ اس میں تزاحم و تنازع کرتے ہیں اور باسہ اس لیئے کہ تبس من الحد فیھا ای تحطمہ و تھلکہ (جو شخص اس میں الحاد کرے اس کو تباہ و ہلاک کر دیتا ہے اسی مادے سے آیت میں ہے (وبست الجبال بسا) ایک روایت ناسہ کی ہے اس کے معنی ہیں انہا تنش من الحد فیھا ای تطردہ و تنفیہ (جو اس میں الحاد کرے اس کو دور کر دیتا ہے اور نکال دیتا ہے ۔

دراصل مکہ کی عظمت خدا کے گھر کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعمیر کرا کر اور اس کو لوگوں کی عبادت کے لئے قبلہ بنا کر اس بستی کا نام ام القریٰ رکھا ارشاد ہے (لتنذر ام القریٰ ومن حولھا)

ترجمہ : تاکہ آپ ام القریٰ اور اس کے گرد والوں کو ڈرائیں ۔

جعفر بن محمد اپنے باپ محمد بن علی رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں کہ بیت اللہ کی تعمیر اور اس کے طواف کی وجہ یہ ہوئی کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے فرشتوں سے فرمایا (انی جاعل فی الارض خلیفہ قالوا أتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم ما لا تعلمون)

ترجمہ:۔ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں فرشتوں نے عرض کیا "کیا تو وہاں ایسے شخص کو خلیفہ بنائیگا جو وہاں پر فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری حمد و تقدیس کرتے رہتے ہیں ارشاد ہوا مجھے معلوم ہے جو تمھیں معلوم نہیں۔

حق تعالیٰ فرشتوں سے ناراض ہو گیا فرشتوں نے پناہ مانگی اور اللہ تعالیٰ کو رضامند کرنے کے لیئے سات مرتبہ عرش کے گرد گھومے اللہ تعالیٰ خوش ہو گیا اور حکم دیا کہ زمین پر بھی ہمارا گھر بنا دو تاکہ جس آدمی پر ہم ناراض ہوں وہ اس کے پاس آکر تمھاری طرح پناہ مانگے اور طواف کرے۔ فرشتوں نے یہ بیت اللہ تعمیر کیا دنیا میں انسانوں کے لیئے یہ سب سے پہلا گھر تعمیر ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وھدی للعالمین) اس امر میں تمام اہل علم متفق ہیں کہ عبادت کے لیئے یہ سب سے پہلا مکان تعمیر ہوا مگر اس میں اختلاف ہے کہ آیا عبادت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی سب سے پہلا مکان یہی ہے یا نہیں حسن اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس سے پہلے بہت سے گھر موجود تھے اور مجاہد و قتادہ کا قول ہے کہ اس سے قبل کوئی گھر نہ تھا آیت میں لفظ مبارکا کے دو معنی ہیں کہ اس کا قصد کرنے میں ثواب و برکت ہے دوسرے یہ کہ تمام حتیٰ کہ جانوروں کے لئے بھی اس میں امن ہے۔ ہرن اور بھیڑیا اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ھدی للعالمین میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ توحید کی طرف ہادی رہنما ہے۔ دوسرے یہ کہ عبادت حج و نماز کی طرف رہنما ہے۔ فیہ آیات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہ کان آمنا۔

ترجمہ:۔ اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم ہے، ہر شخص اس میں داخل ہو کر مامون ہوتا ہے۔

مقام ابراہیم میں جو ایک پتھر ہے آیت و نشانی یہ ہے کہ اس میں حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں اور مقام ابراہیم کے سوا نشانیاں حسب ذیل ہیں ایسکے خوف زدہ کو امن ملنا بیت اللہ کو دیکھنے سے ہیبت طاری ہونا پرندوں کا اوپر نہ اڑنا، اس میں سرکشی کرنے والے کو فوراً سزا ملنا۔ دور جاہلیت میں اصحاب فیل کا واقعہ جہلائے عرب کے دلوں میں اسکی عظمت کا ہونا اسمیں داخل ہونے والے جہلائے عرب جو نہ اہل کتاب تھے اور نہ کسی شریعت کے احکام کے پابند اس پر بھی ان میں سے کوئی کعبہ میں اپنے بھائی یا باپ کے قاتل کو دیکھ پاتا تو اس سے وہاں اپنے انتقام کا مطالبہ نہ کرتا۔ یہی وہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر القا فرمائی تھیں۔ دور اسلام میں اس کے امن کے متعلق قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ (ومن دخلہٗ کان آمنا) اس میں دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ آگ سے محفوظ و مامون ہے۔ یہ قول یحییٰ بن جعدہ کا ہے دوسری یہ کہ قتل سے مامون ہے اس لیئے کہ حق تعالیٰ نے ہر داخل ہونے والے پر احرام واجب فرمایا ہے بغیر احرام باندھے اس میں داخل ہونا ممنوع ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے وقت بلا احرام داخل ہوئے تو فرمایا کہ میرے لیئے دن کا تھوڑا سا حصہ حلال کیا گیا ہے مجھ سے پہلے کسی کے لیئے حلال نہیں کیا گیا۔ اور نہ آیندہ میرے بعد کسی کے لیئے حلال کیا جائے گا اس کے بعد ارشاد ہے۔ (وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا)

ترجمہ:۔ جن لوگوں میں اس تک پہنچنے کی وسعت ہو ان پر اللہ کے لیئے حج بیت فرض ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ بنانے کے بعد اس کا حج بھی فرض کر دیا گیا کیونکہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم سنہ ۲ھ میں ہوا اور حج کی فرضیت سنہ ۹ھ میں ہوئی چونکہ کعبہ سے دو عبادتیں متعلق ہیں نیز حرم ہونے میں سب شہروں سے ممتاز ہے اس لیئے پہلے ہم اس کا تذکرہ کرتے ہیں اس کے بعد اس کے حرم ہونے کے حکم کی بابتہ بتلائیں گے اس کی تعمیر طوفان کے بعد سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے کی ہے قرآن شریف میں ہے واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

ترجمہ: جب ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور یہ کہتے جاتے تھے) اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ان ہر دو حضرات کی التجا و قبولیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی تعمیر کیلئے مامور تھے۔ اس کو کعبہ بلند ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں۔ کعبت المراۃ سے ماخوذ ہے جبکہ عورت کے پستان ابھر آئیں۔ اسی سے ٹخنے کو کعب کہتے ہیں کیونکہ اس کی ہڈی اٹھی ہوئی ہوتی ہے ابراہیم علیہ السلام کے بعد جرہم اور عمالقہ اس کے متولی رہے بالآخر وہ مٹ گئے عامر بن حارث کا ان کے متعلق مقولہ ہے۔ (بحر طویل)

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا انیس ولم یسمر بمکۃ سامر
بلی نحن کنا اھلھا فابادنا صروف اللیالی والجدود العواثر

ترجمہ: گویا کہ کبھی حجون اور صفا کے درمیان پیار کوئی دوست ہی نہ تھا اور نہ مکہ میں کبھی کسی افسانہ گو نے کوئی افسانہ بیان کیا بیشک ہم کبھی یہاں کے باشندے تھے مگر زمانہ کی گردش اور پے در پے مصائب نے ہمیں برباد کر دیا۔

اس کے بعد جب قریش بڑھ گئے اور گئی ہوئی عزت پھر ہاتھ آگئی تو کعبہ ان کے ہاتھ آگیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے گھر نبوت کا چراغ روشن فرمائے۔ ابراہیم علیہ السلام کے بعد قریش میں سے قصی بن کلاب نے اس کو پھر تعمیر کیا دوم کی لکڑیوں اور کھجور کے پتوں کی چھت ڈالی۔ اعشیٰ کہتا ہے۔ بحر طویل)

حلفت بثوبی راھب الشام والتی بناھا قصی وحدہ وابن جرھم
لئن شب نیران العداوۃ بیننا لیرتحلن منی علی ظھر شیھم

ترجمہ: میں راہب شام اور خانہ کعبہ کی جسے تنہا قصی اور ابن جرہم نے بنایا ہے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہمارے درمیان عداوت کی آگ روشن ہوئی تو وہ میرے مقابلہ سے خوف زدہ ہو کر بھاگے گا۔

اس کے بعد قریش نے تعمیر کیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کی تھی آپ تعمیر میں شریک تھے دروازہ زمین کے برابر تھا ابو حذیفہ بن مغیرہ نے کہا کعبہ کا دروازہ اتنا اونچا لگاؤ کہ سیڑھی سے چڑھنا پڑے تاکہ جسے تم چاہو وہ داخل ہو اور جس کو نہ چاہو تیر مار کر گرا دو تاکہ اپنے کئے کی سزا

بھگتے چنانچہ قریش نے اس کی رائے کے مطابق عمل کیا اس تعمیر کی وجہ یہ ہوئی
تھی کہ کعبہ منہدم ہو کر ایک قامت کے برابر رہ گیا تھا قریش نے اس کو اونچا
کرنے کا ارادہ کیا سمندر نے جدہ کے کنارے ایک رومی تاجر کی کشتی پھینک دی تھی
اس کے تختے اٹھا لائے کعبہ میں ایک سانپ رہتا تھا لوگ اس سے ڈرتے
تھے وہ دیوار پر چڑھا کہ ایک پرندے نے آکر اسے اچک لیا قریش نے کہا کہ
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کو ہمارا ارادہ پسند ہے اس لیئے
اس کو گرا کر از سر نو تعمیر کر کے کشتی کے تختے لگائے یہ تعمیر اس وقت تک باقی رہی
جبکہ سنہ ۶۴ھ میں یزید بن معاویہ کے عہد میں حصین بن نمیر اور شامی لشکر کی عبداللہ بن
زبیر سے لڑائی ہوئی اور حصین بن نمیر نے عبداللہ کو مسجد میں محصور کر لیا حصین
کے آدمیوں میں سے ایک شخص نے نیزے کے سرے پر لکڑی باندھ کر آگ
لگائی آندھی چل رہی تھی کہ ایک غبارہ اڑ کر کعبہ کے پردوں میں جا لگا پردے
جل گئے دیواریں پھٹ گئیں اور جھلس گئیں پتھر ادھر ادھر اڑ گئے جب
یزید مرا اور حصین بن نمیر واپس ہوا تو عبداللہ بن زبیر نے اپنے لوگوں سے
کعبہ کے گرانے اور از سر نو تعمیر کرنے کے متعلق مشورہ کیا جابر بن عبداللہ
اور عبید بن عمیر نے کہا مناسب ہے اور عبداللہ بن عباس نے کہا "خدا کے
گھر کو منہدم نہ کرو" عبداللہ بن زبیر نے کہا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی دیواروں
پر کبوتروں کے بیٹھنے سے پتھر بکھرے جاتے ہیں۔ تم لوگ اپنے گھر تو بناتے
ہو اللہ کا گھر نہیں بناتے! میں کل ضرور گراؤں گا۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر ہم میں وسعت ہوئی تو
کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر اور دو دروازے رکھوں گا ایک شرقی دوسرا غربی
اسود نے پوچھا کیا آپ نے کچھ اس کی بابت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے
سنا ہے! فرمایا ہاں سنا ہے وہ فرماتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے
فرمایا کہ تمہاری قوم کے پاس خرچ کم تھا اس لیئے مختصر تعمیر کی اگر لوگ نئے
مسلمان نہ ہوتے تو میں اس کو گرا کر پھر تعمیر کرتا اور چھوٹے ہوئے حصہ کو داخل
کر دیتا۔ عبداللہ بن زبیر نے اگلے روز گرانے کا مصمم ارادہ کر لیا صبح ہوئی تو

حبیدبن عمیر کے پاس آدمی بھیجا جواب آیا "سو رہے ہیں" پھر بھیجا اور ان کو بیدار کرا کر بلایا اور یہ کہا تھیں معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علماء کے چاشت تک سونے سے زمین خدائے تعالیٰ کی جناب میں فریاد کرتی ہے۔ ابن عباسؓ نے کہلا کر بھیجا اگر گراتے ہی ہو تو لوگوں کو بغیر قبلہ کے نہ چھوڑنا جب ہدم کرا دیا لوگوں نے کہا ہم بغیر قبلہ کے کیونکر نماز پڑھیں۔ جابر اور زید نے کہا اس کی جہت کی طرف منہ کر کے پڑھو وہی قبلہ ہے ابن زبیر نے کعبہ کے مقام پر پردے کھڑے کرا دئے حجر اسود کو ریشمی کپڑے کے اندر ایک تابوت میں رکھا گیا عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس کی مقدار ایک ہاتھ یا اس سے کچھ زیادہ ہے اور اس کا جوف چاندی کی طرح سفید ہے کعبے کی سونے کی چیزیں محافظین کعبہ کے پاس خزانہ میں رکھا دی گئیں تعمیر کے وقت حطیم کی طرف سے کھودا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی بنیاد نظر آئی۔ لوگوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ کیا تھیں معلوم ہے کہ یہ ابراہیمی بنیاد ہے سب نے کہا ہاں ہمیں معلوم ہے۔ اسی بنیاد پر تعمیر کرائی گئی حطیم میں سے چھ ہاتھ زمین شامل اور چار ہاتھ چھوڑی گئی ایک قول یہ ہے کہ سات ہاتھ شامل اور تین ہاتھ چھوڑی گئی دو دروازے شرقی و غربی زمین سے ملے ہوئے بنائے گئے۔ ایک داخل ہونے اور دوسرا نکلنے کا۔ دروازے پر سونے کے پتر چڑھائے گئے کنجیاں سونے کی بنوائی گئیں۔ اس تعمیر میں قریش کے لوگوں میں سے ابوالجہم بن حذیفہ عدوی بھی شریک تھے انھوں نے کہا ہے کہ میں کعبے کی تعمیر میں دو مرتبہ شریک ہوا ایک مرتبہ جاہلیت میں جبکہ خاصا کام کے قابل لڑکا تھا اور دوسری مرتبہ اسلام میں جبکہ شیخ فانی ہو گیا۔

زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیر کو حطیم میں ایک قبر کے اوپر سبز پتھر کے ٹکڑے نظر آئے عبداللہ بن صفوان نے کہا کہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر ہے یہ سنکر ابن زبیر نے ان پتھروں کو نہیں چھیڑا۔ ابن زبیر کے عہد میں کعبہ کی عمارت اسی طرح رہی پھر حجاج نے حملہ کر کے ابن زبیر کو مسجد میں محصور کر لیا منجنیقیں نصب کر دیں جس سے وہ کامیاب ہو گیا

منجنیق کے پتھروں سے کعبے کی دیواریں شق ہوگئیں عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج نے گرا کر پھر بنایا حطیم کو خارج کرکے پھر قریش کی بنیادوں پر تعمیر کردیا جو آج تک موجود ہے۔ عبدالملک بن مروان کہتا تھا کہ کاش عبداللہ بن زبیر میرے حکم سے کعبے کی تعمیر کرتے۔

غلاف کعبہ کے متعلق ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے سعد یمانی نے کعبے پر غلاف چڑھایا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی کپڑے کا غلاف چڑھایا آپ کے بعد عمر بن الخطاب اور عثمان رضی اللہ عنہما نے قباطی کپڑا چڑھایا پھر یزید بن معاویہ نے دیباج خسروانی چڑھایا محارب بن وثار کا بیان ہے کہ سب سے پہلے دیباج خالد بن جعفر بن کلاب نے چڑھایا اس نے ایک تجارتی قافلہ لوٹا تھا اس میں دیباج کے تھان تھے جسکو اس نے کعبہ پر چڑھا دیا اس کے بعد زبیر اور حجاج نے دیباج چڑھایا پھر کچھ دنوں بنو امیہ نے اہل نجران کے حلے جو جنگ کی وجہ سے وہ ادا کرتے تھے چڑھائے متوکل نے اپنے عہد میں کعبے کی دیواروں پر سنگ مرمر لگایا اور ان میں چاندی کا جوڑ دیا اور تمام چھت، دیواروں، اور ستونوں پر سونا چڑھا کر ستونوں کو دیباج سے آراستہ کیا پھر دولت عباسیہ میں ہمیشہ دیباج چڑھایا جاتا رہا۔

مسجد حرام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد تک کعبہ کا صحن کسی دیوار سے گھرا ہوا نہیں تھا عہد فاروق میں لوگوں کی کثرت ہوگئی تو مسجد کو وسیع کیا گیا قریب کے مکانات خرید لئے گئے اور گرا کر مسجد میں شامل کر دئے گئے بعض لوگوں نے بیچنے سے انکار کیا تو قیمتیں بڑھا کر خرید کئے گئے چاروں طرف ایک قامت سے کم اونچی دیوار بنائی گئی اس پر چراغ رکھے جاتے اور سب سے پہلے حضرت عمرؓ ہی نے مسجد حرام کی چار دیواری بنوائی جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی مکانات خریدے اور مسجد کو اور

وسیع کیا لوگوں سے اُن کے گھر لے لیے اور انھیں اُن کی قیمتیں دینی چاہیں تو سب نے بیت اللہ کے پاس جمع ہو کر واویلا اور شور کیا حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میرے حلم نے تم کو جری بنا دیا حضرت عمرؓ نے یہی کیا تھا تو تم سب کے سب رضامند ہو گئے۔ پھر ان سب کو قید کر دیا اور عبداللہ بن خالد بن اسید کی سفارش پر چھوڑ دیا اور مسجد کو وسیع کرنے کے ساتھ اس پر برج بھی بنوائے مسجد پہ برج سب سے پہلے حضرت عثمان ہی نے بنوائے۔ ولید بن عبد الملک نے مسجد کو اور وسیع کیا پتھر اور سنگ مرمر کے ستون لگائے منصورؒ نے مسجد میں اور زیادتی اور تعمیر کی اس کے بعد مہدی نے اور بڑھایا اب ہمارے وقت تک اسی کی تعمیر موجود ہے۔

مکہ میں پہلے مکانات نہ تھے جرہم اور عمالقہ کے بعد قریش کا یہ طریقہ تھا کہ چارے اور پانی کی تلاش میں ادھر ادھر کے پہاڑوں اور وادیوں میں پھرا کرتے مگر کعبے کے انتساب اور تولیت اور حرم کی خصوصیت کے خیال سے حرم سے باہر نہ جاتے ان کا خیال تھا کہ عنقریب ہمیں اس کی وجہ سے بڑا مرتبہ حاصل ہو گا جوں جوں ان کے افراد کی کثرت اور ان کی ریاست بڑھتی گئی یہ امیدیں قوی ہوتی گئیں اور یقین ہو گیا کہ عنقریب ہم تمام عرب پر سبقت لے جائیں گے۔ قابل ترین، عقلمند اور تجربہ کاروں کا فیصلہ تھا کہ یہ تمام عروج ترقی ریاست اور مبعوث ہونے والے نبی کا پیش خیمہ ہے۔ کیونکہ وہ لوگ کعبے کی خدمت جس کو دین کے ساتھ اہم خصوصیت ہے نہایت اہتمام سے کرتے تھے۔ سب سے پہلے اس امر کا خیال اور الہام کعب بن لؤی بن غالب کو ہوا ہر جمعہ کو قریش اس کے پاس جمع ہوتے اور تقریر کیا کرتا جمعہ کے دن کا نام پہلے جاہلیت میں عروبہ تھا کعب نے اس کا نام جمعہ رکھا۔

زبیر بن بکار کے بیان کے مطابق اس کی ایک تقریر حسب ذیل ہے لوگو! سنو اور سیکھو، سمجھو اور جانو رات گزرتی ہے دن جاتا ہے زمین فرش ہے۔ پہاڑ میخیں ہیں آسمان عمارت ہے ستارے نقش و نگار اور نشانات ہیں پہلے پچھلوں کی مانند ہیں نر و مادہ جوڑے آئے ہیں پریشانی کا وقت آئے گا

لہذا صلۂ رحمی کرو درماندوں کی حفاظت کرو اپنے مالوں کو ترقی دو کیا تم نے ہلاک شدہ کو واپس ہوتے ہوئے اور مردے کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا ہے ؟ اصل گھر تمہارے سامنے ہے حقیقت وہ نہیں جو تم کہتے ہو اپنے حرم کو آراستہ کرو اس کی تعظیم کرو اس سے قوت پکڑو بڑی خبر آنے والی ہے عظیم الشان مبعوث ہونے والا ہے۔ پھر یہ شعر پڑھے۔ (بحر طویل)

نهار ولیل کل یوم بحادث سواء علینا لیلها و نهارها
یؤوبان بالاحداث فینا تاویا وبالنعم الضافی علینا ستورها
صروف وابناء تقلب اهلها لها عقد ما یستحیل مریرها
علی غفلة یاتی النبی محمد فیخبر اخبارا صدوقا خبیرها

ترجمہ :- ہر آنے والا روز خواہ دن ہو یا رات ہم میں نئی نئی باتیں اور بکثرت نعمتیں لائے گا زمانے کے حادثات اور خبریں لوگوں کو پلٹ دیں گی اور ان میں ایسی گرہیں ہوں گی جن کا کھولنا محال ہوگا اچانک خدا کا نبی محمد (صلعم) مبعوث ہوگا اور سچی سچی خبریں سنائے گا۔

اس کے بعد کہا خدا کی قسم اگر میرے آنکھ، کان اور ہاتھ پیر سلامت رہے تو میں اس وقت اونٹ کے مثل کھڑا ہوں گا اور نر کی طرح اکڑ کر چلونگا پھر یہ شعر پڑھا۔ (بحر طویل)

یا لیتنی شاهد فحواء دعوته حین العشیرة تبغی الحق خذلانا

ترجمہ :- کاش میں اس کے دعوے کے وقت موجود ہوں جبکہ اس کے خاندان والے حق کو رسوا کریں گے۔

بالآخر یہ الہامات و تصورات جو عقلوں اور دلوں میں آتے تھے صادق و حق ثابت ہوئے۔

اس کے بعد قصی بن کلاب کو سرداری ملی اس نے مکہ میں دار الندوہ بنایا جس میں قریش کے معاملات کا تصفیہ کرتا پھر اس مکان میں مشورے ہوتے اور لڑائیوں کے لیئے علم بنائے جاتے۔ کلبی کا قول ہے کہ مکہ میں یہ سب سے پہلا مکان تھا اس کو دیکھ کر اور مکانات رہنے کے لیئے بنائے گئے جس قدر

زمانۂ اسلام قریب ہوتا گیا ان کی قوت و شوکت اور آدمیوں میں زیادتی ہوتی گئی یہاں تک کہ تمام عرب ان کا مطیع و منقاد ہو گیا اس طرح پہلا خیال ریاست و تسلط کا صحیح ہو گیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنے نبی کو مبعوث فرما کر دوسرا خیال بھی سچا کر دیا جنھیں ہدایت ہوئی ایمان لے آئے اور جو معاند تھے وہ منکر رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ اذیت پہنچنے لگی تو آپ نے وہاں سے ہجرت فرمائی اور ہجرت کے آٹھ سال بعد فتح و نصرت کے ساتھ تکبیریں پڑھتے ہوئے پھر مکہ میں داخل ہوئے آپ کے داخلہ کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ بزور شمشیر ہوا یا صلح سے اور اس کے ساتھ اس میں اتفاق ہے کہ نہ آپ نے وہاں سے مال غنیمت لیا نہ ان کے اہل و عیال کو گرفتار کیا امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ آپ بزور شمشیر فاتحانہ داخل ہوئے اور مال غنیمت معاف کر دیا اہل و عیال کو احسان و کرم سے چھوڑ دیا کیونکہ جب امام فاتحانہ کسی شہر میں داخل ہو اس کو غنیمت معاف کرنے اور دشمنوں کے اہل و عیال کو چھوڑنے کا اختیار ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلح کے بعد جو ابو سفیان سے ہوئی تھی داخل ہوئے۔ اس صلح میں یہ شرط تھی کہ جو کعبے کے پردوں سے لپٹ جائے یا گھر کا دروازہ بند کرلے یا ابو سفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امن ہے اس شرط سے چند آدمی جن کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مستثنیٰ تھے ان کو ہر جگہ قتل کرنے کا حکم تھا چاہے کعبے کے پردوں سے بھی لپٹ جائیں۔ صلح ہی کی وجہ سے آپ نے غنیمت نہیں لی اور نہ اہل و عیال کو قید کیا۔ ورنہ فاتحانہ داخل ہونے کی صورت میں امام کو ان دونوں امر کے چھوڑنے کا اختیار نہیں ہے اس لیے کہ ان سے حقوق اللہ اور حقوق غانمین متعلق ہیں چونکہ غنیمت نہیں لوٹی گئی اس لئے مکہ اور حرم مکہ کی اراضی عشری ہوئیں اگر کسی وقت کاشت کی گئی تو اس پر خراج مقرر نہ کیا جائے گا۔ مکہ کے مکانات کی بیع و اجارہ میں علماء کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ بیع کو ناجائز اور اجارہ کو غیر موسم حج میں جائز کہتے ہیں۔ اور موسم حج میں دونوں کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ اعمش مجاہد سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ مکہ مکان محترم ہے اس کے محلوں کی بیع اور مکانوں کا اجارہ حلال نہیں ہے۔ امام شافعیؒ دونوں (بیع واجارہ) کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے بعد وہاں کے لوگوں کو سابق حالت پر رہنے دیا نہ غنیمت لوٹی اور نہ کوئی تعرض کیا ان میں اسلام سے قبل اور بعد مکانات کی خرید فروخت جاری رہی دارالندوہ کہ مکہ کا سب سے پہلا مکان ہے قصی کے بعد عبدالدار بن قصی کو ملا عہد اسلام میں حضرت معاویہؓ نے اس کو عکرمہ بن عامر بن ہشام بن عبدالدار بن قصی سے خرید کر دارالامارت قرار دیا اس مکان کی بیع بہت مشہور اور سب کو معلوم تھی مگر صحابہ میں سے کسی نے اس کو ناپسند نہیں کیا حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما نے مسجد حرام کا صحن بڑھانے کے لیئے لوگوں کے مکانات خریدے فروخت کنندہ قیمتوں کے مالک ہوئے اگر حرام ہوتا تو یہ حضرات مسلمانوں کا مال کیسے صرف کر سکتے۔ اس کے بعد سے اب تک یہی دستور جاری ہے جس سے اجماع متبوع بھی ہوگیا۔ مجاہد کی روایت مرسل ہونے کی ساتھ اس پر محمول ہے کہ مکہ کے مکانات کو اہل مکہ کے ہاتھ بیع کرنا حلال نہیں اور یہ تنبیہ مقصود ہے کہ وہ غنیمت نہیں رہیں کہ ہم ان کے مالک ہوں یہی وجہ کرایہ پر نہ دینے کی ہے۔

فصل

حرم مکہ کے چاروں طرف کا علاقہ ہے اس کی حد مدینہ کے راستے میں تنعیم سے ورے بنی نفار کے مکانات کے پاس تین میل اور عراق کے راستے ملہ سے پہاڑ کی گھاٹی کے موڑ تک سات میل جعرانہ کے راستے میں آل عبداللہ بن خالد کی گھاٹیوں تک نو میل طائف کے راستے میں بطن نمرہ کے عرفہ تک سات میل جدہ کے راستے میں طریق عشائر تک دس میل ہے اس محدود علاقہ کو حق تعالیٰ نے اس کی خصوصی عظمت کی وجہ سے حرم

قرار دیا ہے اس کا حکم دوسرے تمام شہروں سے مغائر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
(واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا بلدا آمنا)

ترجمہ:۔ جس وقت ابراہیمؑ نے دعا کی اے میرے رب! اس کو بامن شہر بنا دے۔

یعنی مکہ اور اس کے حرم کو (وارزق اھلہ من الثمرات)

ترجمہ:۔ اس کے باشندوں کو پھل عطا فرما۔

چونکہ یہ وادی زراعت سے بالکل خالی تھی اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس کے باشندوں کو امن اور فراخ سالی مرحمت فرما حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ایسا بامن حرم کر دیا کہ لوگ اس میں چاروں طرف سے کھچکر آنے لگے اور ہر قسم و ہر شہر کی پھل پھلاری اس میں دستیاب ہونے لگی اس میں اختلاف ہے کہ مکہ اور اس کے گرد کا علاقہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے حرم کیا گیا یا ہمیشہ سے حرم تھا ایک قول یہ ہے کہ آپ کی دعا سے پہلے ہی جابر حاکموں متغلبوں خسوف اور زلزلوں سے محفوظ اور حرم امن تھا اور ابراہیمؑ کی دعا سے یہ ہوا کہ خشک سالی قحط سے مامون ہو گیا باشندوں کو پھل پھلاری میسر آنے لگی کیونکہ سعید بن ابی سعید ابو شریح خزاعی سے سنکر بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ سبحانہ نے آسمان و زمین کی خلقت کے ساتھ ہی مکہ کو حرم کر دیا تھا اور قیامت تک حرم رہے گا کسی شخص کو جس کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے یہ جائز نہیں کہ یہاں کسی کا خون بہائے یا درخت کاٹے۔ میرے بعد یہ مقام کسی کے لئے حلال نہ ہوگا میرے لئے صرف اسی ساعت اس لئے حلال ہوا ہے کہ اس کے باشندوں کو سرکشی کی سزا دی جائے مگر اب پھر حسب سابق حرم اور جائے امن ہو گیا ہے خبردار جو لوگ یہاں موجود ہوں وہ دوسروں کو بھی مطلع کر دیں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قتل کیا ہے تو اسے جواب دیدو کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے رسول کے لیئے تھوڑی دیر کو حلال کیا تھا۔ تمہارے لیئے حلال
نہیں کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے مکہ بھی اور بلاد کی طرح حلال تھا ابراہیم
علیہ السلام کی دعا سے حرم بنایا گیا ہے جیسے مدینہ پہلے حلال تھا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے حرم ہو گیا اس کی تائید ابو ہریرۃؓ کی روایت سے ہوتی
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ
کے بندے اور اس کے خلیل تھے میں بھی اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں
انھوں نے مکہ کو حرم کیا میں مدینہ کو دونوں پتھریلی وادیوں کے درمیان سے
حرم قرار دیتا ہوں نہ درخت کاٹا جائے نہ شکار کیا جائے اور نہ قتال کیا جائے
اونٹ کے چارے کی اجازت ہے حرم کے خصوصی احکام پانچ ہیں (۱)
کوئی بیرونی شخص بلا احرام حج یا عمرہ باندھے داخل نہ ہو صرف احرام باندھ کر حرم میں آسکیگا۔
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی آنے والے نے حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں کیا ہے تو اسکے لئے
بلا احرام حرم میں داخل ہونا جائز ہے۔ مگر فتح مکہ کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
بغیر احرام داخل ہونا اور یہ فرمانا کہ میرے لیئے تھوڑی دیر کو حلال کیا گیا ہے میرے بعد
کسی کیلئے حلال نہیں اس پر دلالت کرتا ہے کہ باہر سے آنے والے پر احرام واجب ہے۔
لیکن بکثرت آمدورفت رکھنے والے مثلاً لکڑہارے اور پانی لانے والے
اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کو صبح و شام آنے جانے کی ضرورت ہوتی ہے اگر
ان پر احرام واجب ہو تو مشقت زیادہ ہوتی ہے علماء مکہ ان لوگوں کو
بغیر احرام داخل ہونے سے نہیں روکتے اس وجہ سے ان میں اور دوسرے
لوگوں میں فرق ہو گیا۔

اگر کوئی شخص بلا احرام داخل ہوا تو گنہگار ہو گا قضا یا قربانی واجب
نہ ہو گی قضا میں یہ دشواری ہے کہ جب قضا کا احرام باندھنے کے لیئے
باہر جا کر پھر داخل ہو گا یہ احرام اس دوسرے دخول کا ہو گا نہ کہ پہلے کا اسلئے
قضا ساقط ہے اور قربانی کسی کوتاہی پورا کرنے کے لیئے دی جاتی ہے نہ کہ
اصل حج پورا کرنے کے لیئے (۲) باشندگان حرم سے محاربہ نہ کیا جائے
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اگر اہل حق سے

بغاوت کر بیٹھیں تو بعض کے نزدیک تب بھی قتال حرام ہے البتہ ان پر استقدر تنگی کی جائے کہ بغاوت سے رجوع کرکے اہل حق میں داخل ہو جائیں مگر اکثر فقہا کی رائے ہے کہ اگر قتال کے سوا چارہ نہ ہو تو کیا کیا جائے کیونکہ باغیوں کا قتال حقوق اللہ میں سے ہے جن کو ضائع کرنا جائز نہیں بلکہ حرم میں اور جگہوں کی بہ نسبت حقوق اللہ کی حفاظت زیادہ ہونی چاہیئے۔ حدود جاری کرنے کے بارے میں امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ جاری کی جائیں حرم اس سے مانع نہیں عام اس سے کہ ارتکاب جرم حرم میں کیا ہو یا بیرون حرم مرتکب ہو کر حرم میں پناہ گزیں ہوا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حرم میں مرتکب ہو اس پہ حرم میں حد جاری کی جائے اور جو باہر جرم کرکے حرام میں پناہ گزیں ہوا ہو اس پر حرم میں جاری نہ کی جائے اس کو حرم سے نکلنے پر مجبور کیا جائے اور نکلنے کے بعد حد جاری کی جائے (۳) حرم کے جانوروں کا شکار (خواہ وہاں کے ہوں یا حل سے آگئے ہوں) محرم اور غیر محرم دونوں پر حرام ہے اگر کسی جانور کو پکڑے تو اس کو چھوڑنا واجب ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں تلف ہو جائے تو حرم کی طرح اس کی ضمانت ادا کرے اگر حرم میں کھڑا ہو کر حل (بیرون حرم) کے جانور کا شکار کرے تو ضامن ہو گا کیونکہ یہ قاتل حرم میں ہے۔ اسی طرح حل میں کھڑے ہو کر حرم کے جانور کا شکار کرنے سے ضمان واجب ہوتا ہے کیونکہ مقتول حرم میں ہے۔ اگر حل میں شکار کرکے حرم میں لے آئے تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کو کھا سکتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر اس کا کھانا حرام ہے۔ موذی حشرات الارض اور درندوں کا مارنا حرام نہیں۔ (۴) خود رو درختوں کا قطع کرنا حرام ہے آدمیوں کے لگائے ہوئے درختوں کا قطع کرنا حرام نہیں جیسا کہ پالتو جانوروں کا ذبح کرنا حرام نہیں۔ گھانس چرانا حرام نہیں۔ ممنوع درختوں کے قطع کرنے سے ضمان واجب ہوتا ہے بڑے درخت سے گائے واجب ہوتی ہے چھوٹے درخت سے بکری واجب ہوتی ہے بڑے یا چھوٹے درخت کی شاخ کاٹ دینے سے ضمان عائد نہیں

ہوتا مگر تنے کے قطع کے بعد جو باقی رہ جائے اسکے قطع کر دینے سے ضمان ساقط نہیں ہوگا
(۵) غیر مسلم ذمی ہو یا معاہد حرم میں داخل نہیں ہو سکتا نہ رہنے کے لئے نہ گزرنے کے لئے یہ مذہب امام شافعیؒ کا ہے ابو حنیفہ فرماتے ہیں اگر وطن نہ بنائیں تو داخل ہونا جائز ہے لیکن حق تعالیٰ کا ارشاد ہے انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا بہ صراحت دال ہے کہ ان کا داخلہ ممنوع ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مشرک بلا اذن داخل ہو تو اس کو سزا دی جائے قتل کرنا مباح نہیں اور باذن داخل ہو تو اس کو سزا نہ دی جائے مگر اذن دینے والے سے باز پرس کی جائے بلکہ ضرورت ہو تو اس کو سزا بھی دی جائے اور مشرک کو امن وحفاظت کے ساتھ نکال دیا جائے اگر مشرک اسلام لانے کے لئے داخل ہونا چاہے اس کو بھی روک دیا جائے پہلے اسلام لائے اور پھر داخل ہو۔ اگر کوئی مشرک حرم میں مر جائے تو اس کو حرم میں دفن کرنا حرام ہے حل میں دفن کیا جائے اگر حرم میں دفن کر دیا جائے تو نکال کر حل میں منتقل کر دیں البتہ اگر گل سڑ گیا ہو تو جیسے جاہلیت کے مردے حرم میں چھوڑ دئے گئے اس کو بھی چھوڑ دیا جائے اور دوسری مساجد میں اگر سونے اور کھانے سے مسجد کی بیحرمتی نہ کریں تو داخلہ کی اجازت دی جائے ورنہ روک دیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کسی حالت میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

فصل

حجاز۔ اصمعیؒ کا قول ہے کہ اس کو حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ نجد وتہامہ کے درمیان حاجز (مانع) ہے کلبی کہتے ہیں حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ پہاڑوں میں محتجز (رکا ہوا) ہے حرم کے علاوہ اور بلاد سے اس کو چار قسم کی خصوصیت ہے۔ (۱) کوئی مشرک ذمی یا معاہد حجاز کو وطن نہیں بنا سکتا امام ابو حنیفہؒ جائز فرماتے ہیں۔ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعودؒ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
آخری وصیت یہ ہے کہ جزیرۃ العرب میں دو مذہب جمع نہ ہوں حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کو حجاز سے خارج کر دیا تھا اور تاجروں اور صناعوں
کے لیئے تین دن تک ٹھہرنے کی مدت مقرر کی تھی اس کے بعد نکال دیئے
جاتے تھے آپ کے بعد اس پر عملدرآمد رہا اور قانون قرار دیدیا گیا لہذا
کوئی ذمی وطن نہ بنائے اور نہ ایک جگہ تین روز سے زائد قیام کرے یہ جائز
ہے کہ ایک جگہ تین روز رہ کر دوسری جگہ تین روز رہے۔ بلا عذر تین روز سے
زیادہ قیام کرے تو سزا دی جائے (۲) ان کے مردے یہاں دفن نہ کئے جائیں
اگر دفن کر دیں تو دوسری جگہ منتقل کئے جائیں کیونکہ دفن دائمی ہے لہذا اس سے
وطن کے مثل ہو جائے گا۔ اگر مسافت اتنی زیادہ ہے کہ دوسری جگہ لے جانے میں
نعش متغیر ہو جائے گی تو بضرورت دفن کی اجازت ہے (۳) حجاز میں
مدینۃ الرسول (صلعم) کو دونوں پتھریلی وادیوں کے اندر حرم مکہ کی طرح حرم قرار دیا گیا ہے وہاں
کے شکار کو چھیڑنا درخت کاٹنا ممنوع ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مباح
ہے وہ مدینہ کو دوسرے شہروں کی طرح کہتے ہیں ابو ہریرہؓ کی حدیث جو
پہلے آچکی ہے اس پر دلیل ہے کہ مدینہ بھی محفوظ حرم ہے اگر کوئی شخص
وہاں کے جانور کا شکار کرے یا درخت قطع کرے اس کی جزا بقول بعض
تو یہ ہے کہ اس کے کپڑے چھین لئے جائیں اور بقول بعض اس کو تعزیر کی جائے
(۴) ارض حجاز کی حضور اکرم (صلعم) کے فتح کرنے کی خصوصیت سے دو قسمیں
ہیں۔ ایک قسم صدقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو آپ نے اپنے دو حق
کی بنا پر لئے ایک حق فئی وغنائم کے خمس کا خمس دوسرا حق اس فئی کے
چار خمس جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بغیر مسلمانوں کے حملے اور چڑھائی
کے مرحمت فرمائے آپ نے ان دونوں حقوق میں سے کچھ تو اپنے صحابہ کو
عطا فرمایا تھا اور باقی کو اپنے اخراجات و تحائف اور مصالح مسلمین میں خرچ
کرتے تھے آپ کی وفات کے بعد اس کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے
بعض کے نزدیک میراث ہے وارثوں میں تقسیم کر کے ان کو مالک بنا دیا جائے

اور بعض کی رائے ہے آپ کے قائم مقام امام کا حق ہے جو حفاظت سلطنت اور جہاد میں صرف کرے اور جمہور فقہا کا مذہب یہ ہے کہ یہ تمام اراضی محفوظ اور مخصوص المنافع نہیں لہذا ان کی آمدنی کو مصالح عامہ میں صرف کیا جائے۔
آپ کے صدقات کے ماسوئی تمام علاقہ عشری ہے خراج نہ لیا جائے کیونکہ اس کا بعض حصہ تو مال غنیمت ہے جو اہل غنیمت کا ملک ہوگیا تھا اور بعض حصے کے لوگ وہاں رہتے ہوئے مسلمان ہوگئے تھے بہر دو صورت عشر لازم ہوتا ہے خراج مقرر نہیں ہوسکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات آپ کے قبضہ فرمانے کی وجہ سے محصور و متعین ہیں اور حسب ذیل آٹھ ہیں۔ (۱) سب سے پہلی زمین جو آپ کی ملکیت میں داخل ہوئی مخیریق یہودی کی وصیت ہے واقدی نے بیان کیا ہے کہ مخیریق یہودی) بنو نضیر میں ایک متبحر عالم تھا غزوۂ احد کے دن آپ پر ایمان لایا اس کے پاس سات زمینیں تھیں جن کے نام یہ ہیں بمیت۔ صافیہ، دلال حسنی۔ برقہ اعراف۔ مشربہ[1] اس نے مسلمان ہونے کے بعد ان زمینوں کی آپ (صلعم کے لیے وصیت کردی اور احد کی لڑائی میں آپ کے ساتھ شریک ہوکر شہید ہوگیا رحمہ اللہ

(۲) مدینہ کی زمین جو بنو نضیر سے حاصل ہوئی یہ سب سے پہلا مال فیئ تھا جو اللہ تعالی نے آپ کو مرحمت فرمایا آپ نے بنو نضیر کو وہاں سے جلاوطن کردیا ان کو قتل کرنے کی ممانعت کردی اور حکم دیدیا کہ بجز ہتھیار کے اور جو سامان اونٹوں پر لاد کرلے جاسکیں اس کی اجازت ہے یہ لوگ اپنا سامان لاد کر خیبر اور شام میں جا بسے تھے۔
بنو نضیر کے جانے کے بعد ان کی تمام زمین آپ کے قبضے میں آگئی صرف یامین بن عمیر اور ابو سعد بن وہب کا تمام مال و جائدادیں چونکہ یہ دونوں فتح سے قبل مسلمان ہوگئے تھے ان کے پاس رہیں۔ اراضی کے

[1] قلمی میں اس طرح ہے اور مطبوعہ میں المبثت والحسنی ہے۔

ماسوا باقی تمام مال آپ نے مہاجرین میں تقسیم کر دیا انصار میں سے بجز سہل بن حنیف اور ابو دجانہ سماک بن خرشہ کے کسی کو نہیں دیا ان دونوں صاحبوں نے اپنا افلاس بیان کیا اس لیئے ان کو بھی عنایت فرمایا۔ اور اراضی اپنے قبضے میں رکھیں جو آپ کے صدقات میں سے قرار دی گئیں آپ ان کی آمدنی حسب منشا خرچ فرماتے ازواج مطہرات کو اخراجات دیتے تھے آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان اراضی کا متولی کر دیا تاکہ ان کے مصرف میں خرچ کریں۔

تیسرا، چوتھا اور پانچواں صدقہ خیبر کے تین قلعے ہیں کل خیبر آٹھ قلعوں پر مشتمل تھا۔ ناعم۔ قموص۔ شق۔ النطاۃ۔ الکتیبہ۔ الوطیح۔ السلالم۔ اور صعب بن معاذ کا قلعہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناعم کو فتح فرمایا محمود بن مسلمہ کا بھائی اسی وقت مقتول ہوا اس کے بعد قموص کو فتح فرمایا یہ ابن ابی حقیق کا قلعہ تھا اس کی سبایا میں سے آپ نے صفیہ بنت حیی بن اخطب کو انتخاب فرمایا پہلے کنانہ بن ربیع بن ابی حقیق کے پاس تھیں آپ نے آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا اور آزادی کو مہر قرار دیا اس کے بعد صعب بن معاذ کا قلعہ فتح فرمایا یہ خیبر کا سب سے بڑا قلعہ ہے اس میں مال، دولت، پیداوار اور مواشی بکثرت تھے۔ اس کے بعد شق۔ نطاۃ۔ کتیبہ کو فتح کیا۔ یہ چھ قلعہ تو بزور فتح ہوئے ان کے بعد وطیح و سلالم خیبر کی آخری فتوح ہیں جو مصالحت سے ہوئیں آپ نے کچھ روز تک انکا محاصرہ رکھا باشندوں نے درخواست کی کہ ہمیں سلامتی وحفاظت کے ساتھ یہاں سے جانے دیجئے آپ نے منظور فرما لیا۔

ان آٹھوں میں سے تین قلعے کتیبہ وطیح سلالم آپ نے اپنی ملکیت میں رکھے کتیبہ کو بحیثیت خمس غنیمت لیا اور وطیح و سلالم اللہ تعالیٰ نے صلحاً فتح ہونے کی وجہ سے آپ کو بطور فیٔ مرحمت فرمائے۔ بہر حال یہ تینوں قلعے فیٔ و خمس کے استحقاق سے خالص آپ کے ہوئے اور آپ کے صدقات

میں داخل ہوئے اور پانچ قلعے اور ان کے ساتھ وادی خیبر وادی سریرا ور وادی حاضر کو غانمیں میں اٹھارہ سہام پر تقسیم کیا مقسوم علیہم کی تعداد ایکہزار چارسو تھی یعنی کل اہل حدیبیہ عام اس سے کہ خیبر میں شریک ہوئے یا نہیں ہوئے شریک نہ ہونے والے صرف جابر بن عبداللہ تھے ان کو شرکاء خیبر کے برابر حصہ دیا گیا ان میں سے دوسو تو سوار تھے جن کو چھ سو حصے دئے گئے اور باقی ایک ہزار دوسو پیادوں کو ایک ہزار دوسو حصے دئے گئے کل حصے ایکہزار آٹھ سو ہوئے گویا فی صد ایک سہام دیا گیا اور اس طرح کل سہام اٹھارہ ہوئے۔ آپ کا چھٹا صدقہ نصف فدک تھا خیبر کی فتح کے بعد اہل فدک آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور محیصہ بن مسعود کی سفارت سے اس شرط پر مصالحت کرلی کہ نصف اراضی فدک اور اسکے کھجور کہ آپ اس کا مقاسمہ کرالیا کریں آپکے اور نصف اہل فدک کے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں جب ذمیوں کو حجاز سے جلاوطن کیا تو فدک سے ان کو بھی نکال دیا اور فدک کی قیمت لگاکر آدھی یعنی ساٹھ ہزار درہم ان کے حوالے کردی قیمت لگانے والے مالک بن تیہان سہل ابن حثمہ اور زید بن ثابت تھے اس کے بعد آدھا فدک تو آپ کے صدقات کا رہا اور آدھا عامۃ المسلمین کے لیئے ہوگیا مگر اب ہر دو نصف کا مصرف ایک ہے ساتواں صدقہ وادی قری کا ثلث ہے۔ اس وادی کا ایک ثلث بنو عذرہ کا تھا اور دو ثلث یہودیوں کے تھے یہودیوں سے آپ نے نصف پر مصالحت کرلی جس سے اس کے تین حصے ہوگئے ایک ثلث آپ کے صدقات کا دوسرا یہودیوں کا تیسرا بنو عذرہ کا حضرت عمرؓ نے یہود کو جلاوطن کردیا اور قیمت لگاکر جو ۹۰ ہزار دینار ہوتی تھی ان کے حوالے کی اور بنو عذرہ سے کہا کہ تم چاہو تو جو قیمت ہم نے ادا کی ہے اس کا نصف ہمیں دو آدھی وادی تمھیں دیدینگے انھوں نے منظور کرکے ۹۰ ہزار کے نصف پینتالیس ہزار دینار ادا کردئے حضرت عمرؓ نے آدھی وادی ان کو دیدی اور آدھی میں کل کا ایک ثلث حضور کے صدقات کا اور ایک سدس عامۃ المسلمین کا رہا اب اس

پورے نصف کا مصرف ایک ہے۔ آٹھواں صدقہ مدینہ میں بازار مہروز کا مقام ہے جس کو مروان نے حضرت عثمانؓ سے بطور جاگیر لے لیا تھا جس سے لوگوں میں برہمی پھیل گئی مگر ممکن ہے آپ نے یہ جاگیر بطور کفالت کے دی ہو تملیک نہ ہو اس سے جواز کی صورت نکل آتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان آٹھوں صدقات کو اہل سیر اور بڑے بڑے راویان مغازی نے بیان کیا ہے۔ صحت کو اللہ جانتا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے اور مال کے متعلق واقدی کا بیان ہے کہ آپ کو اپنے والد عبداللہ کی میراث میں ام ایمن حبشیہ برکت نامی، پانچ اونٹ کچھ بکریاں ملی تھیں کہا جاتا ہے کہ آپ کا مولیٰ شقران اور اس کا بیٹا صالح بھی جو بدر میں شریک ہوا تھا ملے تھے اور اپنی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب زہریہ کی میراث سے ان کا مکان واقعہ شعب بنی علی ملا تھا جس میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور اپنی زوجہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی میراث سے ان کا مکان جو صفا و مروہ کے درمیان سوق عطارین کے پیچھے واقع تھا اور مختلف مال ملا۔ حکیم بن حزام نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کیلئے سوق عکاظ سے زید بن حارثہؓ کو چار سو درہم میں خریدا تھا پھر خود رسول اللہ صلعم نے زید کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مانگ لیا اور آپ نے آزاد کر کے ام ایمن سے نکاح کر دیا ام ایمن کے بطن سے اسامہ بن زید آپ کو نبوت ملنے کے بعد پیدا ہوئے۔

آپ کی ہجرت کے بعد آپ کے دونوں مکان عقیل بن ابی طالب نے فروخت کر دئے حجۃ الوداع کے موقع پہ جب مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور اکرم آپ کون سے مکان میں قیام فرمائیں گے آپ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارا کوئی گھر چھوڑا ہے! عقیل کے فروخت کردہ مکانوں کو آپ نے پھر نہیں لیا کیونکہ عقیل کے تغلب کے وقت مکہ دار الحرب تھا لہذا مکانات تلف شدہ مال کے حکم میں ہو کر آپ کے صدقات سے خارج ہو گئے اور آپ کی ازواج یعنی

امہات المومنین کے مکانات کی بابت یہ ہے کہ اگر آپ نے ہر ایک کے مسکونہ مکان کو اس کے لیئے وصیت فرمادی ہے اور ملک کردیا ہے تو اس صورت میں آپ کے صدقات سے خارج ہیں اور اگر محض رہنے کا حق دیا ہے تو آپ کے صدقات میں داخل ہیں مگر اب تمام مکانات مسجد میں آگئے میرا خیال ہے کوئی اس سے خارج نہیں رہا آپ کے کجاوے اور اسلحہ کے متعلق ہشام بن کلبی عوانہ بن حکم سے راوی ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار۔ سواری اور نعلین علی کرم اللہ وجہہ کو دے دیئے اور یہ کہا کہ اس کے علاوہ صدقہ ہے اسود عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ جب آپ کی وفات ہوئی آپ کی زرہ تیس صاع جو میں ایک یہودی کے پاس رہن تھی اگر یہ زرہ وہی ہے جو بتراء کے نام سے مشہور تھی تو بیان یہ کیا جاتا ہے کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کے وقت ان کے بدن پر تھی اور عبید اللہ بن زیاد نے لے لی جب مختار نے عبید اللہ بن زیاد کو قتل کردیا تو وہ عباد بن حصین حنظلی کے ہاتھ آئی عباد سے خالد بن عبد اللہ بن خالد بن اسید امیر بصرہ نے مانگی عباد نے انکار کیا تو سو ضرب کوڑے لگائے عبد الملک بن مروان نے لکھ کر بھیجا کہ عباد جیسے کو مارنا نہ چاہئے تھا قتل کردیتے یا معاف کردیتے۔ اس کے بعد زرہ کا کچھ حال معلوم نہیں۔ رداء مبارک کے متعلق اختلاف ہے ابان بن ثعلب کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن زہیر کو ہبہ فرمادی تھی ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے خرید لی اسی کو خلفا اوڑھتے رہتے ہیں۔

ضمرہ بن ربیعہ کہتے ہیں کہ یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایلہ کو بطور امان کے مرحمت فرمائی تھی ان سے سعید بن خالد بن ابی اوفی نے جو ان پر مروان بن محمد کی طرف سے عامل مقرر تھا لیکر مروان کے پاس بھیجدی اس کے خزانے میں رہی اور پھر اس کے قتل کے بعد لے لی گئی۔ بعض کا قول ہے کہ ابو العباس سفاح نے تین سو دینار میں

خریدلی عصائے مبارک بھی آپ کے ترکہ میں موجود تھا جو صدقہ قرار دیا گیا ردائے مبارک اور عصا دونوں شعار خلافت ہوئے اور خاتم مبارک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر پھر عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے پہنا حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ سے کوئیں میں گرگئی اور پھر نہ ملی۔ رسول اللہ صلعم کے صدقہ اور ترکہ کا بیان ختم ہوا۔

فصل

حرم و حجاز کے سوا دوسرے علاقوں کی چار قسمیں ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ ایک قسم یہ ہے اس کے باشندے مسلمان ہوجائیں یہ عشری زمین ہے دوسری قسم یہ ہے اس کو مسلمان آباد کریں یہ بھی عشری ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ مسلمان بزور شمشیر اس پر قبضہ کرلیں یہ بھی عشری ہے۔ چوتھی قسم یہ ہے اس کے باشندوں سے مصالحت ہوجائے یہ فئے ہوتی ہے اور اس پر خراج مقرر کیا جاتا ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کی بابت اس شرط پر مصالحت ہو کہ زمین ان کی ملک نہ رہے نہ بیع و رہن کرسکیں اس پر خراج بطور کرایہ زمین مقرر ہوتا ہے جو اسلام لانے سے بھی ساقط نہیں ہوتا یہ خراج اس زمین کے مسلم و ذمی باشندوں سے بھی لیا جاتا ہے۔ دوسری وہ جس کی بابت اس شرط پر مصالحت ہو کہ زمین ان کی ملک رہے ان کو بیع و رہن کے اختیارات ہوں اس کا خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا جو اسلام لانے سے ساقط ہوجاتا ہے ذمیوں سے لیا جاتا ہے مسلمانوں سے نہ لیا جائے تقسیم بلاد سے فارغ ہونے کے بعد ہم ارض سواد کے احکام کی تشریح کرتے ہیں کیونکہ اس میں فقہا کے احکام اصولی حیثیت رکھتے ہیں جن پر اور نظائر کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اس سواد سے مراد سواد کسریٰ ہے جس کو مسلمانوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عراق کے علاقے میں فتح کیا تھا۔ اس زمین کو سواد باغوں اور کھیتوں

کی سواد کی وجہ سے کہتے ہیں چونکہ جزیرۃ العرب خشک علاقہ ہے جس میں زراعت اور باغات کا نام نہیں جب عرب اپنے گھروں سے باہر نکلے تو کھیتوں اور باغوں کی سبزی نظر آئی سبزی اور سیاہی کو یہ لوگ ایک نام سے موسوم کرتے تھے فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب کا شعر ہے یہ سیاہ رنگ کا آدمی تھا (بحر رمل)

وانا الاخضر من یعرفنی　　　اخضر الجلدہ من نسل العرب

ترجمہ:- اگر کوئی مجھے پہچاننا چاہے تو میں اخضر (سبز) سبز کھال کا عربی النسل ہوں۔

لہذا عراق کی سبزی کو سواد سے تعبیر کیا عراق کو اس لیے عراق کہتے ہیں کہ یہ علاقہ پہاڑوں کی بلندی اور وادیوں کی پستی سے خالی ہے عربی میں عراق کے معنی ہیں استواء شاعر کہتا ہے۔ (بحر سریع)

سقتم الی الحق لھم وساقوا　　　سیاق من لیس لہ عراق

ترجمہ:- تم نے ان کو حق کی طرف چلایا اور وہ چلے اس شخص کی طرح جس میں عراق یعنی استواء نہ ہو۔

سواد طول میں موصل حدیثہ سے عبادان تک اور عرض میں عذیب قادسیہ سے حلوان تک ہے یعنی طول ۱۶۰ فرسخ اور عرض ۸۰ فرسخ ہے۔ اور عراق عرض میں سواد کے عرض کو مشتمل ہے اور طول میں سواد کے طول سے کسی قدر کم ہے کیونکہ دجلہ کی شرقی جانب علث سے اور غربی جانب حربی سے شروع ہو کر بصرہ کے آخری علاقے جزیرہ عبادان تک پھیلا ہوا ہے لہذا طول ۱۲۵ فرسخ یعنی سواد کے طول سے ۳۵ فرسخ کم ہے اور عرض سواد کی طرح ۸۰ فرسخ ہے۔ قدامہ بن جعفر کا بیان ہے کہ اس کا رقبہ دس ہزار فرسخ ہے فرسخ کی لمبائی ذراع مرسلہ سے بارہ ہزار ذراع اور ذراع مساحت یعنی ذراع ہاشمیہ سے نو ہزار ذراع ہے تکسیر کے قاعدہ سے اسی عدد میں ضرب دینے سے ایک مربع فرسخ بائیس ہزار پانچسو جریب کا ہوتا ہے اس کو دس ہزار فرسخ میں ضرب دی جائے تو بائیس کروڑ پچاس لاکھ جریب رقبہ ہوتا ہے۔ اس میں سے

ٹیلوں شور زمینوں قلعوں، پگ ڈنڈیوں، راستوں، نہروں، شہروں، بستیوں
پن چکیوں ڈاکخانوں، پلوں، بندرگاہوں فواروں نیستانوں اور اینٹ کی بھٹیوں وغیرہ کا
رقبہ تخمیناً سات کروڑ پچاس لاکھ جریب نکال کر پندرہ کروڑ جریب رقبہ باقی رہتا ہے
اس میں سے نصف نکال دیا جائے تو نصف کاشت کا رقبہ ہے اسی
کے ساتھ ہی کل رقبہ کی کھجور، انگور اور دوسرے درختوں کی پیداوار مزید ہے
جب قدامہ کی بیان کردہ پیمائش پر سواد کا بقیہ حصہ یعنی پینتیس فرسخ اور ملایا جائے
تو تقریباً ایک ربع کی زیادتی ہوتی ہے۔ اور یہ مجموعہ سواد کی زمین سے زراعت
و باغات کے قابل رقبہ نکلتا ہے زراعت کی پوری پوری مقدار معلوم کرنا
مشکل ہے بسا اوقات آفات ارضی وسماوی سے بیشمار حصہ برباد ہو جاتا ہے
کہتے ہیں کہ کسریٰ قباذ کے عہد میں سواد کا رقبہ پندرہ کروڑ جریب تھا اور کل
آمدنی اٹھائیس کروڑ ستر لاکھ درہم (بوزن سبعہ) تھی کیونکہ وہ فی جریب ایک
درہم اور ایک قفیز قیمتی تین درہم (بوزن مثقال) لیتا تھا اور حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کاشت کا رقبہ تین کروڑ بیس لاکھ سے
تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب تک تھا۔ سواد کی فتح اور اس کے حکم میں فقہا
کا اختلاف ہے اہل عراق کا مذہب یہ ہے کہ بزور شمشیر فتح ہوا لیکن عمر رضی اللہ
عنہ نے غانمین میں تقسیم نہیں کیا باشندوں کو وہیں رہنے دیا اور زمیں پر خراج
مقرر کر دیا اور امام شافعیؒ کا بظاہر یہ مذہب ہے کہ بزور شمشیر فتح ہوا اور
تقسیم کر کے غانمین کی ملک کر دیا بعد کو آپ کے کہنے سے سب دست بردار
ہو گئے جن پر لوگوں کو معاوضہ مال دینا پڑا اور جب مسلمانوں سے لے لیا
تب اس پر خراج مقرر کیا۔ سواد کے حکم میں اصحاب شافعی مختلف ہیں۔
ابو سعید اصطخری کا مذہب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو عامۃ المسلمین
پر وقف کر کے اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا اور بطور اجرت کے
زمین پر سالانہ خراج مقرر کر دیا اور مصلحت عامہ کے خیال سے اس کی
مدت معین نہیں فرمائی وقف کرنے سے یہ ان اراضی میں شامل ہو گیا جو
اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بطور فے مرحمت فرمائی تھیں جیسے خیبر، عوالی

اور بنونضیر کی جائدادیں۔ اس کی آمدنی مصالح عامہ میں صرف کی جائے خمس نہ لیا جائے کیونکہ پہلے لیا جا چکا ہے۔ نہ مصارف لشکر کے لیئے مخصوص کی جائے عام مسلمانوں کا حق ہے لہذا لشکر کے مصارف چھاؤنیوں کا استحکام۔ جمعہ پڑھنے کی مساجد۔ پل۔ نہروں کی کھدائی۔ اور قاضیوں۔ گواہوں فقہا۔ قاریوں، اماموں۔ اور موذنوں کی تنخواہوں وغیرہ میں صرف کی جائے اسی وجہ سے اس کی بیع ممنوع ہے صرف منافع زمین اور انتقال قبضہ پر معاوضہ ہوتا ہے ثبوت ملک پر نہیں ہوتا ہاں اس زمین پر جو درخت اور مکانات ہوں ان کی بیع کر سکتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ سواد کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی بن ابی طالب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی رائے سے وقف کیا تھا اور ابو العباس بن سریج اور چند شافعی حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد سے غانمین کو دست بردار کرا کر وہاں کے چودھریوں کے ہاتھ سالانہ خراج کے عوض فروخت کر دیا تھا گویا خراج بمنزلہ قیمت کے تھا۔

یہ صورت مصالح عمومی میں جائز ہے جیسا کہ اجارہ میں اس کو جائز کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ سواد کی زمین فروخت کرنا جائز ہے اس سے تملیک ثابت ہو جائے گی۔

مقرر کردہ خراج کی مقدار کے متعلق عمرو بن میمون کا بیان یہ ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے سواد سے دست برداری حاصل کر لی تو حذیفہ کو دجلہ کے اس پار اور عثمان بن حنیف کو اس پار بھیجا شعبی کا قول ہے کہ عثمان بن حنیف نے سواد کی پیمائش کی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوا اور ہر جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز خراج مقرر کیا۔ قاسم کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قفیز ان لوگوں کا ایک پیمانہ ہے جس کو شابرقان کہتے تھے۔ یحیٰی بن آدم کہتے ہیں کہ یہ وہی حجاجی مہر شدہ ہے۔

اور قتادہ ابو مخلد سے راوی ہیں کہ عثمان بن حنیف نے انگور پر فی جریب دس درہم کھجور پر فی جریب آٹھ درہم گنے پر فی جریب چھ درہم،

ترچیزوں پر فی جریب پانچ درہم گیہوں پر فی جریب چار درہم جو پر فی جریب دو درہم مقرر کیئے تھے مگر گیہوں اور جو کے خراج کی بابت اس روایت اور دوسری روایت میں اختلاف ہے ممکن ہے یہ اختلاف مقامات کی بنا پر ہو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کا ذراع ایک ہاتھ ایک مٹھی مع کھڑے انگوٹھے کے تھا پہلے شاہان فارس کے عہد میں سواد کا محصول مقاسمہ یعنی (پیداوار کو تقسیم کرکے) لیا جاتا تھا قباذ بن فیروز نے پیمائش کرا کر خراج مقرر کیا پیمائش کرنے سے اس کو پندرہ کڑور درہم (بوزن مثقال) آمدنی ہوئی تقسیم کے طریقے کو ترک کرنے کے متعلق یہ حکایت مشہور ہے کہ ایک روز قباذ شکار کو گیا ایک گھنے درخت پر پہنچا تو اس کے اندر شکار دیکھنے کے لیئے ایک ٹیلے پر چڑھا دیکھتا کیا ہے کہ ایک عورت بار آور کھجور و انار کے باغ میں مٹی کھود رہی ہے اس کا بچہ اس کے ساتھ ہے وہ انار کھانا چاہتا ہے اور ماں منع کرتی ہے یہ دیکھ کر اسے بہت تعجب ہوا قاصد کو بھیجکر عورت کو بلایا اور بچہ کو کھانے سے روکنے کا سبب دریافت کیا اس نے کہا کہ اس میں بادشاہ کا حق ہے تحصیلدار اب تک وصول کرنے نہیں آیا بادشاہ کا حق نکلنے سے پہلے ہم لیتے ہوئے ڈرتے ہیں قباذ کے دل پر اس کی بات سن کر بہت اثر ہوا اپنی رعایا پر رحم آیا اپنے وزراء کو پیمائش کا حکم دیا تاکہ آمدنی تو اسی قدر رہو جو بصورت تقسیم حاصل ہوتی تھی اور لوگوں کو بوقت ضرورت اپنی اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کا موقع ملے شاہان فارس کے آخر دور تک یہی صورت رہی اسلامی عہد شروع ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی اسی کو نافذ رکھا آپ کے زمانہ میں اس کا محصول بارہ کروڑ درہم تھا۔ عبید اللہ بن زیاد نے جبر و ظلم سے تیرہ کڑوڑ پچاس لاکھ درہم وصول کیا اور حجاج نے تباہ و برباد کرنے کے باوجود گیارہ کڑوڑ اسی لاکھ وصول کیا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ نے عدل و انصاف اور رعایا پروری سے بارہ کروڑ درہم وصول فرمائے ابن ہبیرہ فوجی مصارف کے علاوہ دس کڑوڑ وصول کرتا تھا۔ یوسف بن عمر چھ کڑوڑ سے سات کڑوڑ تک سالانہ وصول

کرتا تھا اس میں سے وہ عراق میں متعینہ شامی فوج کو ایک کروڑ چھ لاکھ دیتا تھا ڈاک کے خرچ میں چالیس لاکھ لگاتا راستوں پر بیس لاکھ خرچ کرتا اور پھر بھی ایک کروڑ درہم غیر معمولی ضروریات کے لیئے خزانۂ عامرہ میں باقی بچ جاتے۔

عبدالرحمٰن بن جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ اس علاقہ کا پورا محصول دونوں کے حق کا ایک ارب ہے اگر رعایا کا مال کم ہو تو سرکار کا بڑھ جائیگا اور سرکار کا کم ہو تو رعایا کی آمدنی میں اضافہ ہوگا محصول کا یہ طریقہ مدت تک جاری رہا منصور عباسی کے عہد میں جب غلوں کا نرخ گھٹ گیا سواد تباہ ہوا محصول پورا نہ ہوتا تو اس نے اس کو چھوڑ کر تقسیم کا طریقہ پھر جاری کر دیا ابو عبید اللہ نے مہدی کو مشورہ دیا کہ خراجی زمینوں سے اس طرح محصول لو کہ سیح سے سیراب ہو تو نصف غلہ تقسیم کر لو اور چرس سے ہو تو تہائی اور ڈول سے ہو تو چوتھائی اس سے زیادہ ان پر اور کچھ واجب نہیں کھجور انگور اور دوسرے درختوں کا محصول مساحت کر کے خراج لیا جائے جس کی مقدار بازار کے قرب و بعد کے لحاظ سے رکھی جائے پس اگر غلہ ہر دو خراج کے لیئے کافی ہو تو پورا خراج لیا جائے اور ناکافی ہو تو چھوڑ دیا جائے۔ اوپر ہم نے سواد کے خراج کی وہ کیفیت بیان کی ہے جو وہاں ہوتی رہی لیکن اصل حکم یہی ہے کہ وہی خراج لیا جائے جو پہلے مقرر ہو چکا ہے تقسیم کا طریقہ مقتضائے وقت اور اجتہاد ائمہ سے جاری ہوا ہے لہذا جب اس کی علت و ضرورت باقی رہے اسوقت تک اس پر عمل کیا جائے اور جب علت مرتفع ہو جائے تو پھر اسی سابق اور اصل حکم پر عمل ہونا چاہیئے کیونکہ امام کو سابق اجتہاد کے نقض کا حق نہیں ہے عمال کو محصولات عشر و خراج کا ضامن کرنا باطل ہے شرعاً اس کی کچھ اصل نہیں عامل امین کی حیثیت رکھتا ہے مال واجب کو وصول کرے گا اور وصول شدہ کو ادا کرے گا وکیل کے مانند ہوتا ہے ادائے امانت کے بعد نہ نقصان کا ضامن ہوتا ہے نہ زیادتی کا مالک اور معین مال کے ضامن ہونے کا مقتضا یہ ہے کہ نقصان کا ضامن ہو اور زیادتی کا مالک ہو اور حالانکہ یہ عہدۂ عمالی اور حکم امانت کے بالکل خلاف ہے۔

حکایت ہے کہ عبداللہ بن عباس کے پاس ایک شخص آیا اور ایک لاکھ دیکرایلہ کی (حکومت) کا طالب ہوا آپ نے اس کو سو کوڑے لگوائے اور عبرت و تعزیر کے لیئے سولی پر چڑھا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں ایک تقریر فرمائی جس میں ان کی حالت اور اپنی حکومت اور مال کے متولی ہونے کی کیفیت کو نہایت عمدہ اور موثر پیرایہ سے بیان کیا فرماتے ہیں لوگو! قران شریف پڑھ کر معرفت حاصل کرو اس کے احکام پر عمل کرو تاکہ تم قرآن والے بنو یاد رکھو کسی کو اس کا حق خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر کے نہیں ملے گا اگر انسان حق کہے تو اس کی روزی دور نہیں ہوتی اور اس کی موت قریب نہیں آتی اللہ تعالیٰ نے جو حکومت مجھے عنایت فرمائی ہے اسکی بہبودی تین باتوں میں دیکھتا ہوں امانت کا ادا کرنا۔ قوت کو استعمال کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی تعمیل کرنا اور اس مال کی خوبی تین امر میں پاتا ہوں حق سے لیا جائے حق میں خرچ کیا جائے اور باطل سے بچایا جائے خبردار میں تمھارے مال پر ولی یتیم کے مثل ہوں اگر مجھے ضرورت نہ ہو تو بچتا ہوں اور ضرورت ہو تو بقدر حاجت کھاتا ہوں جیسے گاؤں کا چوپایہ چر لیتا ہے۔

پندرھواں باب

موات (افتادہ) اراضی کو آباد کرنے اور پانی کی بہم رسانی کے بیان میں۔

جو شخص بیکار زمین کو باذن امام یا بلا اذن آباد کرے اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلا اذن امام آباد کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر شخص کا وہی کام درست ہے جو اس کے امام کی مرضی سے ہو۔ اور آپ (صلعم) کے اس ارشاد سے کہ ہر شخص مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اس کا مالک ہے" یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملکیت کے لیے اذن امام ضروری نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک موات سے مردہ زمین مراد ہے جس میں آبادی نہ ہو آبادی سے متعلق ہو اور متصل ہونے میں کچھ حرج نہیں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ موات وہ زمین جو آبادی سے بعید ہو اور اس کے پاس پانی نہ پہنچتا ہو۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ موات وہ زمین ہے کہ اس کے اس سرے پر جو آباد زمین سے قریب ہے اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر آواز دے تو آباد زمین میں کنارے پر کھڑے ہونے والے آدمی نہ سن سکیں اور دونوں قولوں پر آباد سے متصلہ زمین موات سے خارج رہے گی۔ آباد کرنے والا شخص اس زمین سے قریب رہتا ہو یا دور دونوں مساوی۔ امام مالکؒ کے

نزدیک قریب رہنے والا بعید والے سے احق ہے آباد کرنے کی صورت عرف پر موقوف ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق ذکر فرمایا ہے اور کیفیت کو عرف پر چھوڑ دیا پس اگر سکونت کی نیت سے آباد کرے تو کوئی مکان بنانا اور اس پر چھت ڈالنا شرط ہے اس لیئے کہ یہ تعمیر کی بالکل ابتدائی حالت ہے جس سے سکونت کا استفادہ ممکن ہوتا ہے اور اگر درخت لگانے یا کاشت کرنے کے لیئے آباد کرے تو تین شرطیں ہیں۔ (۱) اس کے چاروں طرف مٹی جمع کر کے ڈول بنانا تاکہ حد فاصل بن جائے۔ (۲) اگر زمین خشک ہو تو پانی لانا اور زیر آب ہو تو پانی کو روکنا کیونکہ ان کو آباد کرنے کی یہی صورت ہے تاکہ زراعت اور باغ لگانا ممکن ہو۔ (۳) تمام زمین میں ہل وغیرہ چلا کر اونچ نیچ درست کرنا ان تینوں شرطوں کی تکمیل کے بعد زمین آباد سمجھی جائے گی آباد کنندہ اس کا مالک ہو جائے گا بعض اصحاب شافعیؒ کا یہ قول ہے کہ زراعت کرنے یا درخت لگانے سے قبل مالک نہیں ہوتا'' غلط ہے زراعت کرنا سکونت کے مثل ہے جبکہ مکان بنا کر آباد کرنے کی صورت میں سکونت شرط ملکیت نہیں تو زراعت بھی شرط ملکیت نہیں ہو سکتی۔

اگر آباد کر کے کسی کو کاشت کاری کے لیئے دیدے تو آباد کنندہ زمین کا اور اثیر (ہل چلانے والا) عمارت کا مالک ہوگا لہذا مالک زمین زمین کو فروخت کرے تو جائز ہے اور مالک عمارت، عمارت کو بیع کرے تو اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر اثارت اس کی ہو تو بیع جائز ہے ورنہ نہیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں جائز ہے وہ کاشت کار کو عمارت کی وجہ سے زمین میں شریک قرار دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو عمارت کا فروخت کرنا بالکل جائز نہیں البتہ اگر اسکی اشیائے عینیہ مثلاً زراعت یا درخت وغیرہ اس میں کھڑے ہوں تو ان کو فروخت کر سکتا ہے اثارت کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص سوات کے گرد باڑ قائم کر دے تو دوسرے کی بہ نسبت یہ شخص آباد کرنے کا زیادہ حقدار ہوگا اور اگر کوئی اس پہ تغلب کر کے آباد کرلے تو وہ باڑ لگانے والے سے زیادہ احق ہو جائے گا۔

اگر باڑ لگانے والا زمین کو آباد کرنے سے پہلے فروخت کرنا چاہے تو بظاہر امام شافعیؒ کے نزدیک ناجائز ہے مگر ان کے اکثر اصحاب جائز کہتے ہیں کیونکہ جب باڑ لگانے سے اس کا حق زیادہ ہو گیا تو ملاک کی طرح اس کی بیع بھی جائز ہونی چاہئیے۔ پس اگر بیع کرنے کے بعد کسی نے مشتری کے ہاتھ سے تغلب کر کے زمین کو آباد کر لیا تو شافعیہ میں سے ابن ابی ہریرہ کا خیال ہے کہ مشتری کے ذمے اس کی قیمت واجب الادا ہے کیونکہ اس کے قبضے میں آنے کے بعد ضائع ہوئی ہے اور دوسرے شافعیہ جو جواز بیع کے قائل ہیں یہ کہتے ہیں کہ اس سے قیمت ساقط ہو جائے گی کیونکہ ہنوز اس کا قبضہ مکمل نہیں ہوا اور بالفرض باڑ لگا کر پانی پہنچا دیا مگر کھیتی شروع نہیں کی تو پانی کا اور جس بیکار زمین میں پانی گزر کر آئے مع اس کی پٹی سے مالک ہو جائے گا اس کے علاوہ زمین کا مالک نہ ہو گا مگر احق ضرور ہو گا لہٰذا جتنی زمین میں پانی چل رہا ہو اس کو بیع کر سکتا ہے اور اس کے سوا باڑ لگی ہوئی کے فروخت کرنے میں وہی دو صورتیں ہیں جو اوپر بیان ہو چکیں بیکار زمین کو آباد کرنے کے بعد عشر لیا جائے خراج لینا جائز نہیں خواہ عشر کے پانی سے سیراب ہو یا خراج کے امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عشری پانی سے سیراب ہو تو عشر اور خراجی پانی سے سیراب ہو تو خراج لیا جائے امام محمد بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ اگر عجمیوں کی کھودی ہوئی نہر سے آباد کی جائے تو خراج لیا جائے اور قدرتی نہروں (مثلاً دجلہ وفرات) سے سیراب ہو تو عشر لیا جائے۔

علمائے عراق اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص بصرہ کی مردہ اور تر اراضی کو آباد کرے تو وہ عشری ہوں گی محمد بن حسن کے قول پر تو اس لئے کہ بصرہ کا دجلہ قدرتی نہروں میں سے ہے اور دوسری نہریں بعد کے مسلمانوں کی بنوائی ہوئی ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ان کے متبعین میں اختلاف ہے بعض یہ علت بیان کرتے ہیں کہ خراج کا پانی دجلۂ بصرہ اور اس کے جزر (جوار) میں آکر خشک ہو جاتا ہے اور بصرہ کی اراضیات مد سے سیراب ہوتی ہیں اور مد سمندر میں ہوتا ہے دجلہ وفرات میں نہیں ہوتا مگر یہ علت فاسد ہے کیونکہ مد سے صرف

شیریں پانی بڑھتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ سمندر کا پانی اس میں مل جاتا ہو یا اس سے زمین سیراب ہوتی ہو جاتا ہے سمندر دجلہ اور فرات کو سیراب کرے مگر زمین کی سیرابی صرف دجلہ اور فرات کے پانی سے کی جاتی ہے اور بعض حنفیہ جن میں طلحہ بن آدم بھی ہیں کہتے ہیں کہ اس کی علت یہ ہے کہ دجلہ و فرات کا پانی وادیوں میں رک کر اس کے حکم سے نکل جاتا ہے حتیٰ کہ اس سے انتفاع بھی نہیں ہو سکتا اور پھر دجلہ بصرہ میں بہ کر آتا ہے لہٰذا خراجی پانی نہ ہوا کیونکہ وادیاں خراج کی نہریں نہیں ہیں۔ یہ علت بھی فاسد ہے کیونکہ عراق کی وادیاں اسلام سے پہلے کی ہیں لہٰذا زمین کا حکم بدل گیا اور سوات کے حکم میں ہو گئی اور پانی کے حکم کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ مورخین نے اس کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ پہلے دجلہ کا پانی اس دجلہ میں چلکر جو غور کے نام سے مشہور ہے مدائن کے پاس دجلۂ بصرہ تک پہنچتا تھا اور وہاں سے سیدھی اور محفوظ نہروں سے گزرتا تھا موجودہ وادیوں کی جگہ پہلے کھیتیاں اور بڑی بڑی آبادیاں تھیں بادشاہ قباد بن فیروز کے زمانہ میں کسکر کے نیچے بے خبری میں پٹڑی ٹوٹ گئی تھی پانی چڑھ آیا اور اکثر عمارتیں تباہ ہو گئیں جب اس کا بیٹا نوشیروان تخت نشین ہوا تو اس نے پانی نکالنے کا حکم دیا اور بڑے بڑے انعامات مقرر کیئے اس طرح زمین کا بہت سا حصہ پھر آباد ہو گیا ۔۔۔ ہجری تک یہی کیفیت رہی اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہ کو کسریٰ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا یہ کسریٰ پرویز تھا۔ اور دجلہ و فرات میں غیر معمولی طغیانی آئی جو پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔ پٹڑی جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی پرویز نے اس کے بند لگوانے میں انتہائی کوشش صرف کی ایک دن میں ستر جگہ سے درستی ہوئی اور بے دریغ روپیہ صرف کیا مگر پانی روکنے کے لئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اتنے میں عراق پر مسلمانوں کے حملے ہوئے اہل فارس لڑائیوں میں مصروف ہو گئے پٹڑیاں دھڑا دھڑ ٹوٹتی رہیں اور کوئی توجہ نہ ہو سکی اہل دیہات نے لاکھ بند کرنے کی سعی کی مگر کچھ کام نہ چلا بالآخر ایک بہت بڑی جھیل بن گئی۔

جب معاویہؓ نے اپنے مولیٰ عبداللہ بن دراج کو عراق کا عامل بنا کر بھیجا تو اس نے بہت کچھ علاقہ نکال کر آباد کیا جس کی آمدنی پچاس لاکھ درہم

ہوئی اس کے بعد حسان نبطی نے ولید بن عبدالملک کے عہد میں اور علاقہ نکالا پھر ہشام کے عہد میں اور علاقہ آباد ہوا اب ہمارے زمانہ میں اس حالت پر ہے بلکہ خشک علاقہ جھیل کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہوگیا علماء حنفیہ کی بیان کردہ یہ علت مذکورہ بالا تفصیل کے دیکھتے ہوئے گویا صحابہ کے اس اجماع کا عذر ہے کہ بصرہ اور تمام آباد کردہ اراضی عشری ہیں مگر دراصل اس کی (عشری ہونے کی) علت صرف بیکار زمین کا آباد کرنا ہے۔

آباد کردہ زمین کا حریم (متعلقہ میدان) امام شافعیؒ کے نزدیک اسقدر ہے کہ جس کے بدون کام نہ چل سکے مثلاً راستہ صحن اور پانی آنے کی جگہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زراعت کی زمین کا حریم وہ ہے جو اس سے اتنے فاصلہ پر ہو کہ اس کا پانی اس تک نہ پہنچ سکے امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں اس کا حریم وہاں تک ہے جہاں تک اس کی حدود پر کھڑے ہو کر پکارنیوالے کی آواز پہنچ سکے۔ ان دونوں قول کا مقتضا یہ ہے کہ دو عمارتیں یا دو مکان ایک دوسرے سے قطعاً متصل نہیں ہوسکتے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عہد فاروقی میں بصرہ آباد کرنے کے لئے جب مکانات کے خطوط کھینچے اور ہر قبیلہ کا الگ محلہ تجویز کیا تو شارع اعظم جو مربد (اونٹ باندھنے کی جگہ) کے کام بھی آتا تھا ساٹھ ہاتھ چوڑا رکھا اس کے علاوہ اور راستوں کا عرض بیس بیس ہاتھ کوچوں کا عرض سات سات ہاتھ رکھا ہر محلہ کے وسط میں ایک بڑا چوک مقابر اور اونٹ باندھنے کے لیئے رکھا تمام مکانات متصل رکھے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اتفاق رائے سے ہوا تھا لہذا اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے بشیر بن کعب ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگوں میں راستہ پر جھگڑا ہو تو سات ہاتھ مقرر کرو۔

فصل

پانی کی تین قسمیں ہیں۔ نہری۔ کنویں کا۔ چشمے کا۔ نہروں کی تین قسمیں

ہیں (پہلی قسم) قدرتی بڑے دریا جن کو آدمیوں نے نہ بنایا ہو جیسے دجلہ فرات ان کو راقدین کہتے ہیں ان کے پانی سے زراعت اور پینے کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی ہیں ناکافی ہونے کا احتمال ہی نہیں ان میں جھگڑے اور نزاع کی صورت پیش نہ آئے گی ہر شخص حسب ضرورت اس کے پانی سے کھیتی کو پانی دے یا تالاب میں جمع کرے جائز ہے کسی کو ممانعت نہیں ہے۔(دوسری قسم) قدرتی چھوٹی نہریں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن میں بغیر روکے پانی بکثرت اور تمام باشندوں کے لیے کافی ہو اس سے ہر زمین والا بوقت ضرورت اپنی زمین سیراب کرنے کا مجاز ہے۔ کوئی تعرض نہیں کرسکتا اگر بعض لوگ اس میں سے دوسری نہر نکالنا چاہیں تو اگر اس نہر والوں کے لیے مضر ہو تو نکالنے سے روک دیا جائے ورنہ نہیں۔ دوسری وہ جن میں پانی کم ہو روکنے سے بلند ہوتا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص نہر کے اوپر سب سے اول ہو پہلے وہ سیراب کرے وہ فارغ ہو جائے تو جو اس سے متصل ہو وہ پانی روک کر اپنی زمین سیراب کرے یہاں تک کہ سب سے آخر والا سب کے بعد پانی روک کر سیراب کرے۔ عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کو سیلاب سے سیراب کرنے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ اوپر والا پہلے سیراب کرے اور وہ اپنے سے نیچے والے کے لیے پانی چھوڑ دے یہاں تک کہ آخر میں سب سے نیچی زمین والے کے پاس پانی پہنچ جائے۔

پانی روکنے کی مقدار کے متعلق محمد بن اسحاق ابو مالک بن ثعلبہ اور وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی مہزور میں یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ پانی کو زمین میں ٹخنوں تک آنے دیا جائے اس کے بعد دوسرے کے لیے چھوڑ دیا جائے مالک کہتے ہیں کہ بطحان کے سیلاب میں بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ فیصلہ ہر علاقہ اور ہر زمانے کے لیے عام نہیں ہے بلکہ ضرورت کے اعتبار سے مختلف ہے اختلاف کی پانچ صورتیں ہیں (۱) زمینیں مختلف ہوں یعنی بعض تھوڑے پانی سے اور بعض زیادہ سے سیراب ہوں (۲) کاشت مختلف ہو کیونکہ کھیتی کو سیراب کرنے کی مقدار اور ہے

اور کھجوروں اور درختوں کو سیراب کرنے کی اور (۳) گرمی اور سردی سے اختلاف ہو۔ کیونکہ دونوں زمانوں میں سیراب کرنے کی مقدار بدل جاتی ہے (۴) زراعت کو اس کے وقت اور وقت سے پہلے سیراب کرنے سے بھی سیرابی مختلف ہوتی ہے۔ (۵) کہیں پانی دائمی ہوتا ہے اور کہیں وقتی جس کو آئندہ ضرورت کے لیے جمع کرنا ضروری ہے اور دائمی میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان پانچ مختلف حالات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معین نہ تھا بلکہ عرف و ضرورت کے لحاظ سے تھا اگر کوئی شخص اپنی زمین کو سیراب کرے اور پانی بہکر ہمسائے کی زمین کو غرق کر دے تو یہ ضامن نہیں کیونکہ اپنی ملکیت میں مباح تصرف کر رہا تھا اگر اس غرق شدہ زمین میں مچھلیاں پیدا ہو جائیں تو شکار کا حق ثانی کو ہے کیونکہ اس کی زمین میں پیدا ہوئیں اول کو نہیں۔

تیسری قسم کی وہ نہریں ہیں جن کو آدمی اپنی اراضی سیراب کرنے کے لیے کھودیں تو ایسی نہر کھودنے والوں کی مشترک ملکیت ہے جیسے گزرنے کا کوچہ کہ کوئی خاص شخص اس کا مالک نہیں ہوتا اگر ایسی نہر بصرہ میں ہو اور اس میں سمندر کے چڑھاؤ کا پانی آتا ہو تو تمام باشندوں کے لیے نزاع کی یا پانی روکنے کی نوبت نہ آئے گی پانی بکثرت اور چڑھاؤ کی وجہ سے خود بلند ہو گا پھر سیرابی کے بعد اتار کے زمانے میں روک دیا جائے۔ اور اگر ایسی نہر بصرہ کے سوا ایسے علاقے میں ہو جس میں مد و جزر نہ ہو تو نہر کھودنے والوں کی ملک ہے دوسرے لوگ نہ اس سے سیراب کر سکتے ہیں نہ اس کا پانی جمع کر سکتے ہیں اور نہ اس کے حصہ داروں میں سے کوئی شخص بغیر دوسروں کی مرضی کے سیراب کرتے یا پانی بلند کرنے یا پن چکی لگانے کا مجاز ہے کیونکہ پانی میں سب شریک ہیں جیسا کہ گلیوں میں بلا سب کی رضامندی کے کسی کو دروازہ کھولنے یا چھجہ نکالنے کا حق نہیں اس نہر سے سیراب کرنے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) تھوڑے آدمی ہوں تو دنوں سے نوبت مقرر کر لیں زیادہ ہوں تو گھنٹے مقرر کر لیں

اور ترتیب میں نزاع ہو تو قرعہ اندازی سے فیصلہ کریں ہر شخص اپنی اپنی نوبت میں سیراب کرے دوسرا شریک نہ ہو (۲) یہ ہے کہ نہر کا دہانہ عرضاً ایک تختہ سے بند کر دیا جائے اور تختے میں اپنے اپنے حق کے موافق سوراخ کھود لیے جائیں اور ہر شخص اپنے سوراخ کا پانی اپنی زمین کی طرف لے جائے تیسری صورت یہ ہے کہ اتفاق رائے سے یا پیائش اراضی کے اعتبار سے ہر شخص اپنی اپنی زمین کی طرف گول کھود لے تاکہ ہر ایک شریک اپنے اپنے حق کے موافق پانی لے سکے اس صورت میں تمام شرکاء اس کے ساتھ مساوی حقدار ہوں گے یہ اور اس کے شرکاء میں سے کوئی شخص کسی کے حصہ کو کم و بیش کرنے کا مجاز نہیں اور نہ یہ حق ہے کہ مقدم شرب (پانی کا راستہ) کو موخر کرلے جیسے گلی میں موخر دروازہ کو مقدم کرنا درست نہیں اور نہ یہ حق ہے کہ موخر شرب کو مقدم کرے اگرچہ موخر دروازہ کو مقدم کرنا جائز ہے کیونکہ موخر دروازہ کو مقدم کرنے میں کسی قدر اپنا حق چھوٹتا ہے اور شرب مقدم کرنے میں حق سے زیادہ لینا لازم آتا ہے۔

اس بنائی ہوئی نہر کا حریم امام شافعیؒ کے نزدیک عرف عام پر ہے ایسے ہی قنات کے لیے کیونکہ قنات پوشیدہ نہر ہے ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حریم وہ ہے جس پر اس کی مٹی ڈالی جائے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قنات کا حریم وہاں تک ہے جہاں تک پانی نہ پھیلے اور اس میں پانی جمع رہے یہ قول بہتر ہے۔

فصل

کنوئیں۔ کنواں بنانے کی تین حالتیں ہیں (۱) یہ کہ راہگیروں کے لیے اس کا پانی مشترک ہو اور بنانے والا ان میں کا ایک فرد ہو حضرت عثمانؓ نے بئر رومہ کو وقف کر دیا تھا اور لوگوں کی طرح آپ بھی اپنا ڈول ڈالتے تھے۔ اگر پانی کافی ہو تو جانور اور کھیتیاں دونوں سیرابی کی حقدار ہیں اور

ناکافی ہو تو جانور احق ہیں جن میں آدمی اور بہائم دونوں شریک ہیں اس سے ناکافی ہو تو آدمی احق ہیں۔ دوسری حالت یہ ہے کہ کنواں کھود کر تا اقامت اس سے منفعت حاصل کی جائے جیسے خانہ بدوش لوگ کرتے ہیں تو جبتک وہ وہاں مقیم ہیں اس سے خود سیراب ہوں اور اپنے جانوروں کو سیراب کریں اور زائد ہو تو صرف پیاسوں کو پلانا واجب ہے اور جب وہاں سے چلے جائیں تو کنواں عام راہگیروں کے لیے ہو جائے گا اگر پھر واپس آئیں تو ان کا اور دوسروں کا حق برابر ہے جو سابق آئے گا وہی احق ہو گا۔

تیسری حالت یہ ہے کہ کنواں صرف اپنی ضرورت کے لیے کھودے جبتک کہ اس میں پانی برآمد نہ ہو اس کی ملکیت قائم نہ ہو گی اور پانی نکلنے پر چونکہ زمین کا احیاء (آبادی) مکمل ہو جاتا ہے لہذا کنویں کا اور اس کے حریم کا مالک ہو گیا۔ حریم کی مقدار میں اختلاف ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رواج پر ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ناضح (کھیتی سیراب کرنے کے) کنویں کا حریم پچاس ہاتھ ہے ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ستر ہاتھ ہے اور رسی اس سے زیادہ ہو تو حریم اسی قدر ہے اور فرماتے ہیں کہ بئر العطن (اونٹوں کو سیراب کرنے کا کنواں) کا حریم چالیس ہاتھ ہے یہ سب مقداریں نص سے ثابت ہوتی ہیں اگر کوئی نص موجود ہو تو اس پر عمل ضروری ہے ورنہ علت و سبب کے لحاظ سے مختلف ہوں گی رسی کے برابر حریم کی وسعت قرار دینا مناسب اور عرف میں داخل معلوم ہوتا ہے جب اس کو کنوئیں اور اس کے حریم پر ملکیت حاصل ہو جائے پانی کا زیادہ حقدار ہو جاتا ہے۔ اور کنوئیں سے سیرابی کرنے اور اس کا احاطہ بنانے سے قبل پانی کا مالک ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء شافعیہ مختلف ہیں ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ وہ مالک ہو جاتا ہے جیسے اگر کوئی شخص کان کا مالک ہو تو کان کے اندر کی چیز کا بھی لینے سے پہلے مالک ہو جاتا ہے لہذا پانی نکالنے سے قبل پانی کو فروخت کر سکتا ہے اگر کوئی شخص بلا اس کی اجازت کے سیراب کرے تو اس سے قیمت وصول کرلے اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس سے پہلے مالک نہیں ہوتا لہذا اگر

کوئی شخص بلا اجازت اپنی زمین سیراب کرے تو اسکو قیمت دینا ضروری نہیں کیونکہ پانی اصل میں مباح شے ہے ہاں اس کو حق ہے کہ اس سے اپنی زمین کو پانی دیکر دوسروں کے تصرف سے بچالے۔ جب اس شخص کو کنوئیں کی ملکیت اور پانی کا خصوصی استحقاق حاصل ہو جائے تو اس کا اپنی زراعت باغات اور مواشی کو سیراب کرنا بالکل درست ہو جاتا ہے اگر پانی اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہو تو کسی کو دینا اس کے ذمے واجب نہیں البتہ پیاس سے ہلاک ہونیوالے کو دینا ضروری ہے حسن رحمہ اللہ راوی ہیں کہ ایک پیاسے نے ایک قوم سے اگر پانی مانگا انھوں نے نہ دیا وہ غریب پیاس سے مرگیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے خونبہا لیا اور اگر ضرورت سے زیادہ ہو تو امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے آدمیوں اور جانوروں کو پلانا واجب ہے دوسروں کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنا واجب نہیں امام موصوف کے تلامذہ میں سے ابو عبیدہ بن جرثومہ کا قول یہ ہے کہ زائد پانی کسی کو پلانا خواہ جانور ہوں یا زراعت اس کے ذمہ واجب نہیں اور دوسرے شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ حیوان کے لیئے خرچ کرنا اس پہ واجب ہے کھیتی کے لیے نہیں۔ اس بارے میں امام شافعیؒ کا مذہب درست ہے ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص زائد گھاس بچانے کے لیے زائد پانی روکے گا اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن زائد رحمت روک لے گا۔ زائد پانی کو خرچ کرنے کی چار شرطیں ہیں پہلی یہ کہ کنوئیں پر اگر پانی مطلوب ہو کسی کے لیے دوسری جگہ پانی پہنچانا اس پر لازم نہیں۔ دوسرے یہ کہ کنواں چراگاہ سے قریب ہو۔ ورنہ پانی دینا اس کے ذمہ نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ مواشی کو دوسری جگہ پانی پینے کے لیئے نہ ملے اگر کوئی دوسری مباح جگہ موجود ہو تو اس پر واجب نہیں ہوتا وہیں لیجاکر پانی پلایا جائے اور اگر دوسری جگہ بھی مملوک پانی ہو تو ان دونوں مالکوں پر واجب ہے کہ زائد پانی آنے والے پیاسے جانداروں کو پلاویں اگر جانداروں کے لیے ان میں سے ایک جگہ کا زائد پانی کافی ہو جائے تو دوسرے سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کے پانی پر جانوروں کے آنے سے اس کی کھیتی یا

جانوروں کو ضرر نہ پہنچتا ہو ورنہ بصورت ضرر چرواہوں کو جائز نہ ہوگا کہ اس کے پانی سے اپنے مویشی سیراب کریں ان کو ممانعت کردی جائے۔ اگر یہ چاروں شرطیں موجود ہوں تو زائد از ضرورت پانی پلانا مالک پر واجب اور اس پر قیمت لینا حرام ہے۔ اور اگر کوئی ایک شرط پوری نہ ہو تو قیمت لے سکتا ہے بشرطیکہ پیمانہ سے یا وزن سے فروخت کرے اندازاً جانور یا کھیتی کی سیرابی پر فروخت کرنا جائز نہیں اگر کسی شخص نے کنواں کھدایا یا کنواں معہ حریم اس کی ملکیت میں آگیا پھر کسی اور شخص نے اس کے کنوئیں کے حریم پر کنواں کھودا اور پہلے کنوئیں کا پانی اسکی طرف متوجہ ہوگیا یا خشک ہوگیا تو دوسرا کنواں برقرار رکھا جائے یہی حکم اسوقت ہے جبکہ پاک کرنے کے لیئے کھودا اور اس کی وجہ سے پہلے کنوئیں کا پانی متغیر ہوگیا اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایسی صورت پیدا ہو تو دوسرے کنوئیں کو بند کرادیا جائے۔

فصل

چشموں کی تین قسمیں۔ ایک قدرتی جن کو آدمیوں نے نہ بنایا ہو اس کا حکم وہی ہے جو قدرتی نہروں کا جو شخص اس کے پانی سے زمین آباد کرے اس کو بقدر ضرورت پانی لینے کا حق ہے اگر کمی کی وجہ سے اس میں نزاع ہو تو ان اراضی کی رعایت کی جائے جو اس کے پانی سے آباد کی گئی ہوں اگر ان میں سے بعض نے بعض سے پہلے آباد کی ہو تو سبقت کرنے والے مقدم ہوں گے اگر کمی واقع ہو تو آخر والوں کے لیے ہوگی اور اگر سب نے ایک ساتھ آباد کی ہوں اور کوئی کسی سے مقدم نہ ہو تو پانی کو تقسیم کرلیں یا باری مقرر کرلیں۔ (دوسری قسم) وہ چشمے جن کو آدمی بنائیں وہ بنانے والے کی ملک ہوتے ہیں ان کے ساتھ ان کا حریم بھی ملک ہوتا ہے جس کی مقدار مذہب شافعی میں عرف اور ضرورت پر ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چشمے کا حریم پانچسو ہاتھ ہے چشمے والا جہاں چاہے اپنا چشمہ لے جائے چشمے کی زمین اور اس کا حریم اس کی ملک ہے

تیسری قسم وہ ہے جس کو مالک اپنی ملکیت میں نکالے اس کے پانی کا مستحق مالک ہے اگر اس کی ضرورت کے موافق ہو تو کسی دوسرے کا بجز مجبور پیاسے کے اس میں حق نہیں۔ اور اگر اس کی ضرورت سے زیادہ ہوا اور اس سے اور بیکار زمین آباد کرنا چاہے تو اس کا حق دار ہے اور دوسری زمین آباد نہ کرے تو باقی ماندہ پانی اہل مواشی کو ضرور دے کھیتوں کے لیئے دینا ضروری نہیں جیسے کنویں کا زائد پانی کھیتوں کے لیے دینا ضروری نہیں۔ ہاں بہ اجرت کھیتوں کو پانی دے تو جائز ہے اگر کسی نے جنگل میں کنواں کھودا یا چشمہ نکالا تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اس کی قیمت اس پر حرام نہیں ہے اور سعید بن مسیب اور ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ بیع جائز نہیں اس کی قیمت اس پر حرام ہے عمرؒ بن عبد العزیز اور ابو الزناد فرماتے ہیں کہ اگر رغبت کے لیے فروخت کرے تو جائز ہے اور خلاء کے لیے جائز نہیں جو شخص مالک سے زیادہ قریب ہو وہ بلا قیمت احق ہے اور اگر خالی رجوع کرے تو وہ زیادہ مالک ہے۔

سولھواں باب

حمٰی (چراگاہ) اور ارفاق (پڑاؤ) کے بیان میں

زمین کے جو قطعات اس غرض سے آباد نہ کرنے دیئے جائیں کہ ان میں گھانس اور چارہ اگے اور جانوروں کے چرنے کے لیئے مباح ہو ان کو حمٰی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ایسا کیا ہے آپ بقیع میں ایک پہاڑی پر چڑھے ابو عبید کا قول ہے کہ یہ لفظ نون سے نقیع ہے آپ نے میدان کی طرف جس کی مقدار ۶ × ۱ میل تھی اشارہ کرکے فرمایا یہ میری حمٰی (چراگاہ) ہے اس کو آپ نے مہاجرین وانصار کے گھوڑوں کے چرنے کے لیے روک دیا تھا آپ کے بعد اور ائمہ کے حمٰی بنانے کے متعلق یہ ہے کہ اگر وہ تمام موات یا اکثر کو خاص لوگوں یا مالداروں کے لیے حمٰی بنائیں تو جائز نہیں اور اگر عام مسلمانو یا فقراء ومساکین کے لیئے بنائیں تو اس کے جواز میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ناجائز ہے کیونکہ حمٰی کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا صعب بن جثامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع کو حمٰی بناتے وقت یہ فرمایا تھا کہ حمٰی صرف اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے بعد ائمہ کا حمٰی بنانا جائز ہے کیونکہ آپ کو مسلمانوں کی مصلحت مدنظر تھی نہ ذاتی منفعت یہی آپ کے قائم مقام کرتے ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

ربذہ میں اہل صدقہ کے لیے حمیٰ تجویز کی اور اس پر اپنے مولیٰ ابو سلامہ کو عامل بنایا اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے سرف میں حمیٰ مقرر کرکے اس پر اپنے مولیٰ ہنی نامی کو عامل بنایا اور نصیحت کی کہ اے ہنی لوگوں پر دست درازی نہ کر مظلوم کی بددعا سے ڈر اسکی بددعا قبول ہوتی ہے اونٹ اور بھیڑ بکری کے چرواہوں کو داخل ہونے دے ابن عفان اور ابن عوف کے چوپایوں کو نہ چھیڑ اگر ان کے جانور ہلاک ہونے لگے تو وہ کھجوروں اور کھیتوں کی طرف متوجہ ہونگے اور اونٹ اور بھیڑ بکری کے چرواہے اپنے عیال کیساتھ میرے پاس آکر کھینگے اے امیر المومنین آپ نے یہ کیا کیا! کیا میں انکو یونہی پریشان چھوڑ دونگا مجھے درہم و دینار سے گھاس دینا سہل ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں جان ہے کہ اگر میں ان سے فی سبیل اللہ مال نہ لیتا تو انکی بالشت بھر زمین بھی حمیٰ نہ بناتا اور آپ کے ارشاد کا کہ "حمیٰ صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیئے ہے" یہ مطلب ہے کہ حمیٰ صرف اسی طرح ہے جسطرح اللہ اور رسول نے فقرا اور مساکین اور عام مسلمانوں کی ضروریات کے لیئے بنائی نہ زمانہ جاہلیت کی طرح جبکہ لوگ زور و قوت سے اپنے لیے مخصوص کر لیتے تھے جیسے کلیب بن وائل کا طریقہ تھا کہ کسی جگہ کتے کو باندھ دیتا اور جہاں تک اس کے بھونکنے کی آواز جاتی اسکو چاروں طرف سے اپنی حمیٰ مخصوص قرار دیتا اور دوسری چراگاہوں میں لوگوں کا شریک رہتا اس کے قتل کا سبب یہی اس کی زیادتی تھی اسی واقعہ کے متعلق عباس بن مرداس کا قول ہے (بحر طویل)

کما کان یبغیہا کلیب بظلمہ من العز حتی طاح وھو قتیلہا

علی وائل اذ یترک الکلب نابحًا واذ یمنع الاثناء منہا حلولہا

ترجمہ:۔ جسطرح کلیب اپنی عزت و قوت کے گھمنڈ میں ظلم سے حمیٰ حاصل کرتا تھا کہ بھونکتے ہوئے کتے کو زمین پر باندھکر چھوڑ دیتا اور جہاں تک اسکی آواز جاتی اسے اپنی حمیٰ بنالیتا اور دوسروں کو آنے نہ دیتا آخرکار اسی وجہ سے وہ مارا گیا

جب زمین کو حمیٰ بنا دیا جائے اور آباد کرنے کی ممانعت ہو جائے تو پھر حمیٰ کا حکم نافذ ہوتا ہے اگر سب کے لیے ہو تو امیر غریب مسلم ذمی سب کو چرانے کا حق ہے اگر مسلمانوں کے لیے خاص ہو تو اس میں سب امیر و غریب کو حق ہے ذمیوں کو ممانعت ہے اور اگر فقراء و مساکین کے لیے خاص ہو تو امیروں اور ذمیوں کو چرانے کی ممانعت ہے اور یہ صورت کہ امیروں

کے لیے خاص ہو غریبوں کے لیے نہ ہو ذمیوں کے لیے ہو مسلمانوں کے لیے نہ ہو جائز نہیں اگر صدقہ کے جانور اور مجاہدین کے گھوڑوں کے لیئے خاص ہو تو دوسروں کو شریک ہونے کا حق نہیں آئندہ حمی کا حکم اسی عمومیت یا خصوصیت پر رہے گا البتہ اگر مخصوص حمی کو وسیع کر کے سب کے لیے عام کر دیا جائے تو درست ہے کہ ان مخصوصین کا کوئی نقصان نہیں ہے اگر عام حمی سب کے لیئے ناکافی ہو تو اس کو امراء کے لیئے خاص کرنا جائز نہیں اور فقراء کے لیئے خاص کرنے میں دو صورتیں ہیں (جواز اور عدم جواز)۔

کسی قطعۂ زمین کو حمی قرار دینے کے بعد اگر کوئی شخص اس میں سے کچھ آباد کر لے جس سے حمی کم ہو جائے تو اگر وہ حمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ ہو تو بحالہ حمی رہے گی اور آباد کرنا باطل ہے آباد کنندہ کو سزا دی جائے خصوصاً جبکہ حمی کا سبب موجود ہو کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے معارضہ کرنا کسی حالت میں جائز نہیں اور اگر آپ کے بعد ائمہ کی تجویز کردہ ہو تو کھیتی باقی رکھنے کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ آباد نہ رکھی جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمی کے مثل اس کا بھی حکم ہے کیونکہ صحیح طور پر نافذ شدہ حکم سے حمی قرار دی گئی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ آباد رہنے دی جائے کیونکہ آپ کا بالتصریح ارشاد ہے کہ جو شخص بیکار زمین کو آباد کرے وہ اس کی مالک ہے

کسی حاکم کو یہ جائز نہیں کہ حمی یا بیکار زمینوں میں جانور چرانے پر لوگوں سے معاوضہ لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تین چیزوں میں سب مسلمان شریک ہیں پانی۔ آگ۔ چارا۔

فصل

ارفاق۔ اس سے مراد وہ کھلے مقامات ہیں جن کو لوگوں کے بازار لگانے یا راستوں، چوک یا شہروں کی فرودگاہ یا سفر کی منزلوں کے لیے تجویز کیا جائے

اس کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جس کی منفعت جنگل اور بیرونی میدانوں سے مخصوص ہو دوسری قسم جو لوگوں کے مکانوں اور زمینوں سے متعلق ہو تیسری قسم جو شارع عام اور راستوں سے متعلق ہو۔ پہلی قسم جیسے سفر کی منزلوں اور پانی پر اترنے کے میدان اس کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جو قافلوں کے گزرنے اور مسافروں کے آرام لینے کے لیے ہو دور ہونے اور قافلوں کی ضرورت کی وجہ سے سلطان اس میں کوئی تصرف نہ کرے صرف اس کی نگرانی اور پانی کی حفاظت کرے اور لوگوں کو وہاں ٹھہرنے دے جو قافلہ پہلے آکر اترے جانے تک وہی ٹھہرنے کا مستحق ہے پیچھے آنے والے کا حق اس کے بعد ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں منی اس کا پڑاؤ ہے جو پہلے پہنچ جائے اگر ایک ساتھ آکر اتریں اور آپس میں جھگڑیں تو نزاع کو مٹانے کا انتظام کیا جائے۔ یہی حکم خانہ بدوش لوگوں کا ہے جو گھانس وچارے پانی پر ٹھیرتے پھرتے ہیں کہ ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے (۲) وہ زمین جس میں لوگ وطن بنانے کی غرض سے آکر ٹھہریں اس میں سلطان کا یہ فرض ہے کہ اگر ان کے یہاں رہنے سے مسافروں کے لیے تکلیف و دقت ہو تو ان لوگوں کو اترنے سے قبل وبعد ہر حال میں روک دے اور اگر مسافروں کے لیے تکلیف دہ نہ ہو تو جو مناسب صورت ہو اس کو اختیار کرے خواہ ان کو اجازت دے دے یا منع کردے یا بجائے ان کے دوسروں کو بسادے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ اور کوفہ کو آباد کرنے کے وقت کیا تھا کہ دونوں شہروں میں مصلحت کے لحاظ سے مناسب لوگوں کو آباد کیا تھا کیونکہ اس کے بدون آپس میں لڑنے اور خونریزی کرنے کا خطرہ ہے اور جیسے موات کا حکم ہے کہ جس کو مناسب خیال کرے اجازت دے اور جس کو مناسب نہ ہو اجازت نہ دے اگر بلا اجازت آکر آباد ہو جائیں تو منع نہ کرے جیسے موات کو بلا اذن آباد کرنے کے بعد منع نہیں کیا جاتا لیکن ان کی مصالح کے موافق انتظامات کردے اور زیادہ کو بلا اجازت تصرف میں لانے کی ممانعت کردے کثیر بن عبداللہ کے دادا راوی ہیں کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۱۷ھ میں عمرہ کرنے کے لیے

چلے تو راستہ میں تالاب والوں نے آپ سے مکہ اور مدینہ کے درمیان مکانات بنانے کی اجازت چاہی کیونکہ اس سے پہلے وہاں مکانات نہ بنے تھے تو آپ نے اجازت دے دی اور شرط یہ کی کہ مسافر پانی اور سائے کے زیادہ مستحق ہوں گے۔

دوسری قسم وہ میدان جو لوگوں کے مکانوں اور زمینوں سے متعلق ہوں ان کا حکم یہ ہے کہ اگر ارباب ملک کے لیے وہاں لوگوں کا ٹھہرنا مضر ہو تو ان کو منع کر دیا جائے اور باوجود مضرت کے وہ اجازت دیں تو ٹھہرنے دیا جائے۔ اور مضر نہ ہو تو بلا اجازت منفعت حاصل کرنے کے جواز میں دو قول ہیں ایک یہ کہ حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ حریم کی منفعت کا حکم یہ ہے کہ حسب حقداروں کو ان کا حق پہنچ جائے تو ما بقی میں سب لوگ شریک ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ بلا اجازت ان کے حریم سے استفادہ جائز نہیں اس لیے کہ وہ ان کی املاک کے تابع ہے لہٰذا جملہ حقوق و تصرفات انھیں کو حاصل ہوں گے جامع مسجد اور دوسری مساجد کے حریم سے استفادہ کرنا اگر اہل مساجد کے لیے مضر ہو تو ممنوع ہے سلطان کو اجازت دینے کا حق نہیں نمازی زیادہ مستحق ہیں اور ان کے لیے مضر نہ ہو تو استفادہ جائز ہے اس صورت میں آیا سلطانی اجازت ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں بھی ارباب ملک کے حریم کی طرح دو قول ہیں۔

تیسری قسم وہ چوک شارع عام اور راستوں سے متعلق ہو یہ سلطان کے انتظام پر موقوف ہے سلطانی انتظام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ لوگوں کو اس میں تعدی و ایذا رسانی سے روکے اگر وہاں لوگوں میں کوئی نزاع و فساد ہو تو اس کو رفع کرے مگر یہ حق نہیں کہ بیٹھے ہوئے کو اٹھا دے یا مقدم کو موخر کرے کیونکہ پہلے آنے والا بعد والے سے احق ہے دوسری صورت یہ کہ اس کا تمام انتظام سلطان اپنے اجتہاد سے کرے حسب مصلحت کسی کو بیٹھنے دے یا نہ بیٹھنے دے جس کو چاہے منع کر دے جس کو چاہے مقدم کر دے پہلے آنے والا احق نہیں ہوتا یعنی جس طرح بیت المال اور جاگیروں میں سلطان عام الاختیار

ہے اس میں بھی ہے لیکن دونوں صورتوں میں لوگوں سے اجرت اور معاوضہ لینا جائز نہیں۔ اور اگر لوگوں کی منشاء پر چھوڑ دے تو پہلے آنے والا زیادہ مستحق ہوگا اگر وہ جگہ چھوڑ کر چلا جائے تو اگلے روز اس کا حق نہ ہوگا اس میں بھی پہلے آنے والا زیادہ حقدار ہوگا اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی جگہ مشہور ہو جائے تو نزاع و فساد روکنے کے لیے یہی ضروری ہے کہ اسی کو حقدار قرار دیا جائے لیکن یہ حکم اگرچہ مصلحت پر مبنی ہے مگر اس سے ایک شئے کا اباحت کے حکم سے نکل کر ملک کے حکم میں داخل ہونا لازم آتا ہے۔

فصل

علماء اور فقہا جامع مسجد یا دوسری مساجد میں بیٹھ کر مشاغل علمیہ درس و تدریس اور فتاوے میں مصروف ہوں تو ان کی بابت یہ ہے کہ نااہل کو ہرگز یہ کام نہ کرنا چاہیے ورنہ رشد و ہدایت کے طلبہ کو گمراہ کرے گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں جو شخص فتوے دینے کی زیادہ جراءت کرتا ہے وہی زیادہ جہنم کے کیڑوں کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ ان کے متعلق سلطان کو اختیار ہے جس کو چاہے باقی رکھے جس کو چاہے ممانعت کر دے اگر کوئی اہل علم تدریس یا فتوے کے لیے کسی مسجد میں بیٹھنا چاہے تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ مسجد سلطانی انتظام میں داخل نہ ہو تو اس کو سلطان سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں جیسے اس قسم کی مساجد میں امامت کے لیے سلطانی اجازت ضروری نہیں۔ اور اگر سلطانی انتظام میں داخل ہو تو عرف و رواج کا اعتبار ہے اگر اس کام کے لیے اجازت لی جاتی ہو تو اس کو بھی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ شاہی انتظامات کے خلاف نہ ہو اور اگر رواجاً اس کی اجازت نہ لی جاتی ہو تو اس پر بھی اجازت لینا واجب نہیں اور علماء کی طرح یہ بھی اپنا کام شروع کر دے۔ کام شروع کرنے کے بعد امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جگہ اس کی مشہور ہو جائے تو وہی احق ہوگا اور

اور جمہور فقہا کا مذہب یہ ہے کہ اس کا مدار رواج پر ہے کوئی مسجد کسی کا حق مشروع نہیں جب وہ وہاں سے اُٹھ جاتا ہے اس کا حق بھی زائل ہو جاتا ہے اور پہلے آنے والا احق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سواء العاکف فیہ والباد۔

ترجمہ:۔ اس میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے سب مساوی ہیں۔

لوگوں کو مساجد میں فقہاء و قرار کے حلقوں سے گزرنے کی ممانعت کردی جائے تاکہ ان کی بے ادبی نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حمی صرف تین چیزوں کی ہے ثلۃ البئر۔ طول فرس۔ حلقۃ القوم۔ ثلۃ البئر سے مراد کنوئیں کا پورا حریم۔ طول فرس سے مراد اس کی رسی کی لمبائی جس میں بندھنے کے بعد گھوڑا گھومے حلقۃ القوم سے مراد وہ جگہ جس میں بیٹھ کر وہ مشورہ یا باتیں کریں۔

اگر مختلف مذاہب کے علماء میں اجتہادی مسائل پر مناظرہ ہو تو ممانعت نہ کی جائے بشرطیکہ تنافر پیدا ہو ورنہ ممانعت کردی جائے اور اگر کوئی شخص ایسے مسئلے میں نزاع کرے جس میں اجتہاد کو دخل نہیں تو روک دیا جائے اگر اس پر اڑے اور لوگوں کو گمراہ کرے تو سلطان پر واجب ہے کہ حاکمانہ تہدید کو استعمال کرکے اس کی بدعت کا ازالہ کرے اور شرعی دلائل سے اس کی بات کی تردید کرے ورنہ ہر بدعت کے سننے والے اور ہر گمراہی کو اختیار کرنے والے موجود ہوتے ہیں اگر کوئی اپنے ضمیر کے خلاف اچھی بات کی طرف دعوت دے تو کچھ نہ کہا جائے اور کوئی جاہل علمیت جتلائے تو روک دیا جائے کیونکہ ایسی صلاح کی طرف داعی جو خود اس میں موجود نہیں مصلح ہے اور ایسے علم کی طرف داعی جو اس میں نہ ہو مضل (گمراہ کن) ہے۔

سترھواں باب

اقطاع (جاگیرات) کے احکام

سلطان لوگوں کو انھیں علاقوں کی اقطاع (جاگیریں) دے سکتا ہے جن میں اس کا تصرف اور احکام نافذ ہوں جن کے مالک معین اور مستحقین معلوم ہوں وہ کسی کو بطور جاگیر نہیں دے سکتا۔ اس کی دو قسمیں ہیں اقطاع تملیک (مملوکہ جاگیرات) اقطاع استغلال (وظائف) اقطاع تملیک تین قسم کی زمینوں میں ہوسکتی ہے موات (غیر آباد) ہیں۔ عامر (آباد) میں۔ معادن (کانوں) میں موات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ہمیشہ سے موات ہو نہ کبھی آباد ہوئی نہ کسی کی ملک میں داخل ہوئی اس میں سلطان کو حق ہے کہ کسی کو آباد کرنے کے لیے جاگیر دیدے۔ زمین کو آباد کرنے کے لیئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ سلطان نے جاگیر دی ہو۔ کیونکہ ان کے مذہب پر بلا اذن امام آباد کرنا جائز نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک جاگیر ملنے سے آباد کرنے کا حق بڑھ جاتا ہے شرط جواز نہیں ہے کیونکہ بلا اذن بھی آباد کر سکتا ہے بہر حال باتفاق ہر دو مذہب جاگیر ملنے سے آباد کرنے کا حق زیادہ ہو جاتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیع کی موات میں سے زبیر بن عوام کو ان کے گھوڑے کی ایک دوڑ کے برابر جاگیر عطا فرمائی تھی انھوں نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ اور اخیر میں زیادتی کے خیال سے اپنا کوڑا پھینک دیا

آپ نے فرمایا اس کے کوڑے کی انتہا تک اس کو دیدو۔ دوسری قسم موات کی یہ ہے کہ پہلے آباد تھی پھر برباد ہوئی اس کی دو قسمیں ہیں (۱) عہد جاہلیت کی یعنی عاد و ثمود کی زمینوں کی طرح ہو یہ قدیمی موات کے حکم میں ہے اس میں سے جاگیر دینا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے عادی (قوم عاد کی) زمینیں اللہ اور رسول کی ہیں پھر میری طرف سے تمھاری ہیں (۲) اسلامی جو مسلمانوں کی ملک رہ کر پھر بیکار اور برباد ہوئی ہو اس کے بارے میں فقہاء کی تین مختلف رائیں ہیں امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ آباد کرنے سے ملکیت حاصل نہ ہوگی خواہ اصل مالک معلوم ہوں یا نہ ہوں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بہر دو صورت آباد کرنے سے آباد کنندہ کو ملکیت حاصل ہو جائیگی امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں اگر اس کے مالک معلوم ہیں تو آباد کرنے سے بھی وہ زمین آباد کار کی ملکیت نہیں ہو سکتی البتہ اگر مالک غیر معلوم ہیں تو آباد کرنے سے اسکی ملکیت ہوگی اگرچہ امام موصوف کے مذہب کی بنا پر جاگیروں کے علاوہ اور زمین آباد کرنے سے کسی کی ملک نہیں بن سکتی مالکوں کے معلوم ہونے کی شکل میں سلطان کیلئے ایسی زمینوں کو جاگیر دینا جائز نہیں ہے اور وہ اصلی مالک ہی اس زمین کو بیع کرنے یا آباد کرنے کے زیادہ مستحق ہونگے اور اگر معلوم نہ ہوں تو اس وقت جاگیر دینا جائز ہے اس تفصیل کے بعد جاننا چاہئے کہ جب کسی کو سلطان جاگیر دے تو وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہو جائیگا مگر اس کی ملکیت آباد کرنے سے پہلے قائم نہ ہوگی مکمل آباد کرنے کے بعد مالک ہوگا اگر آباد کرنے میں توقف کیا تو احق ہوگا مالک نہ ہوگا توقف کو دیکھا جائے اگر ظاہر عذر کی وجہ سے ہو تو قابل اعتراض نہیں زوال عذر تک اسکے قبضے میں رہنے دی جائے اور عذر نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ تین سال سے پہلے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا اندر اندر آباد کرلے تو فبہا ورنہ جاگیر کا حکم باطل ہو جائیگا دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاگیروں کی مدت تین سال مقرر کی تھی امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مدت مقرر کرنیکی ضرورت نہیں صرف آباد کرنیکی قدرت کا اعتبار ہے اگر اتنا عرصہ گزر گیا ہے جسمیں آسانی سے وہ زمین آباد ہو سکتی تھی تو اب اس سے کہا جائے کہ یا تو اسے آباد کرو تو یہ تمھارے قبضہ میں رہیگی ورنہ تم سے لے لیجائیگی تاکہ وہ زمین جاگیر میں دئے جانے سے پہلے جس حال میں تھی پھر اسی حالت اور اسی حکم میں آجائے اور حضرت عمرؓ کا مدت مقرر کرنا ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے ممکن ہے کوئی خاص وجہ یا مصلحت وقت داعی ہوئی ہو

اگر اس قسم کی جاگیر کو کوئی متغلب آباد کرے تو اس کے حکم میں علماء کے تین مذہب ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جاگیر والے سے آباد کنندہ زیادہ مستحق ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر تین سال کے اندر آباد کرے تو جاگیر والے کی ملک ہے اس کے بعد آباد کرے تو آباد کنندہ کی ملک ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر جاگیر ہونے کا علم رکھتے ہوئے آباد کرے تو جاگیر والے کی ملک ہے اور یہ علم نہ ہو تو جاگیر والے کو اختیار دیا جائے کہ یا تو اپنی جاگیر لیکر آباد کرنیکا خرچہ آباد کنندہ کو دے یا زمین آباد کنندہ کو دے کر غیر آباد ہونے کے وقت کی قیمت اس سے وصول کرے۔

فصل

عامر (آباد) کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کا مالک معلوم ہو اس میں سلطان کو تصرف کرنے کا حق نہیں ہاں اگر دارالاسلام میں ہو تو خواہ مسلم کی ملک یا ذمی کی بیت المال کے حقوق وصول کر سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ سے باہر دارالحرب میں ہو تو بشرط فتح جاگیر دے سکتا ہے تمیم داری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح سے پہلے یہ درخواست کی کہ شام کے چشمے مجھے عنایت فرما دیجئے آپ نے دیدئیے ابو ثعلبہ خشنی نے ایک جاگیر رومی سلطنت میں مانگی آپ کو تعجب ہوا صحابہ سے فرمایا سنتے ہو یہ کیا کہتا ہے اس نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو مبعوث کیا ہے یہ علاقہ ضرور آپ کے لئے فتح ہوں گے آپ نے اس کو تحریری اجازت نامہ دیدیا۔ علی ہذا القیاس اگر امام سے کوئی ایسی شئے مانگی جائے جو بالفعل دارالحرب میں کفار کی ملک ہو یا ان کے بچے یا عورتیں ہبۃً چاہے تاکہ فتح کے بعد اونکا حقدار ہو جائے جائز ہے یہ عطیہ باوجود جہالت کے امور عامہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے صحیح ہے شعبی کی روایت ہے کہ حریم بن اوس بن حارثہ طائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ

اگر اللہ تعالیٰ حیرۃ فتح کرا دے تو آپ مجھے بنت نفیلہ مرحمت فرما دیں جب خالدؓ نے حیرۃ سے مصالحت کا ارادہ کیا تو حریم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت نفیلہ مجھے مرحمت فرمائی ہے اس کو صلح سے مستثنیٰ کر دو اور گواہی میں بشیر بن سعد اور محمد بن مسلمہ کو پیش کیا تو خالد نے بنت نفیلہ کو مستثنیٰ کر کے حریم کے حوالے کر دیا حریم سے ایک ہزار درہم میں خرید ی گئی بڑھیا تھی جوانی کا دور گزر چکا تھا کسی نے حریم سے کہا کمبخت تو نے سستی دیدی اس کے رشتہ دار تجھے اس سے دوگنا دینا چاہتے تھے حریم نے کہا مجھے یہ خبر نہ تھی کہ ہزار سے اوپر بھی کوئی عدد ہے اگر اس طرح کسی کو جاگیر یا تملیک دی جلئے تو فتح کے بابت یہ کہا جائے کہ اگر صلحاً ہوئی ہو تو جاگیر کی زمین صلح سے خارج ہے سابق وعدے کی وجہ سے جاگیر والے کو دی جائے اور اگر فتح بزور شمشیر ہو تو جاگیر کا حقدار جاگیر والا ہے غانمیں کی نہیں ہے اور غانمیں کے متعلق یہ ہے کہ اگر انھیں اس کے جاگیر یاب ہونے کا فتح سے پہلے علم ہو تو اسکے معاوضے کا مطالبہ نہیں کر سکتے اور علم نہ ہو تو امام کو چاہئے کہ ان کے معاوضے دے تاکہ اور غنیموں کی طرح اس سے بھی ان کے دل خوش ہو جائیں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر غانمیں سے غنیمت لینا مقتضائے مصلحت ہو تو ان کو معاوضہ دیکر خوش کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری قسم عامر کی یہ ہے کہ اس کے مالک مخصوص متعین نہ ہوں اس کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ بلاد فتح کرنے کے بعد اس کو امام بیت المال کے لیئے انتخاب کرے یا تو اہل خمس کے استحقاق میں۔ یا غانمین کی رضامندی سے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد کی زمین سے کسریٰ اور اس کے خاندان کا مال اور جس کے مالک بھاگ گئے یا ہلاک ہو گئے تھے انتخاب کر لیا تھا اس کی آمدنی نوے لاکھ تھی جو مصالح عامہ میں صرف کی جاتی۔ آپنے اس میں سے کسی کو جاگیر نہیں دی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصلحت سے کہ جاگیرات دینے سے اس کی آمدنی بڑھ جائے گی اس کو جاگیرات میں دیا اور یہ شرط کر لی کہ اس کا حق فیئی ادا کریں گویا آپ نے بطور اجارے کے

دی تھیں۔ مملوکہ جاگیرات نہ تھیں چنانچہ ان کی آمدنی بڑھ کر پچاس کروڑ ہو گئی حضرت عثمانؓ اس میں سے انعامات اور عطیات دیتے تھے آپ کے بعد اور خلفاء میں منتقل ہوتی رہی جماجم کے سال ۸۲ھ میں ابن اشعث کا فتنہ ہوا حسابات کے دفتر جل گئے جو زمین جس کے ہاتھ آئی اس نے قبضہ کر لیا اس قسم کی عامر زمین میں سے جاگیرات دینا جائز نہیں کیونکہ انتخاب کرنے کی وجہ سے بیت المال سے متعلق اور عام مسلمانوں کی ملک ہو گئی اور اوقاف دائمی کے حکم میں ہوئی جس کی آمدنی مستحقین وقف میں صرف ہونی ضروری ہے اس کے انتظام میں سلطان کو اختیار ہے خواہ تو اس کی آمدنی براہ راست بیت المال کے لئے رکھے جیسا حضرت عمرؓ نے کیا خواہ زمین کو ہوشیار زمینداروں کے حوالے کر کے ان سے کم و بیش پیداوار کے لحاظ سے معین خراج وصول کرے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

یہ خراج زمین کی اجرت ہوگا جو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کیا جائے البتہ اگر اہل خمس کا حق ہو تو ان پر خرچ کیا جائے اور اگر یہ خراج پھلوں اور زراعتوں کی تقسیم کے اعتبار سے مقرر ہو تو کھجوروں میں جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے نصف کھجوروں پر معاملہ فرمایا تھا اور زراعتوں میں اس کا جواز فقہاء کے اس اختلاف پر ہے کہ آیا مخابرت جائز ہے یا نہیں جن کے نزدیک مخابرت (یعنی حصے پر زراعت کرنا) جائز ہے ان کے نزدیک یہ خراج بھی جائز ہے اور جن کے نزدیک مخابرت جائز نہیں خراج بھی جائز نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اگرچہ مخابرت جائز نہیں مگر یہ خراج جائز ہے۔ کیونکہ عموم مصالح کے حکم میں عقود خاصہ کی بہ نسبت زیادہ وسعت ہوتی ہے اور عشر صرف زراعت سے لیا جائے پھلوں سے نہ لیا جائے کیونکہ زراعت مزارعین کی ملک ہوتی ہے اور پھل عام مسلمانوں کے لیئے ہیں جو ان کی مصالح میں صرف ہونی چاہئیں۔

عامر کی دوسری قسم خراجی زمین ہے اس میں سے جاگیرات تملیک

دینا جائز نہیں کیونکہ دو نوع زمین نوع اول یہ کہ اصل زمین وقف ہو اور اس کا خراج اجرت ہو اس میں سے اقطاع تملیک صحیح نہیں نہ اس کی بیع وہبہ جائز ہے نوع ثانی یہ ہے کہ زمین ملک ہو اور اس کا خراج جزیہ ہو تو جس زمین کے مالک معین ہوں اس کو بھی جاگیر میں دینا صحیح نہیں اور اس کے خراج میں سے وظائف مقرر ہونے کے متعلق ہم اقطاع استغلال میں ذکر کریں گے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اس کے مالک مر گئے ہوں نہ کوئی ذوی الفروض میں سے وارث موجود ہو نہ عصبات میں سے اس کو بیت المال میں داخل کرکے عام مسلمانوں کی میراث کر دینا چاہیئے اور آمدنی کو ان کی مصالح میں صرف کرنا چاہیئے اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کی میراث صرف فقراء میں بیت کے طرف سے بطور صدقہ کے خرچ کرنی چاہیئے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا مصرف عامۃ المسلمین کے مصالح ہیں کیونکہ پہلے املاک خاصہ میں سے تھی اب بیت المال میں منتقل ہو کر املاک عامہ میں سے ہو گئی بیت المال کی طرف منتقل ہونے والے مالوں کے متعلق علمائے شافعیہ میں اختلاف ہے کہ آیا نفس انتقال سے بیت المال پر وقف ہو جاتے ہیں؟ ایک رائے تو یہ ہے وقف ہو جاتے ہیں اس لیے کہ اس کا مصرف کسی طرح خاص نہیں عام ہے اس رائے پر ان کی بیع ہبہ اور جاگیر دینا جائز نہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ جب تک امام وقف نہ کرے وقف نہیں ہوتے اس رائے پر ان کی بیع اگر بیت المال کے لیے مفید ہو درست ہے ان کی قیمت کو مصالح عامہ حاجتمند اہل فیئ و اہل صدقات پر صرف کیا جائے اور جاگیر میں دینے کے متعلق ایک قول جواز کا ہے کیونکہ جب بیع کرنا اور قیمت کو حاجت مندوں میں صرف کرنا جائز ہے تو جاگیر دینا جائز اور اس کی تملیک قیمت کی تملیک کی طرح ہوگی۔ دوسرا قول عدم جواز کا ہے اگرچہ بیع جائز ہے کیونکہ بیع میں معاوضہ ہوتا ہے اور جاگیر عطیہ ہوتی ہے اور قیمتیں جب وصول ہو جائیں تو ان کا حکم عطایا کے حکم کے

ایسا ہی خلاف ہوتا ہے جیسا کہ اصول ثانیہ کا حکم اگرچہ ان دونوں میں فرق ضعیف ہے۔ یہ اقطاع تملیک کا بیان تھا۔

فصل

اقطاع استغلال (وظائف) اس کی دو قسمیں ہیں۔ عشر۔ خراج عشر میں سے وظائف مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ زکات ہے جو خاص صفت کے مستحقین میں صرف ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ اہل وظائف دینے کے وقت اس کے مستحقین میں سے نہ ہوں اور اگر دینے کے وقت اس کے مستحق ہوں تو یہ وہ عشر ہوگا جو صاحب عشر پر اس کے مستحق کے لیئے واجب تھا مستحق کا قرض نہ ہوگا کیونکہ قبضہ کرنے سے پہلے مستحق اس کا مالک نہیں ہے پس اگر صاحب عشر اپنے عشر میں سے نہ دے تو مستحق اس سے مقدمہ لڑکر وصول نہیں کرسکتا۔ خراج کے وظائف کا حکم وظیفہ خوار کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اس کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں یا تو اہل صدقات سے ہوگا خراج میں سے دینا جائز نہیں کیونکہ خراج فئی ہے اہل صدقات اس کے مستحق نہیں ہوتے جیسے اہل فئی صدقہ کے مستحق نہیں ہوتے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دینا جائز ہے کیونکہ فئی کو اہل صدقہ کے لیئے جائز سمجھتے ہیں۔ یا اہل مصالح میں سے ہو جن کی کوئی تنخواہ نہیں ہوتی اس کے لیئے بھی علی الاعلان وظیفہ مقرر نہیں ہوسکتا اگرچہ بطور انعام دینا جائز ہے کیونکہ وہ اہل فئی کے نفل میں سے ہے اس کے فرض میں سے نہیں جو کچھ اسے دیا جاتا ہے وہ انعامات اہل مصالح سے ہوتا ہے اور اگر اس کو خراج سے کچھ دیا گیا تو اس پر حوالہ اور تسبب کا حکم جاری ہوگا۔ وظیفہ نہ ہوگا۔ اس لیئے اس کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ مال کی مقدار معین اور اس کی استباحت کا سبب موجود ہو۔ دوسری یہ کہ مال خراج ثابت اور واجب ہو جائے تاکہ اس پر تسبب اور حوالہ صحیح ہو۔ ان دونوں شرطوں کی وجہ سے وظائف کے حکم سے خارج ہوگیا۔

تیسری حالت یہ ہے کہ تنخواہ دار اہل فیئی یعنی فوجی ہو فوجیوں کو اقطاع دینا خصوصیت سے جائز ہے ان کی معین تنخواہیں اس استحقاق پر دی جاتی ہیں کہ وہ قوم و مذہب کی حمایت کے لیئے اپنی جانیں پیش کرتے ہیں پس جبکہ ان کا اہل اقطاع میں سے ہونا درست ہو تو مال خراج کو دیکھا جائے یا تو جزیہ ہوگا یا اجرت جزیہ ہونے کی شکل میں تو یہ ہے کہ وہ دائمی اور برقرار نہیں ہوتا جب تک کفر رہے لیا جائے گا اور اسلام لانے سے ساقط ہو جائے گا۔ اس میں سے ایک سال سے زیادہ کا وظیفہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ایک سال کے بعد تک جزیے کا استحقاق ناقابل اعتماد ہے اور استحقاق کے بعد اگر ایک سال کے لیئے وظیفہ مقرر کرنا صحیح اور استحقاق جزیہ سے قبل ایک سال کے لیئے مقرر کیا جائے تو اس کے جواز میں دو وجہ ہیں ایک یہ کہ جائز ہے یہ اس قول پر کہ جزیہ کا سال شرط ادا ہے دوسری یہ کہ ناجائز ہے یہ اس قول پر کہ جزیہ کا سال شرط وجوب ہے۔

اور خراج بطور اجرت ہو تو چونکہ وہ دائمی ہوتا ہے اس میں سے دو سال تک وظیفے دینا بھی صحیح ہے جزیے کی طرح صرف ایک سال کے لیئے جاری کرنا ضروری نہیں کیونکہ دونوں میں عارضی و غیر عارضی ہونے کا فرق ہے اس وظیفے کے جاری کرنے کی تین صورتیں ایک یہ کہ چند معین سال کے لیئے اجرا ہو مثلاً دس سال کے لیئے اس کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وظیفہ خوار کی تنخواہ کی مقدار وظیفہ دہندہ کو معلوم ہو۔ ورنہ وظیفہ دینا صحیح نہیں دوسری یہ کہ وظیفہ خوار اور وظیفہ دہندہ دونوں کو خراج کی مقدار معلوم ہو اگر کوئی ایک ناواقف ہو تو صحیح نہیں ہوتا اس کے بعد یہ بھی لحاظ رہے کہ یا تو خراج مقاسمۃً لیا جاتا ہو یا پیمائش پر۔ مقاسمۃ کی صورت جن فقہاء کے نزدیک جائز ہے وہ اس کو معلوم المقدار رکھ کر اس میں سے وظیفہ مقرر کرنا جائز رکھتے ہیں اور جن کے نزدیک خراج علی المقاسمۃ درست نہیں وہ اس کو مجہول المقدار رکھ کر اس میں سے وظیفہ دینا ناجائز کہتے ہیں۔

اور اگر خراج پیمائش پر ہو تو اس کی دو نوع ہیں ایک یہ کہ کاشت کے

اختلاف سے خراج مختلف نہ ہو اس کی مقدار معین ہوتی ہے وظیفہ مقرر کرنا صحیح ہے دوسری یہ کہ مختلف ہو تو اگر وظیفہ خوار کا وظیفہ دونوں خراجوں سے اعلیٰ کے مقابلے میں ہو تو مقرر کرنا درست ہے کیونکہ کمی کی صورت میں وہ نقصان پر راضی ہے۔ اور اقل کے مقابلے میں ہو تو مقرر کرنا درست نہیں کیونکہ اگر کبھی زیادتی ہو تو وہ اس کا مستحق نہ ہوگا۔ جب اس قسم کا وظیفہ جاری کرنا درست ہو جائے تو وظیفہ خوار کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں پہلی حالت یہ کہ وظیفہ کی مدت معین ہو تو یا تو وظیفہ کی مدت کے ختم تک زندہ وسلامت رہے تب تو آخر تک وظیفہ کا حقدار ہے یا انقضائے مدت سے قبل فوت ہو جائے تو باقی موت کا وظیفہ باطل ہو جائے گا اگر اس کے بال بچے ہوں تو ان کو ذراری کے حق سے ملے گا فوج کے حق سے کچھ نہ ملے گا اور وہ سبب ہوگا وظیفہ نہ ہوگا۔ یا انقضائے مدت سے قبل اپاہج ہو جائے اور باقی حیات بیماری میں کاٹے تو اس کے وظیفہ کو جاری رکھنے میں دو قول ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ انقضائے مدت تک اس کا وظیفہ جاری رہے یہ قول اس پر مبنی ہے کہ اپاہج ہونے سے اس کی تنخواہ ساقط ہوگی (۲) حالت یہ کہ وظیفہ تاحیات اور مرنے کے بعد اولاد و ورثاء کے لیے ہو یہ وظیفہ باطل ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مال بیت المال کا حق نہیں بلکہ مال موروث ہے لیکن اس کے باطل ہوتے ہوئے اگر اس نے وظیفہ وصول کیا تو عقد فاسد کے لحاظ سے وہ ماذون فیہ ہے اہل خراج اس کو دے کر بری الذمہ ہو جائیں گے اور یہ اس کی تنخواہ میں محسوب ہوگا اگر تنخواہ سے زیادہ ہو تو زیادہ کو واپس لے لیا جائے اور کم ہو تو مابقی وصول کرے اور سلطان کو چاہیے کہ اس کے فساد کا اعلان کر دے تاکہ لینے اور دینے والے دونوں رک جائیں اگر اعلان کے بعد بھی اہل خراج نے اس کو دیا تو بری نہ ہونگے (۳) یہ ہے کہ تاحیات وظیفہ مقرر کیا جائے اس کی صحت میں دو قول ہیں ایک یہ کہ صحیح ہے اگر یہ کہا جائے کہ اپاہج ہونے سے تنخواہ ساقط نہیں ہوتی دوسرا یہ کہ باطل ہے یہ اس پر مبنی ہے کہ اپاہج ہونے سے تنخواہ ساقط ہو جاتی ہے۔

وظیفہ جاری کرنے کے بعد سلطان کو سال رواں کے بعد اگلے سال سے بند کرنے کا اختیار رہے اس کی تنخواہ دیوان عطایا سے جاری کردے اور سال رواں میں بند کرے تو اگر اس کے وظیفہ کا وقت خراج کے وقت سے پہلے آگیا تو بند کرنا درست نہیں کیونکہ خراج میں اس کا حق ثابت ہو چکا ہے اور اگر خراج کا وقت وظیفہ کے وقت سے پہلے آگیا تو بند کر دینا جائز ہے کیونکہ مؤجل کی تعجیل جائز تو ہے واجب نہیں۔

فوجیوں کے علاوہ دوسرے کارکنوں کے وظائف اگر خراج سے دیئے جائیں تو ان کی تین قسمیں ہیں پہلی یہ کہ ان کی تنخواہ عارضی کام کے لیئے ہو جیسے عمال مصالح محصلین خراج۔ تو ان کا وظیفہ مقرر کرنا صحیح نہیں ان کو جو کچھ واجب دیا جائے گا تو وہ تسبب اور حوالہ ہوگا۔

دوسری یہ کہ دائمی کام کے تنخواہ دار ہوں اور ہمیشہ بطور مزدوری تنخواہ پاتے ہوں یہ ان دینی کاموں کے انجام دینے والے ہیں جو بلا تنخواہ بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے موذنین۔ ائمہ ان کی تنخواہیں بھی خراج میں سے بطور تسبب اور حوالہ کے دی جائیں یہ وظیفہ نہ ہونگی۔

تیسری قسم یہ کہ ان کی کارگزاری دوامی ہو اور تنخواہ بطور اجرت ملتی ہو یہ وہ کارکن ہیں کہ جن کی کارگزاری بدون ان کے تقرر کے صحیح نہیں ہوتی جیسے قاضی حکام محاسب ان کی تنخواہیں خراج میں سے ایک سال کے لیئے جاری کی جا سکتی ہیں ایک سال سے زائد کے لیئے میں ایک قول تو یہ ہے کہ جائز ہے لشکر پر قیاس کر کے دوسرا یہ ہے کہ ناجائز ہے کیونکہ ان کے تبادلہ اور رد و بدل کا احتمال رہتا ہے۔

فصل

اقطاع معادن۔ اس سے زمین کے وہ ٹکڑے مراد ہیں جن میں اللہ تعالے نے دھاتیں جواہر اور دوسری قسم کے اشیا پیدا کئے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں

ایک ظاہرہ دوسری باطنہ ظاہرہ سے مراد وہ ہیں جن کی چیزیں ظاہر اور کھلی ہوئی ہوں جیسے سرمہ۔ نمک، فار۔ نفط ان کا حکم پانی کے مثل ہے جو کسی کو بطور جاگیر نہیں دیا جاسکتا سب آدمی برابر فائدہ اٹھائیں۔

ثابت بن سعید اپنے دادا کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ابیض بن حمال نے مارب کے نمک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور جاگیر مانگا آپ نے دے دیا اقرع بن حابس تمیمی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اس نمک کو جاہلیت میں دیکھا ہے کہ وہاں اور کچھ نہیں ہے لوگ آتے ہیں اور پانی کی طرح لے جاتے ہیں آپ نے ابیض سے واپس کرنے کو فرمایا تو اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس شرط پہ واپس کرتا ہوں کہ آپ اس کو میری طرف سے صدقہ فرمادیں آپ نے فرمایا یہ تمھاری طرف سے صدقہ ہے اور مائے عد کی طرح ہر شخص کے لیے عام ہے ابو عبیدہ کا قول ہے کہ مائے عد سے مراد وہ پانی ہے جس میں انقطاع نہ ہو جیسے چشمے۔ کنویں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مائے عد سے مراد وہ پانی ہے جو معدہ مجتمع ہو ہر حال اس قسم کی چیزوں کو جاگیر میں دینا درست نہیں اگر دے دی جائیں تو ناقابل اعتبار ہے جاگیردار اور دوسرے لوگ سب مساوی الحقوق ہیں۔ اگر وہ ان کو منع کرے تو یہ اس کی زیادتی ہے جتنی مقدار لے گا اس کا مالک ہوگا کیونکہ منع کرنا تعدی ہے لینا تعدی نہیں البتہ اس کو ہمیشہ لینے سے روک دیا جائے تاکہ جاگیر کے حقوق اور ملکیت کی صورت ثابت نہ ہو۔

معادن باطنہ سے مراد وہ کانیں ہیں جن کے اشیاء پوشیدہ ہوں جیسے سونے چاندی پیتل لوہے وغیرہ کی کانیں عام اس سے کہ ان میں سے نکلے ہوئے مادے کو پگھلا کر صاف کرنے کی ہو یا نہ ہو۔ ان کی جاگیروں دینے میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ ناجائز ہے معادن ظاہرہ کی طرح یہ بھی سب کے لئے عام ہیں۔

دوسرا یہ کہ جائز ہے کیونکہ ابن عوف اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو معادن قبطیہ کی

جلسی اور غوری قدس کی قابل زراعت زمینیں جو اب تک کسی مسلمان کو نہیں دی گئی تھیں مرحمت فرمائیں جلسی و غوری میں دو تاویلیں ہیں (۱) بلند و پست یہ قول عبداللہ بن وہب کا ہے (۲) جلسی نجد کا علاقہ غوری تہامہ کا علاقہ یہ قول ابو عبیدہ کا ہے۔

شماخ کا قول ہے (بحر طویل)

فمرت علی ماء العذیب وعینها کوقب الحصے قد تغورا جلسیها

ترجمہ۔ وہ عذیب کے چشمۂ آب پر آئی جسکے دونوں بلند کنارے پتھریلے جوہر کی طرح سے گہرے ہو گئے تھے۔

اس قول پر جاگیردار کو حق جاگیر حاصل اور دوسرے کو منع کرنا صحیح ہوگا اس کے حکم میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ اقطاع تملیک ہے جاگیرداران کان کا اپنے اور اموال کی طرح مالک ہوتا ہے اپنی زندگی میں بیع کر سکتا ہے اور مرنے کے بعد وراثت جاری ہوگی۔ دوسرا یہ کہ اقطاع ارفاق (جاگیر منافع) ہے کان کا مالک نہیں ہوتا جب تک قابض رہے مستفید ہو کوئی شخص تعرض نہیں کر سکتا اور جب دست بردار ہو جائے جاگیر کے حکم سے خارج ہو کر حسب سابق سب کے لیئے مباح ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص نے زمین آباد کی خواہ جاگیر میں لیکر یا اس کے بدون اور اس میں ظاہری یا باطنی معدن نکلی تو آباد کنندہ ہمیشہ کے لیئے مالک ہوگا جیسے چشموں اور کنوں کا کھود دینے والا مالک ہو جاتا ہے۔
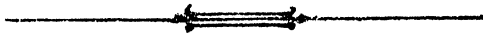
اٹھارھواں باب

دیوان (دفاتر) اور اس کے احکام

سلطنت کے جملہ کاروبار اور مالیات کی حفاظت لشکروں اور عہدیداروں کے انتظامات برقرار رکھنے کے لئے دفاتر قائم کئے جاتے ہیں۔ دفاتر کو دیوان سے موسوم کرنے کی دو وجہ بیان کی جاتی ہیں ایک یہ کہ کسریٰ نے اپنے دیوان کے منشیوں کو دیکھا کہ وہ خود کو شمار کر کے حساب کر رہے ہیں ان سے کہا دیوانہ یعنی مجنون ہیں۔ اس کے بعد سے ان کی جگہ اسی لفظ سے موسوم ہو گئی کثرت استعمال سے ہا ساقط ہو گئی دیوان رہ گیا۔ دوسری یہ کہ دیوان فارسی میں شیاطین کو کہتے ہیں چونکہ منشی بھی چالاک ہوشیار اور باریک بین اور منتشر چیزوں کو یکجا کرتے ہیں لہذا اس نام سے موسوم کر دے گئے پھر ان کے کام کی جگہ کو اس نام سے موسوم کرنے لگے۔

عہد اسلامی میں سب سے پہلے دفاتر کا قیام حضرت عمرؓ نے کیا کس سبب سے ایسا ہوا اس میں اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بحرین سے مال لیکر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ نے پوچھا کتنا لائے ہو انھوں نے کہا پانچ لاکھ درہم حضرت عمرؓ کو زیادہ معلوم ہوئے کہا سمجھتے ہو تم نے کیا کہا ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہاں ایک لاکھ پانچ مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

یہ طیب ہے انھوں نے کہا مجھے معلوم نہیں حضرت عمرؓ منبر پر چڑھے اور حمد و ثنا کے بعد کہا صاحبو ہمارے پاس بہت مال آیا ہے تم چاہو تو ہم تمھیں پیمانے سے دیں اور چاہو تو شمار کرکے دیں ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا امیرالمومنین میں نے عجمیوں کو دیکھا ہے کہ وہ دفاتر بناتے ہیں آپ بھی ہمارے لیئے دفاتر قایم کیجئے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر کو روانہ کیا آپ کے پاس ہرمزان موجود تھا اوس نے عرض کیا کہ اس لشکر کے اہل وعیال کو آپ نے مصارف دیدئے ہیں اب اگر ان میں سے کوئی فوج سے نکل کر اپنے گھر بیٹھ رہے تو افسر کو کیسے معلوم ہوگا ان کے لیئے دیوان بنائے آپ نے پوچھا دیوان کیا ہوتا ہے ہرمزان نے اس کی صورت بیان کی۔

عابد بن یحیٰ حارث بن نفیل سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے دفاتر قائم کرنے کے متعلق مشورہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ہر سال کی آمدنی اس میں صرف کردیا کریں بچا یا نہ کریں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب مال کی کثرت ہوگی اگر یہ پتہ نہ چلا کہ کس نے لیا اور کس نے نہیں لیا تو بہت دقت اور پریشانی کا سامنا ہوگا خالد بن ولید نے کہا میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ دفاتر کا قیام اور عساکر کی تنظیم کرتے ہیں آپ بھی ایسا ہی کیجئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات مان لی اور عقیل بن ابی طالب مخرمہ بن نوفل۔ جبیر بن مطعم قریش کے نوجوانوں کو بلا کر حکم دیا کہ لوگوں کے نام مراتب کے لحاظ سے لکھو انھوں نے سب سے پہلے بنو ہاشم کے نام لکھے ان کے بعد ابو بکرؓ اور ان کی قوم کے نام لکھے پھر عمرؓ اور ان کی قوم کے لکھے گویا خلافت کی ترتیب کا اعتبار کیا۔ اور حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے آپ نے دیکھ کر فرمایا یہ ٹھیک نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے اعتبار سے لکھو جو جسقدر آپ سے قریب ہو اسیقدر مقدم ہو

---

* اصل کتاب میں تو اس طرح ہے اور فتوح البلدان مصنفہ بلاذری میں ولید بن ہشام بن مغیرہ ہے۔

اور عمر کو اس مرتبے پر لکھو جس پر اس کو اللہ نے رکھا ہے اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا وصلتک رحم زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بنو عدی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا آپ رسول اللہ کے اور ابو بکر کے خلیفہ ہیں اور ابو بکر رسول اللہ کے خلیفہ ہیں کاش آپ اور یہ لکھنے والے آپ کو اسی مرتبہ میں نہ رکھتے جس میں اللہ نے رکھا ہے فرمایا تو یہ تم چاہتے ہو کہ بعد میں میری برائی ہو اور میری نیکیاں تمھیں ملجائیں نہیں ہرگز نہیں تمھارے پاس دعوت آئے گی اور دفتر مکمل ہو کر رہے گا خواہ تمھارے نام بالکل آخر ہی میں لکھے جائیں مجھ سے پہلے دو حضرات ایک راستہ اختیار کر چکے ہیں اگر میں ان کی مخالفت کروں تو میری مخالفت کی جائیگی لیکن خدا کی قسم فضل ہمیں دنیا میں نہیں ملا اور نہ یہ امید ہے کہ بدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کے اللہ کے دربار سے ہمیں ثواب ملے گا آپ ہمارا شرف ہیں آپ کی قوم تمام عرب سے زیادہ شریف ہے اور پھر وہ جو ترتیب وار آپ کے قریب ہوں خدا کی قسم اگر قیامت کے دن عجمی اپنے عمل لے کر آئیں اور ہم بغیر عمل آئیں تو ہماری بہ نسبت ان کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ ہوگا۔ کیونکہ جس کے پاس عمل نہ ہو نسب کیا کام دے گا۔ عامر روایت کرتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے دفاتر قائم کرنے چاہے تو فرمایا ابتدا کس سے کی جائے عبد الرحمن بن عوف نے کہا خود سے شروع کیجیے حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے ابتدا فرمائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے انہی حضرات سے ابتدا کی پھر جو قریشی ان سے قریب تھے علی ہذا الترتیب قریش سے فارغ ہوئے تو انصار کا نمبر آیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا سعد بن معاذ اوسی کے خاندان کو لکھو پھر جو ان سے قریب ہوں زہری سعید بن مسیب سے راوی ہیں کہ یہ کام محرم سنہ ۱۵ھ* میں ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

* اسی طرح اصل میں ہے اور بلاذری کی فتوح البلدان میں سنہ ۲۰ھ ہے یہی صحیح ہے۔

سے قرابت کی ترتیب کا لحاظ کر کے رجسٹر مکمل کر دیئے گئے۔ تو وظائف کی کمی و بیشی کو سبقت اسلام اور آپ کی قرابت کے اعتبار سے رکھا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سبقت اسلام کا اعتبار نہ فرماتے تھے سب کے وظائف مساوی قرار دیتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں ایسا ہی کیا امام شافعیؒ اور مالکؒ کا اس پر عمل ہے۔ اور حضرت عثمانؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عامل تھے ابو حنیفہؒ اور فقہائے عراق نے اسی کو اختیار کیا ہے جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سب کو برابر قرار دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ کے نزدیک جس نے دو ہجرتیں کیں دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور جو تلوار کے خوف سے فتح کے سال مسلمان ہوا برابر ہیں؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کے اعمال اللہ کے واسطے ہیں وہی ان کا اجر دے گا دنیا سوار کے لیئے دار بلاغ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اس کے برابر نہیں سمجھتا جو آپؐ کے ساتھ ہو کر لڑا ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے دفاتر ترتیب دیئے سابقین اسلام کے حصے زیادہ رکھے سابق مہاجرین میں سے جو بدر میں شریک ہوئے ان کے حصے پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کیئے ان میں سے علی بن ابی طالب عثمان بن عفان طلحہ بن عبداللہ زبیر بن عوام عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم ہیں ان کے ساتھ اپنے لیئے بھی پانچ ہزار تجویز کیئے اور عباس بن عبدالمطلب حسن حسین رضی اللہ عنہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ہونے کی وجہ سے انہی حضرات کے ساتھ شریک کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وظیفہ ان سے زیادہ یعنی سات ہزار مقرر کیا۔ اور ہر شریک بدر انصاری کے چار ہزار درہم سالانہ مقرر کیئے اہل بدر سے زیادہ بجز امہات المومنین کے کسی کے لیئے مقرر نہیں فرمایا ان میں سے ہر ایک کا وظیفہ دس ہزار درہم مقرر فرمایا مگر عائشہ رضی اللہ عنہا کا بارہ ہزار سالانہ مقرر کیا امہات المومنین کے ساتھ جویریہ بنت الحارث اور صفیہ بنت حیئی کو بھی شمار کیا ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں کے چھ چھ ہزار درہم مقرر کیئے۔ باقی قبل فتح مسلمان ہونے والوں کے تین تین ہزار اور بعد فتح

والوں کے دو دو ہزار مقرر کئے مہاجرین وانصار کے لڑکوں کے وظائف فتح کے مسلمانوں کے برابر رکھے۔ عمر بن ابی مسلمہ مخزومی کے چار ہزار کیونکہ ان کی والدہ ام سلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ محمد بن عبداللہ بن جحش نے عرض کیا آپ نے عمر کو ہم سے کیوں بڑھا دیا حالانکہ ہمارے آبا نے ہجرت کی بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہونے کی وجہ سے اگر کوئی ماں کے وسیلے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو ام سلمہ جیسی ماں لائے میں اسے خوش کر دوں گا اسامہ بن زید کے چار ہزار مقرر کئے عبداللہ بن عمر نے عرض کیا آپ نے میرے تین ہزار مقرر کئے اور اسامہ کے چار ہزار حالانکہ میری کارگزاریاں اس سے زیادہ ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس کو اس لیئے زیادہ دیا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا اور اس کا باپ آپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھا ان کے بعد اور سب کے وظائف باعتبار مراتب قرأت قرآن اور جہاد مقرر کئے اہل یمن و شام وعراق کے لیئے فی کس دو ہزار سے پانسو اور تین سو تک مقرر کئے۔ تین سو سے کم کسی کے مقرر نہیں کئے اور فرمایا اگر مال کی کثرت ہوئی تو ہر شخص کے چار چار ہزار درہم مقرر کر دوں گا ایک ہزار اس کے گھوڑے کے لیئے ایک ہزار ہتھیاروں کے ایک ہزار سفر کے لیئے اور ایک ہزار اس کے گھر والوں کے لیئے نومولود کے لیئے سو درہم مقرر کئے اور بڑا ہو گیا تو ایک ہزار اور بالغ ہونے پر اور زیادہ کر دیئے

نومولود کا دودھ چھوٹنے سے پہلے کچھ مقرر نہ کرتے تھے ایک مرتبہ رات کے وقت ایک عورت کو سنا کہ اپنے بچے کو دودھ چھوڑنے پر مجبور کر رہی ہے اور بچہ رو رہا ہے آپ نے دریافت کیا تو عورت نے کہا کہ عمرؓ مولود کا دودھ چھوٹنے سے پہلے وظیفہ مقرر نہیں کرتے اس لیئے میں اس سے جبراً چھڑا رہی ہوں آپ نے فرمایا افسوس عمرؓ نے گناہوں کی کتنی گٹھریاں باندھ لیں اور اسے خبر تک نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے اعلان کرا دیا کہ کوئی اپنی اولاد کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرے ہم ہر ایک اسلامی نومولود

کا وظیفہ مقرر کرتے ہیں۔

اہل عوالی کا روزینہ مقرر تھا آپ نے ایک جریب غلہ منگا کر پسوایا اور روٹی پکوا کر ثرید بنوایا اور تیس آدمیوں کو بٹھا کر صبح کا کھانا کھلایا جس سے وہ سیر ہو گئے پھر شام کو بھی اسی طرح کیا۔ یہ تجربہ کر کے آپ نے فرمایا کہ ہر آدمی کو دو جریب ماہوار کافی ہوتے ہیں لہٰذا عوالی کے ہر ایک مرد۔ عورت۔ باندی کا دو جریب ماہانہ مقرر کر دیا۔ جب کوئی کسی کو بد دعا دیتا تو کہتا خدا تیری جریب موقوف کر دے۔

سابقہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ ابتداً رجسٹروں میں ناموں کی ترتیب باعتبار نسب کے اور وظائف کی مقدار بحیثیت کارگزاری اور سبقت اسلام کے رکھی گئی تھی مگر جب سابقین اسلام نہ رہے تو شجاعت و بہادری اور حسن عمل کے لحاظ سے کمی بیشی رکھی گئی یہ فوج کے دفتر کی تفصیل تھی۔

دفاتر محاصل جو شام و عراق میں پہلے سے تھے اسلامی عہد میں بحال رکھے گئے شام کا دفتر رومی حکومت کی وجہ سے رومی زبان میں اور عراق کا دفتر فارسی حکومت کی وجہ سے فارسی زبان میں تھا دونوں جگہ کے دفتر عبدالملک بن مروان کے عہد تک انھیں زبانوں میں رہے اور اس نے ۸۱ھ میں شام کا دفتر عربی میں منتقل کر دیا اس کا سبب مدائنی کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے دفتر میں ایک رومی منشی تھا اس کو دوات میں پانی ڈالنے کی ضرورت ہوئی تو اس نے پانی ڈالنے کے بجائے اس میں موت لیا اس پر عبدالملک نے اس کو سزا دی اور سلیمان بن سعد کو حکم دیا کہ دفتر کو عربی زبان میں منتقل کرو سلیمان نے عرض کیا کہ مجھے اردن کے ایک سال کے خراج سے میری مدد کیجئے عبدالملک نے منظور کیا اور اس کو اردن کا حاکم مقرر کر دیا۔ اردن کا خراج ایک لاکھ اسی ہزار دینار تھا سال گزرنے نہ پایا کہ سلیمان اپنے کام سے فارغ ہو گیا اور عربی دیوان کو عبدالملک بن مروان کے سامنے پیش کیا عبدالملک نے اپنے کاتب سرجون کو بلا کر دکھلایا اسے نہایت رنج ہوا اور اپنے ہم قوم رومی کاتبوں سے کہا کہ اب روزی کمانے کا کوئی اور ڈھنگ اختیار کرو خدا نے یہ راستہ تمھارے لیے بند کر دیا۔

عراق کے فارسی دفتر کو منتقل کرنے کی یہ وجہ ہوئی کہ حجاج کے کاتب کا نام زادان فروخ تھا اس کے ساتھ صالح بن عبدالرحمٰن عربی و فارسی میں کام کرتا تھا زادان نے اس کو حجاج سے ملایا حجاج کو پسند آیا ایک روز صالح نے زادان سے کہا کہ حجاج نے مجھے اپنا مقرب بنایا اندیشہ ہے کہیں وہ مجھے تم سے نہ بڑھا دے زاداں نے کہا یہ خیال نہ رکھو اسے میری بہت ضرورت ہے حساب کا کام میرے سوا کوئی نہیں کرسکتا صالح نے کہا خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو تمام حسابات عربی میں منتقل کردوں اور ایک ورق یا ایک سطر منتقل کرکے اسے دکھلائی۔ عبدالرحمٰن بن اشعث کے زمانے میں زاداں فروخ قتل ہوگیا حجاج نے صالح کو اس کی جگہ مقرر کیا تب اس نے اپنا یہ واقعہ حجاج سے بیان کیا یہ سنکر حجاج نے منتقل کرنے کا حکم دیدیا اور کچھ مدت تجویز کردی صالح نے تمام دفتر عربی میں بدل دیا جب مردان شاہ بن زادان فروخ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے صالح سے کہا میں تجھے ایک لاکھ درہم دیتا ہوں تو حجاج سے اپنا عجز بیان کردے اس نے منظور نہ کیا مردان نے کہا جس طرح تو نے فارسی کی جڑ اکھاڑ دی خدا تیری جڑ اکھاڑ دے۔ عبدالحمید بن یحیٰی مردان کا کاتب کہا کرتا تھا خدا بھلا کرے صالح کا اوس نے عربی منشیوں پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

فصل

سلطنت کے دفاتر کی چار قسمیں ہیں فوجیوں کے اندراج نام اور تنخواہوں کا دفتر۔ صوبوں کی حدبندی اور متعلقہ حقوق کا دفتر۔ عمال کے تقرر و عزل کا دفتر بیت المال کی آمد و برآمد کا دفتر۔ یہ چاروں قسمیں چونکہ شرعی احکام کے ماتحت ہیں اور کارکنان دفاتر کو ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس لئے ان کی تفصیل کی جاتی ہے۔

پہلی قسم میں فوجیوں کے اندراج نام اور تنخواہوں کے دفتر کے متعلق یہ ہے کہ نام درج کرنے کی تین شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ ان میں ایسی صفات

پائی جائیں جن کی وجہ سے درج رجسٹر کرنا جائز ہو دوسری یہ کہ استحقاق تربیت کا سبب موجود ہو اور تیسری شرط وہ حالت ہے جس کے لحاظ سے تنخواہ مقرر کی جائے۔

درج رجسٹر کرنے کے لیئے پانچ صفات قابل لحاظ ہیں (۱) بلوغ کیونکہ بچہ ذراری اور توابع میں داخل ہے اس کا نام درج کرنا جائز نہیں اس کا حج ذراری کے ساتھ ہوتا ہے (۲) حریت کیونکہ مملوک اپنے آقا کے تابع اور اس کے وظیفہ میں شامل ہوتا ہے امام ابوحنیفہؒ حریت کی شرط نہیں لگاتے مملوک کو درج رجسٹر کرنا اور فوجیوں کی طرح وظیفہ دینا جائز رکھتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے خلاف ہیں انھوں نے حریت کو شرط قرار دیا امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے (۳) اسلام تاکہ اپنے اعتقاد کے بموجب ملت سے دفاع کرے اور اس کی خیر خواہی قابل اعتماد ہو ذمی کے نام کا اندراج نہ کیا جائے مسلمان مرتد ہو جائے تو نام کاٹ دیا جائے (۴) ایسی آفات سے محفوظ ہو جو قتال سے مانع ہیں۔ اپاہج۔ اندھے۔ لنجے کا نام لکھنا جائز نہیں بہرے اور گونگے کا جائز ہے لنگڑا اگر گھوڑے سوار ہو تو لیا جائے ورنہ نہیں (۵) لڑائی کی قوت اور اس کے طریقوں سے واقفیت رکھتا ہو کمزور اور ناواقف کو نہ لیا جائے کیونکہ جس کام سے عاجز ہیں اس میں ہلاک ہونے کا احتمال قوی ہے۔ اگر یہ پانچ باتیں موجود ہوں تو اندراج نام کے لیئے اس کی درخواست اور قبول کا ہونا لازمی ہے اس کی درخواست اس وقت معتبر ہے جب تمام کاموں سے فارغ ہو اس کے بعد حاکم بوقت ضرورت اس کو طلب کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

اگر مشہور و باعزت آدمی ہو تو اس کا پتہ اور حلیہ لکھنے کی ضرورت نہیں اور عام لوگوں کا پتہ و حلیہ لکھنا بھی ضروری ہے لہذا عمر۔ قد۔ رنگ اور چہرہ کی کیفیت ضبط کی جائے تاکہ اگر نام متعدد ہوں تو ان چیزوں سے امتیاز ممکن ہو اور تقسیم تنخواہ کے وقت پکارا جا سکے۔ اس کے بعد نقیب کے حوالے کر دیا جائے۔

فصل

اندراج نام میں ترتیب لکھنے کی دو صورتیں ہیں۔ عام ۔ خاص
عام سے مراد قبائل واجناس کی ترتیب ہے تاکہ ہر قبیلہ اور ہر جنس دوسروں سے ممتاز رہے لہٰذا دو مختلف خاندان کے لوگوں کو جمع اور ایک خاندان والوں کو جمع اور ایک خاندان والوں کو متفرق نہ کیا جائے اس سے یہ فائدہ ہے کہ شہرت نسب کے امتیاز سے جماعتیں منتظم رہیں گی اور کسی قسم کا نزاع نہ ہوگا ۔ اس لحاظ سے فوجیوں کی دو قسمیں ہیں عرب اور عجم ۔ عرب کو ایک جگہ لکھا جائے اور ان کے قبیلوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کے اعتبار سے ترتیب وار لکھے جیسے ابتداء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا ۔ ہر نسب کو جڑ سے شروع کرکے اس کی تمام شاخوں کو لکھے ۔ عرب کی دو شاخیں ہیں ۔ عدنان قحطان ۔ عدنان کو قحطان سے مقدم رکھے کیونکہ نبوت ان میں ہوئی ہے عدنان کی دو شاخیں ہیں ۔ ربیعہ ومضر ۔ مضر کو ربیعہ سے مقدم رکھے نبوت ان میں ہوئی ہے مضر میں قریش اور غیر قریش ہیں قریش کو مقدم رکھے نبوت ان میں ہوئی قریش میں دو ہیں بنو ہاشم اور غیر بنو ہاشم بنو ہاشم کو مقدم رکھے نبوت ان میں ہوئی ہے اس تمام ترتیب کا قطب اور اصل بنو ہاشم ہوئے پھر جو ان سے جتنا قریب ہو یہاں تک کہ مضر اور بالآخر تمام عدنان لکھے جائیں انساب عرب کے چھ درجے ہیں شعب قبیلہ ۔ عمارۃ ۔ بطن ۔ فخذ ۔ فیصلہ ۔ شعب سب سے پہلی شاخیں ہیں جیسے عدنان ۔ قحطان ۔ شعب اس لئے کہتے ہیں کہ ان سے قبائل کا انشعاب (شاخ شاخ ہونا) ہوتا ہے ۔ پھر قبیلہ جس میں شعب تقسیم ہوں جیسے ربیعہ ۔ مضر ۔ قبیلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سے نسب متقابل ہو جاتے ہیں ۔ پھر عمارہ جس میں قبائل تقسیم ہوں جیسے قریش وکنانہ پھر بطن جس میں عمارہ تقسیم ہو جیسے بنو عبد مناف و بنو مخزوم پھر فخذ جس میں بطن تقسیم ہو جیسے بنو ہاشم

بنو امیہ پھر فیصلہ جیسے بنو ابی طالب اور بنو عباس پس فضائل فخذ میں، افخاذ بطن میں، بطون عمارہ میں، عمائر قبیلہ میں، قبائل شعب میں ہوئے جب انساب میں بعد ہوتا ہے تو قبائل شعوب اور عمائر قبائل ہو جاتے ہیں۔

اور عجم اگر بحیثیت نسب مجتمع ہوں تو دو طرح جمع ہو سکتے ہیں اجناس سے یا بلاد سے متمیز بالاجناس جیسے ترک۔ ہند۔ پھر اسی طرح ترکوں اور ہندیوں میں اجناس ہیں اور متمیز بالبلاد جیسے دیلم۔ جبل پھر دیلم اور جبل میں اور بلاد ہیں۔ اجناس و بلاد کی تقسیم کے بعد اگر ان میں سابقین اسلام ہوں تو ان پر ترتیب قائم کی جائے گی اور وہ نہ ہوں تو حاکم کی قرابت کے اعتبار سے ترتیب رکھی جائے اور اس میں مساوی ہوں تو جنھوں نے اس کی اطاعت کی ہو ان پر قائم کی جائے۔

ترتیب خاص کی یہ صورت ہے کہ افراد میں ایک دوسرے کو ترتیب وار لکھے اس میں سابقین اسلام کا اعتبار کرے اس میں مساوی ہوں تو دینداروں کا اعتبار کرے اس میں برابر ہوں تو سن کا اعتبار کرے اس میں برابر ہوں تو شجاعت کا اعتبار کرے اس میں بھی برابر ہوں تو حاکم کو چاہیئے کہ یا تو قرعہ اندازی کر کے ترتیب دے یا اپنے اجتہاد و رائے سے ترتیب قائم کرے۔

فصل

تنخواہوں کی مقدار کفایت کے اعتبار سے ہے تاکہ ایسے افکار سے مستغنی ہو جو فوجی خدمات انجام دینے میں حارج ہیں کفایت میں تین امر معتبر ہیں اہل و عیال اور غلام و باندیوں کے اعداد گھوڑوں اور سواریوں کے اعداد۔ مقام سکونت میں اشیا کی ارزانی و گرانی ان تینوں امر اور کھانے کپڑے کے خرچ کو ملحوظ رکھ کر پورے سال کا نفقہ مقرر کر دیا جائے اس کے بعد ہر سال اس کی حالت کا ملاحظہ ہوتا رہے اگر اس کی ضروریات

زیادہ ہو جائیں تو تنخواہ میں اضافہ کیا جائے اور کم ہو جائیں تو کمی کی جائے تنخواہ بقدر کفایت مقرر کرنے کے بعد اضافہ کرنے میں فقہا کا اختلاف ہے امام شافعیؒ اگر مال زیادہ ہو تب بھی منع فرماتے ہیں کیونکہ بیت المال کا روپیہ ضروری حقوق میں صرف کرنے کے لیئے ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر آمدنی بڑھ جائے تو اضافہ جائز ہے تقسیم تنخواہ کا وقت معین ہونا چاہئے تاکہ اہل عسکر اس وقت وصول کیا کریں اور تعین محاصل کی وصولی کی لحاظ سے کیا جائے یعنی اگر سالانہ وصول ہوں تو سالانہ تنخواہ دی جائے اور سال میں دو بار وصول ہوں تو شش ماہی دی جائے۔ اور ماہانہ وصول ہوں تو ماہانہ دی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ روپیہ جمع ہو اور مستحقین کو نہ ملے یا ابھی وصول نہیں ہوا اور ان کے تقاضے ہو رہے ہوں۔ اگر بیت المال میں روپیہ موجود ہو اور تنخواہ کا وقت آجانے کے باوجود تقسیم نہ کی جائے تو مستحقین کو مطالبہ کرنے کا ایسا ہی حق ہے جیسا کہ قرض کے مطالبے کا اور اگر آمدنی نہ رہے یا وصولیابی میں تاخیر ہو تو مطالبہ نہیں کر سکتے جیسے مدیون اگر مفلس ہو تو قرضخواہ اس مطالبے کا حقدار نہیں۔

اگر حاکم کسی عذر سے فوج کو کم کرنا چاہے تو جائز ہے اور بلا سبب و عذر جائز نہیں کیونکہ مسلمانوں سے دفاع کے لیئے لشکر کا ہونا ضروری ہے۔ اگر بعض فوجی ملازمت ترک کرنا چاہیں تو اگر انکی ضرورت نہ ہو تو ترک کر سکتے ہیں اور اگر ضرورت ہے تو ترک نہیں کر سکتے معذور ہوں تو مضائقہ نہیں۔ اگر فوج لڑنے سے انکار کرے حالانکہ ... سے مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے تو اس کی تنخواہیں ساقط ہو جائینگی اور طاقت نہ رکھتی ہو تو ساقط نہ ہوگی۔ اگر کسی فوجی کی سواری معرکے میں ہلاک ہو جائے تو اس کے عوض اور دی جائے اور معرکے میں ہلاک نہ ہو تو نہ دی جائے۔ اور اگر کسی کے ہتھیار معرکے میں ضائع ہو جائیں اور تنخواہ میں ان کا خرچ نہ ملتا ہو تو ان کا عوض دیا جائے اور تنخواہ میں ان کا خرچ بھی داخل ہو تو نہ دیا جائے۔ اگر کہیں باہر بھیجا جائے اور سفر خرچ تنخواہ میں محسوب نہ ہو تو دیا جائے۔ ورنہ نہ دیا جائے اگر کوئی فوجی مر جائے یا قتل ہو جائے تو

اس کی واجب شدہ تنخواہ میراث ہے حسب حصص شرعی ورثار کو دی جائے جبتک نہ دی جائے گی بیت المال کے ذمے ان کا قرض ہے۔ اس کے بعد اس کی تنخواہ اس کے بال بچوں کے لیئے جاری رکھی جائے یا نہیں اسمیں فقہار کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ فوج کی مد سے ان کو کچھ نہ دیا جائے کیونکہ اصل مستحق موجود نہیں رہا البتہ مال عشر و صدقہ سے ان کی امداد کی جائے دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے بعد اس کی اولاد کے لیئے جاری رکھی جائے تاکہ اس کو خدمات انجام دینے کی رغبت اور شوق ہو۔ اور اگر کوئی فوجی اپاہج ہو جائے تو بھی فقہار کے دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ تنخواہ موقوف کی جائے کیونکہ بعوض عمل تھی اور وہ نہ رہا دوسرا یہ ہے کہ جاری رکھی جائے تاکہ لوگوں کو فوجی خدمات کی ترغیب ہو۔

فصل

صوبوں کی حدبندی اور متعلقہ حقوق کا ذکر۔ اس میں چھ فصلیں ہیں۔

(پہلی فصل) علاقوں کی حدبندی اور ان کے مختلف الاحکام نواح کی تفصیل میں اگر ضلعوں اور تحصیلوں کے احکام مختلف ہوں تو ہر ایک کی حدود مفصل ضبط کی جائیں تاکہ ایک دوسرے کے علاقے آپس میں نہ ملیں اور اگر ضلع کی اراضی بھی مختلف الاحکام ہوں تو نواحی کی طرح ان کو بھی تفصیل سے لکھا جائے ورنہ نہیں۔

(دوسری فصل)۔ علاقے کی کیفیت فتح آیا بزور شمشیر فتح ہوا یا صلح سے اور اس پر خراج مقرر ہوا یا عشر۔ اور اس کی نواح کے احکام اسی جیسے ہیں یا مختلف کیونکہ تین حال سے خالی نہیں یا تو تمام زمین عشری ہے۔ یا تمام خراجی یا کچھ عشری اور کچھ خراجی اگر تمام عشری ہو تو اس کی پیمائش کی ضرورت نہیں کیونکہ عشر زراعت پر ہوتا ہے مساحت پر نہیں ہوتا جو زمین پہلے پہل آباد کی جائے اس کو دفتر عشر میں درج کرنا چاہیئے دفتر خراج میں درج نہ کیا جائے

اور مالکان زمین کو بھی اس میں ذکر کر دینا ضروری ہے کیونکہ عشر مالکان زمین کے اعتبار سے ہوتا ہے زمین پر نہیں۔ ساتھ ہی زمین کی آمدنی اور پانی دینے کی کیفیت بھی لکھی جائے کیونکہ اس کے اختلاف سے محصول کا حکم بدل جاتا ہے جس قسم کا پانی ہو اسی کے موافق محصول لیا جائے۔

اگر زمین خراجی ہو تو اس کی پیمائش ضروری ہے کیونکہ خراج پیمائش ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے اگر خراج اجرت کے حکم میں ہو تو ارباب زمین کے اسامی درج کرنے لازمی نہیں اور بحکم جزیہ ہو تو ان کے اسامی اور صفت اسلام یا کفر کا درج کرنا لازمی ہے تاکہ اس کے اعتبار سے محاصل کم و بیش لیئے جائیں۔ اگر کچھ زمین عشری اور کچھ خراجی ہو تو عشری کو دفتر عشر میں اور خراجی کو دفتر خراج میں منضبط کرنا چاہیئے کیونکہ ہر ایک کا حکم مختلف ہے اور حکم کے اعتبار سے محصول لیا جائے۔

تیسری فصل۔ خراج کے احکام اور اس کی صورت کہ آیا مقاسمۃً ہے یا مقدار معین ہے۔ اگر خراج پیداوار کی تقسیم کے اعتبار سے ہو تو اراضی کے رقبے نکال کر ان کے ساتھ مقدار مقاسمۃً مثلاً ربع یا ثلث یا نصف بھی لکھنی چاہیئے اور پیمانوں کی مقدار بھی ذکر کی جائے تاکہ مقاسمت انکے موافق ہو اور اگر خراج میں چاندی (نقد) لی جائے تو اگر باوجود اختلاف زرع کے سب پر ایک سی محصول ہو تو رجسٹر سے مساحت نکال کر اسکے موافق وصول کیا جائے۔ اس صورت میں صرف وصول شدہ کو لکھنا ضروری ہے اور اگر مختلف زراعتوں پر مختلف خراج ہو تو رجسٹر سے مساحت کو نکال کر تمام مختلف زراعتوں کو ضبط کر لیا جائے۔ تاکہ ان کے اعتبار سے خراج وصول ہو۔

چوتھی فصل۔ ہر شہر کے ذمیوں کا اندراج اور ان کا جزیہ اگر جزیہ دولت اور افلاس کے اعتبار سے مختلف ہو تو ذمیوں کی تعداد کے ساتھ ان کے نام بھی لکھے جائیں تاکہ ہر ایک کی دولت و افلاس کا حال معلوم ہو سکے کہ کون بالغ ہوا تاکہ اس سے لیا جائے اور کون کون مرا اور مسلمان

ہوا کہ ان سے ساقط کیا جائے اور اس سے کل واجب جزیہ کی مقدار متعین ہو سکے۔

پانچویں فصل۔ اگر علاقے میں کانیں ہوں تو تمام اجناس کا تذکرہ اور ان کی تعداد ذکر کی جائے تاکہ کان سے واجب حق وصول کیا جائے چونکہ مختلف ہونے کی وجہ سے ان کی مساحت یا مقدار معین نہیں کی جاسکتی اس لئے ان سے جو آمدنی حاصل ہو صرف اس کو ضبط کرنا چاہیے۔ کانوں کے احکام ان کی فتح اور عشری وخراجی ہونے کی کیفیت داخل نہیں ہے۔ کیونکہ اختلاف فتوح اور احکام اراضی سے ان کی آمدنی مختلف نہیں ہوتی بلکہ عامل اور وصول کنندہ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ ہم فقہاء کا اختلاف پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کن کانوں سے لیا جائے اور کس قدر لیا جائے پس اگر اس کے متعلق کسی پہلے امام کا حکم موجود نہ ہو تو اگر حاکم وقت اہل اجتہاد سے ہو تو اس جنس میں جس میں محصول واجب ہو اور محصول کی مقدار میں اپنے اجتہاد ورائے سے کام لے کر کارروائی کرے اور پہلے حاکم یا امام کا اپنے اجتہاد سے نافذ کردہ حکم موجود ہو تو جنس معدن کے متعلق تو اب بھی معتبر ہے۔ مگر مقدار واجب کے متعلق اب معتبر نہیں کیونکہ جنس کا حکم معدن موجود کے لحاظ سے ہے اور مقدار کا حکم معدن مفقود کے لحاظ سے ہے۔

چھٹی فصل۔ اگر شہر سرحد پر واقع ہو اور مصالحت کی وجہ سے دشمنوں کے مال یا واپسی عشر اندراتا ہو تو دفتر میں اس کی مصالحت اور مقدار عشر مثلاً دسواں یا پانچواں حصہ یا کم وبیش تحریر ہونا چاہیے اور اگر عشر مال ومتاع کے اختلاف سے مختلف ہو تو اس کی تفصیل درج کی جائے اور اس کے اعتبار سے ہر آنے والے مال کا محصول وصول کیا جائے۔

دارالاسلام میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونیوالے مالوں پر عشر لینا شرعاً حرام ہے نہ اس میں اجتہاد کو گنجائش ہے اور نہ اسے عدل وانصاف سے کچھ تعلق کہیں کہیں ظالم ایسا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ سب سے برے لوگ محصول جمع کرنے والے عشار ہیں۔ اگر والی ملک احکام بلاد اور محاصل کی مقدار میں تبدیلی کرنا چاہے تو ان اجتہادی امور میں جن میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں اسباب زیادتی یا کمی کے رونما ہونے پر تبدیلی جائز ہے اور بہ نسبت سابق کے ثانی احکام کا نفاذ ضروری ہوگا پس اگر عمل کے وقت صرف ثانی احکام کو ملاحظہ کیا جائے تو جائز ہے مگر احتیاط اس میں ہے کہ دونوں کو ملاحظہ کیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اسباب حادثہ زائل ہوگئے ہوں اور پھر حکم سابق پر عملدرآمد ضروری ہو جائے۔ اور اگر شرعاً ان تبدیلیوں کی گنجائش نہ ہو اور نہ اجتہاد کو دخل ہو تو احکام سابقہ ہی واجب العمل ہوتے ہیں اور تمام تبدیلیاں مردود ہوں گی خواہ بصورت زیادتی ہوں یا کمی کیونکہ زیادتی رعایا پر ظلم ہے اور کمی بیت المال پر ظلم ہے۔ اگر دفتر سے کارروائی کے قوانین نکلوائے جائیں تو اگر طلب کنندہ کوئی ایسا والی ہو جو اس کے حالات سے ناواقف ہے تو پیش کرنے والے پر واجب ہے کہ پہلے اور پچھلے دونوں قوانین پیش کرے اور پہلے قوانین سے واقف ہو تو صرف ثانی قوانین پیش کرے پہلوں کا پیش کرنا واجب نہیں کیونکہ حاکم ان سے واقف ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ احکام بعد کے ہیں۔

فصل تیسری قسم عمال کے عزل ونصب کا دفتر۔ اس میں چھ فصلیں ہیں

(پہلی فصل) اس بیان میں کہ عامل کون بنا سکتا ہے اس کا اعتبار نفوذ امر اور جواز نظر پر ہے لہذا جو شخص کسی کام کو کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اسکے احکام نافذ ہیں وہ اس پر دوسرے کو عامل بنانے کا مجاز ہے اور وہ ان لوگوں میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔ بادشاہ جسے ہر طرح کا اختیار ہے وزیر تفویض عامل عام الولایت جیسے عامل صوبہ یا عامل شہر کلاں کہ ان کو خاص خاص کاموں پر عامل مقرر کرنے کا حق ہے اور وزیر تنفیذ بلا حصول اجازت کسی کو عامل مقرر نہیں کر سکتا۔

دوسری فصل کس کا عامل بنانا صحیح ہے۔ ہر وہ شخص جو اس کام کا

اہل اور امانت دار ہو عامل ہو سکتا ہے پس اگر عامل تفویض کا عہدہ ہو تو حریت، اسلام، اور اجتہاد ہونا شرط ہے اور عامل تنفیذ کا عہدہ ہو تو چونکہ اس میں اجتہاد کی ضرورت نہیں لہذا حریت اور اسلام بھی شرط نہیں۔

تیسری فصل وہ کام یا علاقہ جس پہ مقرر کیا جائے۔ اس میں تین شرطیں ہیں ایک علاقہ مفوضہ کی تحدید تاکہ دوسروں سے ممتاز ہو جائے۔ دوسری شرط متعلقہ کام کا تعین مثلاً خراج یا عشر کی تحصیل تیسری شرط یہ کہ متعلقہ علاقے کے جملہ حقوق و حدود کی ایسی تفصیل کہ کسی کا خفا نہ رہے۔ ان تینوں شرطوں کی تکمیل اور تقرر کنندہ اور عامل کے علم کے بعد تقرر صحیح و نافذ ہو جاتا ہے۔

چوتھی فصل مدت تقرر اس کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں یا تو محدود مہینے یا سال ہوں۔ اس صورت میں دوران مدت میں کام کرنے کا مجاز ہے اس کے بعد نہیں لیکن تقرر کنندہ پر اس مدت معینہ کا پورا کرنا لازمی نہیں اگر اس کے نزدیک مناسب اور مقتضائے مصلحت ہو تو مدت پوری ہونے سے پہلے اس کو تبدیل یا معزول کر سکتا ہے۔ اور خود عامل پر مدت کا پورا کرنا اس کی تنخواہ کے اعتبار سے ہے اگر اس قدر ہو کہ اس پر اجرت کے کام صحیح ہوتے ہیں تو عامل پر پوری مدت کام کرنا واجب ہے بلکہ جبراً کام لیا جا سکتا ہے کیونکہ اس طرح کی عمالی اجارات محضہ میں سے ہوتی ہے اس عقد میں تقرر کنندہ کے مختار اور عامل کے مجبور رہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقرر کنندہ کے لیئے یہ حقوق عامہ میں سے ہے کیونکہ وہ سب کی طرف سے نائب ہوتا ہے لہذا اصلح تخیر ہے اور عامل کے حق میں عقود خاصہ سے ہے لہذا اس پر حکم جبر اور لزوم جاری ہو گا اور اگر اجرت کے کاموں کے مناسب اس کا کوئی معاوضہ نہ ہو تو وہ جب چاہے سبکدوش ہو سکتا ہے لیکن اپنے تقرر کنندہ کو اطلاع کرنا شرط ہے تاکہ وہ کوئی انتظام کرائے اور کام میں کوئی خلل نہ آئے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ کسی مخصوص کام کی انجام دہی کے لیئے مقرر ہو مثلاً تقرر کنندہ کہے کہ میں نے تم کو فلاں علاقے کی تحصیل خراج کے لیئے امسال مقرر کیا۔ فلاں شہر کے صدقات پر اس سال مقرر کیا

اس صورت میں اس کی مدت تقرر تکمیل کار تک ہے جب کام سے فارغ ہو معزول ہو جائے گا اور فراغت سے قبل حاکم اس کو معزول کر سکتا ہے اور خود سبکدوش ہونے کا اختیار معاوضہ کی صحت و فساد پر ہے۔ تیسری حالت یہ ہے کہ تقرر مطلقاً بلا تقیید مدت یا عمل ہو مثلاً یوں میں نے تم کو کوفے کے خراج یا بصرہ کے عشر یا بغداد کی حفاظت پر مقرر کیا اس میں اگرچہ مدت غیر معلوم ہے مگر تقرر صحیح ہے کیونکہ اس سے مقصود صرف اجازت ہے تاکہ اس کی کارروائی جائز ہو جائے عقود اجازت کی طرح لزوم نہیں ہے۔

تقرر کی صحت اور کارروائی کے جائز ہونے کے بعد دو حال ہو سکتے ہیں یا تو متعلقہ کام دائمی ہو گا جیسے وصولی محاصل۔ قضا۔ حقوق معادن تب تو اس کی کارگزاری ہر سال جب تک معزول نہ کیا جائے درست رہے گی اور یا منقطع ہو گا اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ سالانہ نہ ہو جیسے مال غنیمت کی تقسیم کے لئے مقرر ہوا اس کا حکم یہ ہے کہ کام سے فراغت کے بعد معزول ہو جاتا ہے اور غنیمتوں کو تقسیم کرنے کا مجاز نہیں دوسری یہ کہ سالانہ جیسے خراج کے لئے مقرر کیا جائے اس کے حکم میں فقہا مختلف ہیں کہ اس کا مطلقاً تقرر ایک ہی سال کے لئے ہوتا ہے یا ہر سال کے لئے ایک قول تو یہ ہے کہ صرف اسی سال کے لئے ہو گا اس سال کا عشر، خراج وصول کرنے کے بعد معزول ہو جائے گا بلا جدید تقرر کے آئندہ سال کام کرنے کا مجاز نہیں یقین اسی میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عرف کے اعتبار سے ہر سال کے لئے تقرر ہو گا بلا معزولی کے معزول نہ ہو گا۔

پانچویں فصل عامل کا معاوضۂ خدمت اس کی تین صورتیں ہیں معین ذکر کیا جائے۔ مجہول ذکر کیا جائے۔ کسی طرح ذکر نہ کیا جائے اگر معاوضہ معین ذکر کیا جائے تو خدمت ٹھیک طور پر ادا کرنے سے اس کا مستحق ہو جاتا ہے اور کمی کرے تو یا تو کچھ کام کے نہ کرنے سے ہو گی تب تو بقدر قلت کار کے معاوضہ کم دیا جائے اور یا باوجود تکمیل کار کے خیانت کا مرتکب

ہوا ہو تو پورا معاوضہ دے کر خیانت شدہ شے لے لی جائے۔ اور زیادہ کارگزاری دکھلائی ہو تو اگر اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہو تو زیادتی مردود و غیر نافذ ہے اور اس کے اختیار میں داخل ہو تو زیادتی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حق بجانب ہو دوسری یہ کہ ظلماً ہو۔ اگر حق بجانب ہو تو متبرع ہے تجویز شدہ معاوضہ سے زیادہ نہ دیا جائے اور ظلماً ہو تو حقدار کو واپس دی جائے اور عامل کو تعدی اور جور کی سزا دی جائے۔

اگر معاوضہ مجہول ذکر کیا جائے تو اس جیسے کام پر جو معاوضہ دیا جاتا ہو وہی اس کو دیا جائے لہذا اگر دفتر میں مقدمہ مذکور ہوا ور اس سے پہلے اور عمال کو اس پر معاوضہ دیا جا چکا ہو تو یہی مقدار اس کے لیئے ہوگی۔ اور اگر اس سے پہلے صرف ایک شخص کو اس خدمت پر مامور کر کے معاوضہ دیا گیا تو وہ نظیر نہ ہوگا۔

اور اگر معلوم یا مجہول کی طرح ذکر نہ کیا جائے تو اس صورت میں فقہائے شافعیہ کے چار مذہب ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی کارگزاری کا کچھ معاوضہ نہیں اس کا تبرع ہے مزنی فرماتے ہیں کہ اس کو معاوضہ مثل دیا جائے کیونکہ اگرچہ معاوضہ کا ذکر نہیں ہوا لیکن اس نے اجازت سے کام شروع کیا ہے ابو العباس بن سریج کہتے ہیں کہ اگر اس کا کام پر معاوضہ لینا مشہور ہو تو دیا جائے اور مشہور نہ ہو تو نہ دیا جائے ابو اسحٰق مروزی شافعی کہتے ہیں کہ اگر اس کو کام کرنے کے لیئے مدعو یا مامور کیا جائے تو معاوضہ مثلی کا مستحق ہے اور خود اس کی خواہش پر اجازت دی جائے تو مستحق نہیں ہے اگر اس کی کارگزاری میں مال حاصل ہوتا ہو تو اس کا معاوضہ اس مال سے واجب الادا ہے ورنہ بیت المال کے سہم مصالح سے دینا واجب ہے۔

چھٹی فصل دو صورتیں جن سے تقرر صحیح ہوتا ہے۔ اگر تقرر کنندہ زبانی تقرر کرے تو اور عقود کی طرح یہ بھی صحیح ہے اور اگر اس کے دستخط سے تحریری تقرر ہو زبان سے نہ کہے تو بھی صحیح ہے یعنی اگر اس کے ساتھ شواہد و قرائن موجود ہوں تو عرف کے لحاظ سے سلطانی عہد سے منعقد ہو سکتے ہیں اگرچہ

عقود خاصہ منعقد نہیں ہوسکتیں یہ اس تقرر میں ہے کہ جس میں مقرر ہونے والے عہدہ دار کو اپنا نائب وغیرہ بنانے کا اختیار نہ ہو اور اگر ایسا عام تقرر ہو کہ ہر عہدہ دار اپنا نائب بنا سکے تو درست نہیں ہے۔ جب ان تمام شرائط کے ساتھ تقرر درست ہو جائے اور اس کام پر پہلے سے کوئی شخص مامور نہ ہو تو یہ تنہا اپنے خدمات شروع کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی تنخواہ کا مستحق ہونے لگتا ہے اور اگر پہلے سے کوئی اور شخص بھی مامور ہو تو کام کی نوعیت دیکھی جائے گی اگر دونوں کے شریک ہونے کے قابل نہ ہو تو دوسرے کا تقرر پہلے کا عزل ہے۔ اور اگر دونوں شریک ہوسکتے ہیں تو عرف و رواج کو دیکھا جائے اگر رواجاً اشتراک نہ ہوتا ہو تو بھی پہلے کا عزل ہے اور رواجاً اشتراک ہوتا ہو تو دوسرے کا تقرر پہلے کا عزل نہیں ہے دونوں کام کریں۔

اگر کسی کو مشرف (نگران کار) مقرر کیا جائے تو عامل تو کارکن ہے اور مشرف کا کام یہ ہے کہ اس کو زیادتی و نقصان اور مستبدانہ کارروائی سے منع کرتا رہے۔ مشرف اور صاحب البرید کے حکم میں تین طرح سے فرق ہے ایک یہ کہ عامل بلا مشورۂ مشرف کوئی کام نہیں کرسکتا اور بلا مشورہ صاحب البرید کرسکتا ہے دوسرا یہ کہ مشرف عامل کو غلط طریق کار سے روک سکتا ہے۔ اور صاحب البرید نہیں روک سکتا تیسرا یہ کہ مشرف کے ذمے عامل کی اچھی بری کارروائیوں کی اطلاع دینا ہے اور صاحب البرید کا فرض ہے کہ اس کی تمام کارروائیوں کی اطلاع دے کیونکہ مشرف کا خبر دینا استعدا (شکایت) ہے اور صاحب البرید کا خبر دینا انہا (محض اطلاع) ہے اور خبر انہا اور خبر استعدا میں دو فرق ہیں ایک یہ کہ خبر انہا صحیح و فاسد دونوں کارروائیوں کو مشتمل ہوتی ہے اور خبر استعدا فاسد کارروائی کے ساتھ مختص ہے۔ صحیح سے متعلق نہیں ہوتی دوسرا یہ کہ خبر انہا دونوں صورتوں میں ہوتی ہے عامل نے رجوع کیا ہو یا نہ کیا ہو اور خبر استعدا اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ اس نے رجوع نہ کیا ہو۔

اگر عامل استعدا مشرف یا انہا صاحب البرید کا انکار کر دے تو

ان میں سے کسی کا قول تاوقتیکہ براہان قائم نکریں معتبر نہ ہوگا۔ اور اگر دونوں انہار و استعداد پر مجتمع ہو جائیں تو دونوں مل کر عامل کے خلاف شاہد ہونگے اگر قابل اطمینان ہو تو دونوں کا قول معتبر ہوگا۔

اگر عامل سے حساب پیش کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو اس پر خراج کا حساب پیش کرنا واجب ہے عشر کا واجب نہیں کیونکہ خراج کا مصرف بیت المال سے متعلق ہے اور عشر کا اہل صدقات سے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کا پیش کرنا ضروری ہے کیونکہ ان کے نزدیک دونوں کا مصرف مشترک ہے۔

اگر عامل عشر مدعی ہو کہ عشر کو مستحقین میں صرف کر دیا تو اس کا قول قبول کیا جائے اور عامل خراج خراج کے متعلق یہ کہے تو بلا بیّنہ قبول نہ کیا جائے۔ اگر عامل اپنا نائب مقرر کرنا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ایسا نائب مقرر کرے جو تنہا اس کے کام کو انجام دے تو یہ ایسا نائب مقرر کرنیکا مجاز نہیں یہ استبدال (اپنے بجائے کسی کو مقرر کرنا) کے معنی رکھتا ہے اور اس کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے بجائے کسی کو مقرر کرے اگرچہ خود کو معزول کرسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنا مددگار مقرر کرے اس کا جواز خود اس کے تقرر کی نوعیت پر ہے جس کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ اس کے تقرر میں ضمناً مددگار مقرر کرنے کی اجازت ہو اس شکل میں اپنا نائب مقرر کرے تو جائز ہے اگر بلا تخصیص نائب کی اجازت ہو تو اس کے معزول ہونے سے اس کا نائب بھی معزول ہو جائے گا اور اگر معین مخصوص نائب کی اجازت دی گئی تو اس کے معزول ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ عامل کے عزل سے معزول ہو جائے گا دوسری کہتی ہے کہ معزول نہ ہوگا۔ دوسری حالت یہ ہے کہ تقرر میں نائب مقرر کرنے کی ممانعت ہو تو اس کا مقرر کرنا جائز نہ ہوگا اگر قدرت ہو تو کار متعلقہ کو تنہا انجام دے اور عاجز ہو تو اس کا تقرر فاسد ہو جائے گا اگر باوجود فساد کے کام کرتا رہے تو امر و نہی کے کاموں میں اس کی اجازت درست ہوگی اور

تقررات کے حل و عقد میں صحیح نہ ہوگی۔ تیسری حالت یہ ہے کہ عامل کا تقرر مطلقاً ہو یعنی نائب بنانے کی نہ اجازت ہو نہ ممانعت تو اس وقت کام کی حالت دیکھی جائے گی اگر تنہا کر سکتا ہو تو نائب مقرر کرنا جائز نہیں اور تنہا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو جتنے کام کی قدرت نہ ہو اس کے لیے مقرر کر سکتا ہے اور جتنے کی قدرت رکھتا ہو اس کے لئے مقرر نہیں کر سکتا۔

فصل چوتھی۔ قسم بیت المال کی مخصوص آمد بر آمد۔ ہر وہ مال جس کے مستحق مسلمان ہوں اور ان میں سے کسی خاص آدمی کا مملوک نہ ہو تو وہ بیت المال کا حق ہے قبضہ کرنے کے بعد صرف قبضے سے بیت المال کی ملک ہو جائے گا خواہ بیت المال کی نگرانی میں سب داخل کیا جائے یا نہ کیا جائے کیونکہ بیت المال جہت اور نسبت سے عبارت ہے نہ کہ مکان سے۔ اور ہر وہ حق جس کا عام مسلمانوں سے تعلق ہو اس کا خرچ بیت المال کے ذمے ہے پس جو مال ایسے حق میں صرف کیا جائے گویا وہ بیت المال سے لے کر خرچ کیا گیا ہے عام اس سے کہ وہ بیت المال سے لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو کیونکہ جو آمدنی مسلمانوں کے عمال کے پاس جاتی ہے یا ان کے ہاتھ سے خرچ ہوتی ہے اسی کی آمد برآمد پر بیت المال کا حکم جاری ہے اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ جس مال کے مستحق مسلمان ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔ فئی۔ غنیمت۔ صدقہ۔ فئی بیت المال کا حق ہے کیونکہ ان کا مصرف امام کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے۔ غنیمت بیت المال کا حق نہیں ہے کیونکہ اس کے مستحقین غانمین ہوتے ہیں جو شریک واقعہ ہو کر مخصوص ہو جاتے ہیں۔ اس کا مصرف امام کی رائے سے مختلف نہیں ہو سکتا نہ اپنے اجتہاد کی بنا پر ان کا حق روک سکتا ہے۔ اور فئی و غنیمت کے خمس کی تین قسمیں ہیں ایک قسم بیت المال کا حق ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم جس کا مصرف مصالح عامہ ہیں کیونکہ یہ امام کی رائے و اجتہاد سے خرچ ہوتا ہے دوسری قسم جو بیت المال کا حق نہیں ہے یہ ذوی القربی کا سہم ہے تمام ذوی القربی اس کے مستحق ہیں چونکہ یہ لوگ اس کے مخصوص

مالک ہیں اس لیئے بیت المال کے حقوق سے خارج ہو گیا امام اپنی رائے اور اجتہاد سے صرف کرنے کا مجاز نہیں۔ تیسری قسم وہ جس کی نگرانی و حفاظت بیت المال کے ذمے ہے یہ تینوں مسکینوں اور مسافروں کا سہم ہے اگر یہ لوگ پائے جائیں تو ان کو دیا جائے ورنہ ان کے لیئے محفوظ رہے۔

صدقہ کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم صدقہ مال باطن یہ بیت المال کے حقوق میں داخل نہیں ہے کیونکہ ارباب مال خود خرچ کرنے کے مجاز ہیں دوسری قسم صدقہ مال ظاہر جیسے زراعتوں اور پھلوں کا عشر اور مواشی کے صدقات۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بیت المال کے حقوق ہیں کیونکہ امام اپنی رائے اور اجتہاد سے خرچ کرنے کا مجاز ہے اہل السہمین کے لیئے مخصوص نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیت المال کے حقوق میں نہیں کیونکہ امام موصوف ان کے مصارف معین قرار دیتے ہیں ان کے سوا کہیں اور صرف کرنا جائز نہیں رکھتے لیکن اس بارے میں ان کا قول مختلف ہے کہ جبتک اس کے احراز کی کوئی اور جگہ نہ ہو تو آیا بیت المال محل احراز ہو سکتا ہے یا نہیں پہلا قول یہ تھا کہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس وقت ان کے نزدیک یہ مال امام کو دینا واجب تھا۔ لیکن جدید قول یہ ہے کہ اس صورت میں بیت المال محل احراز وجوباً نہیں ہے کیونکہ اب ان کے نزدیک ہر مال امام کے حوالے کرنا جائز تو ہے واجب نہیں لہذا بیت المال کا احراز بھی جائز ہے واجب نہیں۔

اور جو احراز بیت المال پر واجب ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کے ذمے احراز اس معنی کر ہو کہ اگر مال موجود ہو تو اس کے مصارف میں صرف کرنا واجب ہے اور موجود نہ ہو تو وجوب ساقط ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ بیت المال پر واجب ہے اس کی دو نوع ہیں نوع اول یہ کہ اس کا مصرف بصورت بدل ہو جیسے فوج کی تنخواہیں گھوڑوں اور ہتھیاروں کی قیمت اس کا وجوب مال کے وجود پر موقوف نہیں خواہ

موجود ہو یا معدوم بہرصورت اس کا حق واجب ہے یعنی اگر روپیہ موجود نہ ہو تو
فوراً خرچ کیا جائے جیسے دیون مع الیسار فوراً واجب الادا ہوتے ہیں اور
موجود نہ ہو تو مہلت واجب الادا ہے جیسے دیون مع الاعسار۔ اور دوسری
نوع یہ ہے کہ اس کا مصرف محض مصلحت اور رفاہ عام ہو بدل کی صورت
نہ ہو تو اس کا وجوب روپیہ کی موجودگی میں بیت المال پر ہے عام مسلمانوں
سے ساقط ہے اور موجود نہ ہو تو بیت المال سے وجوب ساقط ہے۔ لیکن اگر اس کا ضرر عام
ہو تو جہاد کی طرح تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے جب تک کوئی شخص ادا نہ کرے سب کے ذمے باقی
رہیگا اور اگر ضرر عام نہ ہو جیسے ایک قریب کا راستہ تو دشوار گزار ہے مگر اسکے علاوہ
ایک دور کا راستہ بھی موجود ہے۔ یا پانی کا ایک گھاٹ منقطع ہو جائے مگر دوسرا
موجود ہو تو جسطرح اسکا وجوب روپیہ نہ ہونے سے بیت المال سے ساقط ہے
اسی طرح بدل ہونے کی وجہ سے عام مسلمانوں سے بھی ساقط ہے۔

اگر بیت المال پر بیک وقت دو حق واجب ہوں اور دونوں کا
ادا کرنا ممکن نہ ہو صرف ایک ادا ہو سکے تو اس میں صرف کیا جائے جس سے
بیت المال مدیون ہوتا ہو اور دونوں کا پورا کرنا دشوار ہو تو اگر والی کو فساد
اور خرابی کا اندیشہ ہو تو بیت المال پر قرض لے سکتا ہے جس کو دیون میں صرف
کرے مصالح میں صرف نہ کرے اور قرض کو بیت المال پر روپیہ جمع
ہونے پر ادا کیا جائے اگر روپیہ آئندہ حاکم کے عہد میں جمع ہو تو اس پر
ادا کرنا واجب ہے اگر روپیہ بیت المال میں خرچ ہونے کے بعد
فاضل رہے تو فقہا اس کے بارے میں مختلف ہیں امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے
کہ آئندہ حوادث کے خیال سے جمع اور محفوظ رکھا جائے اور امام شافعیؒ
فرماتے ہیں کہ جمع نہ کیا جائے بلکہ مسلمانوں کی مصالح عامہ میں خرچ
کر دیا جائے کیونکہ حوادث کے مصارف تمام مسلمانوں پر عائد ہیں
بوقت ضرورت روپیہ ان سے وصول ہو سکتا ہے۔ یہ
چاروں قسمیں نفس دیوان کے بیان و تفصیل سے متعلق
تھیں

فصل

اس میں کاتب دیوان کے متعلق بیان ہے یہ دیوان کے معتمدین میں سے ہوتا ہے اس کے تقرر کی دو شرطیں ہیں۔ عدالت[1] - کفایت[2] عدالت کی شرط اس وجہ سے ہے کہ وہ بیت المال اور رعایا کے حقوق کا امین ہوتا ہے لہذا ضروری ہے کہ امینوں کی طرح صاحب عدالت و امانت ہو۔ اور کفایت کی شرط اس لئے ہے کہ اس کو تمام کاروبار متعلقہ کا متحمل اور کارکن ہونا ضروری ہے جب ان دونوں شرطوں کے ساتھ تقرر صحیح ہو جائے تو اس کے فرائض میں چھ امور داخل ہیں حفظ قوانین استیفائے حقوق۔ اثبات رفوع۔ محاسبات عمال۔ اخراج احوال۔ تصفح ظلامات امر اول حفظ قوانین اس کی صورت یہ ہے کہ قوانین میں عدل و انصاف سے اس طرح کام لیا جائے کہ رعایا پر تو ظلم و تعدی نہ ہو اور بیت المال کے حقوق میں نقصان نہ آئے۔ اگر اس کے زمانے میں جدید مفتوحہ یا آباد کردہ علاقوں کے قوانین وضع کئے جائیں تو ان کو دیوان ناحیہ اور دیوان بیت المال (جس میں تجویز کردہ احکام جمع ہوتے ہیں) میں درج کرے۔ اور اگر ان کے قوانین اس سے پہلے مدون ہو چکے ہوں تو ان کی طرف رجوع کرے جو قابل اطمینان کاتبوں کے لکھے ہوئے ہوں کہ انکے خط پر وثوق ہو اور قابل اعتماد ہاتھوں سے دست بدست وہ قوانین حاصل کئے ہوں جنکی ذیل میں انکی مہریں ثبت ہوں۔ ان شرائط کی تحریریں احکام دیوانی اور حقوق سلطانی میں معتبر اور قابل عمل ہیں اگرچہ احکام قضا و شہادات میں از روئے عرف و رواج قابل اعتماد نہیں جس طرح محدث کے لیئے جائز ہے کہ سنی ہوئی حدیث کو قابل اعتماد تحریر سے روایت کر دے۔ امام ابو حنیفہ رح کا قول ہے کہ کاتب دیوان کو محض تحریر پر اعتماد کرنا جائز نہیں تاوقتیکہ خود اپنے کانوں سے سنا محفوظ نہ ہو۔ امام موصوف روایت حدیث میں بھی اسی کے قائل

ہیں اور قضا و شہادت پر قیاس کرتے ہیں مگر یہ نہایت دقت طلب اور مشکل ہے اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ قضا و شہادت حقوق خاصہ میں سے ہیں جس کے اہل معاملہ بکثرت ہوتے ہیں لہٰذا ان کا دل نشین رکھنا دشوار نہیں ہوتا اس لیئے محض تحریر پر اعتماد کرنا جائز نہ ہوا اور قوانین دیوانیہ حقوق عامہ سے ہیں جن میں باوجود کثرت و انتشار کے معاملات کی کمی ہے لہٰذا ان کو دل نشین رکھنا دشوار ہے اس لیئے فقط تحریر پر اعتماد جائز اور یہی وجہ روایت حدیث میں ہے۔

امر دوم استیفاء حقوق (تحصیل حقوق) اس کی دو قسمیں ہیں ایک استیفاء حقوق ان عاملین (کارکنوں) سے جن پر حقوق واجب ہیں۔ (دوسری) استیفاء حقوق ان عمال سے جو ان کو وصول کرتے ہیں عاملین سے استیفاء کے لیئے عمال کا اقرار بالقبض معتبر ہے لیکن ان کی تحریر جس سے وصول کرنا معلوم ہو اہل دیوان کے نزدیک اس وقت معتبر اور حجت ہے جبکہ خط پہچانا جائے اور ان کے مشہور طرز تحریر سے مل جائے۔ خواہ عامل اپنے خط ہونے کا اعتراف کرے یا انکار۔ اور فقہا کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ اپنا خط ہونے کا انکار کرے تو یہ تحریر اس پر اس امر کی حجت نہیں کہ اس نے حقوق وصول کیئے اور جبر و الزام عائد کرنے کے لیئے خط کو خط سے ملانا جائز نہیں البتہ تہدید کے لیئے ایسا کرنا جائز ہے تاکہ خود بلا اکراہ خط کا اعتراف کرلے۔ اور اگر خط کا معترف ہو اور وصول یابی کا منکر تو امام شافعیؒ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ عرف کے اعتبار سے یہ اعتراف صرف حقوق سلطانیہ میں عاملین کے لیئے اس کی دلیل ہے کہ انھوں نے ما وجب ادا کردیا اور عمال پر حجت ہے کہ انھوں نے وصول کرلیا اور امام ابوحنیفہؒ کا بظاہر یہ مذہب ہے کہ یہ اعتراف تحریر اس وقت تک نہ عاملین کے لیئے دلیل تادیہ ہے اور نہ عمال پر وصول کرنے کی حجت ہے جب تک کہ وہ خود اپنی زبان سے وصولی کا اقرار نہ کریں جس طرح دیوان خاصہ کا حکم ہے۔ لیکن ہم ان دونوں میں تسلی بخش فرق بیان کرچکے ہیں۔

اور عمال سے استیفاء حقوق کے متعلق یہ ہے کہ اگر خراج بطرف بیت المال ہو تو اس کی وصولی پر والی حکومت کے دستخط ضروری نہیں صرف صاحب بیت المال کا اعتراف بالقبض عمال کی سبکدوشی کیلئے حجت ہے اور صرف تحریر بلا اعتراف زبانی ہو تو وہی تفصیل ہے جو عمال کے تحریر کے متعلق اوپر بیان ہو چکی کہ امام شافعیؒ کے مذہب پر بظاہر حجت اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر نہیں اور اگر خراج از حقوق بیت المال ہو خراج بطرف بیت المال نہ ہو تو بغیر دستخط والی عمال اس کے مجاز نہیں دستخط اگر ثابت ہو جائیں تو عمال کے لئے اس امر کی کافی حجت ہیں کہ ان کو خرچ کرنے کی اجازت ہے اگر احتساب (تحقیق) کی ضرورت ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ موقع لہ (جس کو دینے کیلئے عامل کو اجازت دی گئی ہو) اعتراف بالقبض کرے کیونکہ دستخط صرف اجازت صرف کی حجت ہیں قبض اور وصولیابی کی حجت نہیں دوسری صورت یہ ہے کہ عامل سے حقوق بیت المال کا محاسبہ کیا جائے اور اگر موقع لہ وصول سے منکر ہو تو عامل سے بینہ طلب کی جائے اگر اس کے پاس بینہ نہ ہو تو موقع لہ سے حلف لے کر عامل سے تاوان لیا جائے یہ صورت خاص طور دیوان میں مروج ہے لیکن پہلی صورت فقہی اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔

اگر صاحب دیوان کو نفس دستخط میں شبہ ہو تو تاوقتیکہ دستخط کنندہ کو نہ دکھائے اور وہ تسلیم نہ کرے تو عامل سے کسی صورت احتساب نہیں ہو سکتا اور تسلیم کے بعد احتساب کی وہی صورتیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں اور دستخط سے منکر ہو تو عامل سے احتساب نہ ہوگا بلکہ خراج کو دیکھا جائے گا اگر کسی خاص جگہ کا ہو تو اس کے کارکن کی طرف رجوع کیا جائے اور خاص جگہ کا نہ ہو کہ اس کی طرف رجوع ہو سکے تو عامل دستخط کنندہ کو اس کے انکار پر قسم دے اگر خراج کی صحت معلوم نہ ہو تو دستخط کنندہ کو عامل حلف نہیں دے سکتا نہ بلحاظ رواج سلطنت کے اور نہ بحیثیت

حکم قضا کے۔ اور اگر خراج کی صحت معلوم ہو تو بلحاظ رواج سلطنت حلف نہیں دے سکتا اور بحیثیت حکم قضا دے سکتا ہے۔

امر سوئم اثبات رفوع (اطلاعات) اس کی تین قسمیں ہیں رفوع مساحت وعمل۔ رفوع قبض واستیفاء۔ رفوع خرچ ونفقہ۔ رفوع مساحت وعمل کے متعلق یہ ہے کہ اگر دیوان میں ان کے وصول معینہ موجود تو رفع کی صحت اصل کے مقابلے سے ہو سکتی ہے اصل کے موافق ہو تو دیوان میں درج کر دی جائے اور دیوان میں اصول موجود نہ ہوں تو اطلاع دہندہ کے قول پر درج کی جائے۔ رفوع قبض واستیفاء۔ ان کے درج کرنے میں صرف رافع (اطلاع دہندہ) کے قول کا اعتبار کیا جائے کیونکہ وہ اقرار کر کے اپنے ذمے لازم کرتا ہے اس میں اس کی کچھ منفعت نہیں۔ رفوع خرچ ونفقہ ان میں اطلاع دہندہ مدعی کی حیثیت رکھتا ہے اور دعویٰ بلا حجت وبرہان مقبول نہیں پس اگر اثبات دعویٰ کے لیئے والی ملک کی دستخطی تحریر پیش کرے تو اس کی تفتیش کی صورتیں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

امر چہارم محاسبۂ عمال اس کا حکم فرائض منصبی کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی اگر عمال خراج ہوں تو ان پر حسابات پیش کرنا ضروری ہے اور کاتب دیوان کا فرض ہے کہ ان کے حسابات کی جانچ پڑتال کرے اور عمال عشر ہوں تو امام شافعیؒ کے مذہب پر ان کے ذمے حسابات ارسال کرنا ضروری نہیں نہ کاتب دیوان پر ان کے حسابات کی جانچ واجب ہے۔ کیونکہ امام موصوف کے نزدیک عشر صدقہ ہے اور صاحب عشر اپنی رائے سے صرف کر سکتا ہے امام کے اجتہاد پر موقوف نہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمال عشر پر حسابات کا پیش کرنا لازم ہے اور کاتب دیوان کا فرض ہے کہ ان کا محاسبہ کرے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک خراج وعشر کا مصرف مشترک ہے۔

اگر کاتب دیوان اپنے فرض منصبی کے مطابق کسی عامل کا محاسبہ کرے

اور دونوں میں کوئی تصفیہ نہ ہو تو بقایا حساب میں کاتب دیوان کے قول کی تصدیق کی جائے اور والی حکومت کو کچھ شک ہو تو اس کو حکم دے کہ اپنے حساب کے دلائل و شواہد پیش کرے اگر اس سے شبہ زائل ہو جائے تو حلف ساقط ہے اور زائل نہ ہو تو عامل کو حلف دے کاتب دیوان کو نہ دے کیونکہ وہ عامل کے ذمے ہے نہ کاتب کے۔ اور حساب میں دونوں مختلف الرائے ہوں تو اگر اختلاف آمدنی میں ہو تو عامل کا قول مانا جائے کیونکہ وہ منکر اور صرف میں ہو تو کاتب کا قول مانا جائے کیونکہ اس میں وہ منکر ہے اور اگر مساحت میں دونوں مختلف اور دوبارہ ممکن ہو تو صحیح معلوم کر کے اس کا اعتبار کیا جائے۔

امر پنجم۔ اخراج احوال۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صاحب دیوان سے دیوانی کے قوانین اور حقوق میں شہادت طلب کی جائے۔ چونکہ شہادت کے مثل ہے اس لیئے اس میں دو شرطیں معتبر ہیں ایک یہ کہ بلا تحقیق و علم کے کسی حال کو بیان نہ کرے جیسے شہادت کے لیئے تحقیق و علم ضروری ہے دوسری یہ کہ جبتک اس سے مطالبہ نہ ہو خود بیان نہ کرے جیسے شہادت بلا طلب نہیں دی جاتی مطالبہ کنندہ وہی ہو سکتا ہے جس کی توقیعات (دستخط) نافذ ہوں جیسے شہادت وہی لے سکتا ہے جس کے احکام نافذ ہوں اور جب کسی امر کے متعلق بیان دے تو موقع (صاحب توقیعات) پر اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے جس طرح حاکم پر اس کے سامنے دی ہوئی شہادت کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

اگر موقع کو اخراج حال میں کچھ شبہ ہو تو یہ دریافت کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اسے یہ حال کہاں سے معلوم ہوا اور اس سے دیوان کے شواہد پیش کرنے کا مطالبہ کرے اگرچہ حاکم کو شاہد سے سبب شہادت دریافت کرنے کا حق نہیں اگر صاحب دیوان شواہد پیش کرے اور ان کی صحت کا یقین ہو جائے تو اس پر سے شبہ زائل ہو جائے گا اور شواہد پیش نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ مجھے پہلے سے معلوم و محفوظ ہے تو بیان کمزور ہو جائے گا اور موقع

کو اختیار ہو کہ قبول کرے یا رد کرے حلف نہیں دے سکتا۔

امر ششم تصفح ظلامات۔ (مظالم کی تفتیش) یہ داد خواہ کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے یا تو داد خواہ رعایا میں سے ہوگا یا عمال میں سے اگر رعایا میں سے ہو مثلاً عامل نے اس کے معاملے میں اس پر زیادتی روا رکھی ہو تو ان دونوں کا حاکم صاحب دیوان ہوگا وہ زیادتی کی تفتیش کر کے اس کا تدارک کرے عام اس سے کہ اس کام کے لیئے اس کو مامور کیا جائے یا نہ کیا جائے کیونکہ اس کا منصب ہی حفظ قوانین اور استیفائے حقوق ہے لہذا تقرر کے ساتھ اس کا مجاز ہوگا۔ ہاں اگر اس سے ممانعت کر دی جائے تو کچھ نہ کرے بعض اختیارات کے لحاظ معزول ہو جائے گا۔

اور داد خواہ عامل ہو مثلاً اس کے حساب میں بے ضابطگی یا کسی معاملے میں گڑبڑ کی گئی ہو تو صاحب دیوان مدعی علیہ اور والی حکومت تفتیش کنندہ ہوگا۔
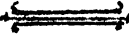
انیسواں باب

قوانین جرائم

جرائم شرعاً ممنوع ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے روکنے کے لیے حدود اور تعزیرات مقرر فرمائی ہیں جرائم کے تین حال ہیں ایک حال استبراء جو بوقت تہمت باقتضائے سیاست دینا ہوتا ہے۔ دوسرا حال استیفاء جو جرائم کے ثبوت وصحت کے وقت بحکم شرعی ہوتا۔ اور تیسرا حال بین بین یعنی تہمت کے بعد اور ثبوت صحت سے قبل کے متعلق یہ ہے کہ اس کا اعتبار ناظر جرائم کے حال پر ہے اگر ناظر جرائم صرف حاکم ہو اور اس کے اجلاس میں متہم بالسرقہ یا بالزنا کو پیش کیا جائے اور اس کے سامنے یہ تہمت غیر موثر ہے تفتیش یا استبراء کے لیے متہم کو حبس کرنے کا مجاز نہیں نہ ایسے ذرائع استعمال کرائے کہ وہ اقرار جرم پر مجبور ہو اس کے خلاف دعویٰ سرقہ کی سماعت صرف صاحب حق مدعی سے کرے اور متہم کے اقرار یا انکار کا اعتبار کرے اور دعویٰ زنا کی سماعت اس وقت کرے جبکہ اس عورت کا تذکرہ کیا جائے جس کے ساتھ زنا کیا اور ایسا فعل بیان کیا جائے جو زنا ہو اور موجب حد ہو اگر ملزم اقرار کرے تو اس کے اقرار کے بموجب حد جاری کرے اگر انکار کرے اور بینہ موجود ہو تو اس کی سماعت کرے بینہ نہ ہو تو اگر مدعی چاہے تو حقوق العباد

کے نہ حقوق اللہ کے لیئے اس کو حلف دے اور اگر ناظر جرائم جس کے اجلاس میں مرافعہ کیا گیا امیر یا احداث ومعاون کی اولاد ہو تو اس کو اس متہم کے متعلق تفتیش واستبراء کے ایسے اختیارات ہیں جو قاضیوں اور حکام کو نہیں ہیں ان دونوں کے اختیارات کو ممتاز کرنیوالی نو چیزیں ہیں

(۱) یہ کہ امیر کو جائز نہیں کہ متہم کے خلاف بلا تحقیق دعویٰ اعوان امارت کی تہمت سنے البتہ ان سے متہم کے حالات کہ آیا وہ مشتبہ لوگوں میں سے ہے یا اس طرح کی قابل تہمت باتوں میں مشہور ہے یا نہیں دریافت کرے اگر وہ اس کی برارت بیان کریں تو تہمت خفیف ہوکر ساقط ہوجائیگی فوراً چھوڑ دیا جائے اور اگر اس جیسے کاموں سے متہم کریں تو تہمت شدید وقوی ہوجائے گی لہذا تفتیش کی وہ صورت اختیار کی جائے جو عنقریب بیان کریں گے اور قاضیوں کو اس کا اختیار نہیں۔

(۲) امیر کو اختیار ہے کہ تہمت کی قوت و ضعف معلوم کرنے کیلئے متہم کے اوصاف اور شواہد حال کا لحاظ رکھے پس اگر متہم بالزنا اور وہ عورتوں کا گرویدہ ان سے ہنسی مذاق کرتا ہو تو تہمت قوی ہوجائے گی اور اسکے خلاف ہو تو ضعیف ہوجائے گی اور اگر متہم بالسرقہ ہوا اور چالباز آدمی ہو بدن پر مار پیٹ کے نشانات ہوں یا گرفتاری کے وقت اس کے ہاتھ میں آلہ نقب ہو تو تہمت قوی ہوجائے گی اور اس کے خلاف ہو تو ضعیف ہوجائے گی قاضیوں کو یہ اختیار نہیں ہے۔

(۳) امیر کو اختیار ہے کہ متہم کو تفتیش اور استبراء کے لیئے فوراً حوالات کردے اس کی مدت میں اختلاف ہے عبداللہ زبیری شافعیؒ کہتے ہیں کہ ایک ماہ سے زیادہ حوالات کرنے کا اختیار نہیں اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مدت معین نہیں امام کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے یہ رائے زیادہ مناسب ہے اور قاضی بلا حق واجب کسی کو قید کرنے کے مجاز نہیں۔

(۴) اگر تہمت قوی ہو تو امیر مجاز ہے کہ متہم کو ضرب تعزیر دے۔

نہ ضرب حد تاکہ تہمت کے متعلق سچ سچ بیان دے اگر پٹتے ہوئے اقرار کرے تو یہ دیکھا جائے کہ کس امر کے لیئے پیٹا گیا ہے اگر اقرار کرنے کے لیئے پیٹا گیا ہے تو پٹنے کے وقت کا اقرار غیر معتبر ہے اور اگر اس لیئے پیٹا گیا ہے کہ صحیح صحیح حال بیان کرے اور وہ پٹنے کے وقت اقرار کرے تو ضرب موقوف کردی جائے اور اقرار کا اعادہ کر دیا جائے اگر اعادہ کرے تو دوسرے اقرار سے ماخوذ ہوگا پہلے سے نہ ہوگا۔ اور اگر پہلے اقرار پر اکتفا کی جائے دوبارہ نہ کرایا جائے تو امیر کو اختیار ہے کہ پہلے اقرار پر عمل کرے اگرچہ ہم اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

(۵) اگر کسی مجرم کے جرائم بڑھ جائیں بار بار کی سزا سے بھی باز نہ آئے اور لوگوں کو اس سے مضرت پہنچے تو امیر اس کو تا موت حبس دائمی کی سزا دے سکتا ہے اس کے کھانے پینے کا خرچ بیت المال سے مقرر کر دے قاضیوں کو یہ اختیار نہیں ہے۔

(۶) امیر کو جائز ہے کہ تہمت کو حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے خفیف یا شدید بنانے اور حالات کو منکشف کرنے کے لیئے متہم کو حلف دے اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ خدا کی قسم کی طرح جو بیعت سلطانی میں ہوتی ہے طلاق یا عتاق یا صدقہ کی قسم دے مگر قاضی کسی کو بلا استحقاق قسم نہیں دے سکتے نہ خدا کے سوا طلاق و عتاق کی قسم دے سکتے ہیں۔

(۷) امیر کو اختیار ہے کہ جرائم پیشہ سے جبراً اور دھمکیاں دیکر توبہ کرائے اس کے لیئے قتل کی دھمکی بھی دے سکتا ہے اگرچہ قتل کا مستوجب نہ ہو کیونکہ مقصود محض ڈرانا ہے اس لیئے یہ دھمکی جھوٹ سے خارج اور تعزیر کے حکم میں داخل ہے مگر واقعۃً قتل کرنا جائز نہیں ورنہ ناحق قتل لازم آئے گا۔

(۸) امیر کو جائز ہے کہ دوسرے اہل مذہب اور (جن کی شہادت قاضیوں کو سننا جائز نہیں) جب زیادہ ہو جائیں تو ان کی شہادت

بھی سنے۔

(۹) امیر کے ذمے ایسی مار پیٹ کا انتظام بھی ہے جو موجب تاوان اور حد نہ ہوں اگر کسی کے بدن پر نشان نہ ہو تو اس کا دعویٰ سنے جو دائر کرنے میں سبقت کرے اور ایک کے بدن پر نشان ہو تو بعض علماء کی رائے ہے کہ صاحب نشان کا دعویٰ پہلے سنے سبقت کا اعتبار نہ کرے اور اکثر فقہا کا مذہب یہ ہے کہ سبقت کرنے والے کا سنے ان میں پہل کرنے والا زیادہ مجرم اور شدید سزا کا مستوجب ہے۔ ان کی تادیب میں دو لحاظ سے فرق کرنا جائز ہے۔

ایک بحیثیت اس کے کہ تعدی اور ارتکاب جرم میں مختلف ہوں دوسرے باعتبار اس کے کہ عزت و آبرو میں مختلف ہوں اگر امیر کے نزدیک کمینوں کو جرائم سے باز رکھنے کے لیئے تمام شہر میں مشہور کرنا مناسب ہو تو اس کے لیئے ایسا کرنا جائز ہے یہ وہ امور ہیں جن سے حال استبراء اور قبل ثبوت کے بین بین امیر اور قاضی کے اختیارات کا فرق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ امیر کو سیاست کی ضرورت ہے اور قاضی صرف احکام کا نفاذ کرتا ہے۔

فصل

ثبوت جرائم کے بعد حدود قائم کرنے میں امیر اور قاضی کے اختیارات مساوی ہیں ثبوت جرائم کی دو صورتیں ہیں ایک اقرار سے دوسرے بینہ سے ہر ایک کے احکام اپنے اپنے مقام پر بیان ہوں گے حدود زواجر میں حق تعالیٰ نے ان کو ارتکاب ممنوعات اور ترک مامورات سے باز رکھنے کے لیئے وضع فرمایا ہے چونکہ انسانی طبیعت میں ایسے شہوانی جذبات موجود ہیں جو موجودہ لذات میں مصروف کر کے انسان کو آخرت کی وعید سے غافل کر دیتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے

حدود تجویز فرمائیں تاکہ درد والم کے خوف اور رسوائی و فضیحت کے اندیشے سے اس جاہلانہ فعل کا مرتکب نہ ہو اور صلاحیت عام اور انسان بدرجۂ اتم مکلف ہو جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

ترجمہ :- ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

یعنی لوگوں کو جہالت و گمراہی سے نکال کر ہدایت پھیلانے اور معاصی چھڑا کر اطاعت کا خوگر کرنے کے لیئے بھیجا ہے زواجر کی دو قسمیں ہیں حدود - تعزیرات - حدود کی دو قسمیں ہیں ایک حقوق اللہ سے متعلق دوسری حقوق العباد سے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے انکی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ترک فرائض لازم ہوں جیسے فرض نماز کا تارک یہاں تک کہ وقت نکل جائے اس سے سبب ترک دریافت کیا جائے اگر یہ کہے کہ بھول گیا تو یاد آنے کے ساتھ ہی قضا پڑھنے کا حکم دیا جائے اس جیسی نماز کے وقت کا انتظار نہ کرایا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا سو جائے اس کو چاہیئے کہ یاد آنے اور بیدار ہونے پر فوراً ادا کرے اس کا بھی وقت ہے اس کے علاوہ نماز کا اور کچھ کفارہ نہیں ہے۔

اگر بیماری کی وجہ سے ترک کی ہو تو بیٹھ کر لیٹ کر جس طرح طاقت ہو ادا کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسًا الّا وسعھا۔

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کسی کو وسعت سے زیادہ مکلف نہیں فرماتا

اور اگر منکر وجوب ہو کر ترک کرے تو کافر اور بحکم مرتد ہے اگر تائب نہ ہو تو ارتداد جرم میں قتل کر دیا جائے۔ اور باوجود اعتراف وجوب کے سستی سے تارک ہو تو اس کے حکم میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے وقت پیٹا جائے قتل نہ کیا جائے امام احمد بن حنبل اور محدثین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ ترک سے کافر ہو جاتا ہے بجرم ارتداد قتل کر دیا جائے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ترک سے کافر نہیں ہوتا بسزائے حد قتل نہ کیا جائے مرتد بھی نہیں ہوتا قتل

کرنے سے پہلے تو بہ کو کہا جائے اگر تائب ہو کر نماز پڑھنے لگے تو چھوڑ دیا جائے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے اگر یہ کہے کہ میں اپنے گھر میں پڑھوں گا تو اس کے ایمان پر چھوڑ دیں سب کے سامنے پڑھنے پہ مجبور نہ کیا جائے۔ اور اگر تائب نہ ہوا اور نماز نہ پڑھے تو ایک قول یہ ہے کہ فی الفور قتل کر دیا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تین دن کے بعد قتل کیا جائے۔ قتل تلوار سے ہوا ور زبردستی ہو ابو العباس بن سریج کا قول یہ ہے کہ لکڑی سے اتنا ماریں کہ مر جائے۔ تلوار سے ایک دم نہ ماریں ممکن ہے امتداد وقت میں تو بہ کی توفیق ہو جائے۔ فوت شدہ نماز دن کی قضا کے تارک کو قتل کرنے کے متعلق علمائے شافعیہ مختلف ہیں بعض کی رائے ہے کہ وقتیہ نمازوں کی طرح ان میں بھی قتل کیا جائے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قتل نہ کیا جائے کیونکہ فوت ہو کر بھی اس کے ذمے باقی رہتی ہیں۔

قتل کرنے کے بعد اس کی نماز پڑھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں کیونکہ مسلمانوں میں سے ہے اس کا مال اس کے وارثوں کا ہے۔

تارک صیام کو باجماع فقہا قتل نہ کیا جائے بلکہ پورے رمضان اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے اور تادیباً تعزیر بھی کی جائے اگر روزے رکھنے پر آمادہ ہو تو چھوڑ دیں اور اس معاملے کو اسی کے ایمان و امانت کے تفویض کر دیں۔ اگر پھر کھاتا پیتا نظر آئے تو تعزیر کی جائے قتل نہ کیا جائے۔

ترک زکات سے بھی قتل نہ کریں جبراً اس کے مال میں سے وصول کریں اگر بلا شبہ زکات کو پوشیدہ کرنا ثابت ہو تو سزا دی جائے۔ اگر اسکے نہ دینے کی وجہ سے وصول کرنا دشوار ہو تو لڑ کر وصول کی جائے اگرچہ لڑائی سے قتل تک نوبت پہنچے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکات سے انکار کرنے والوں سے لڑائی کی تھی۔

حج کی فرضیت امام شافعیؒ کے نزدیک علی التراخی استطاعت حج اور موت کے بین بین ہے لہذا ان کے مذہب پر حج اپنے وقت سے موخر نہیں ہوتا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک علی الفور ہے اس لیئے انکے

مذہب پر وقت سے تاخیر ہو سکتی ہے لیکن وہ اس کی وجہ سے قتل یا تعزیر کا حکم نہیں دیتے کیونکہ وقت کے بعد بھی وہ ادا قرار دیتے ہیں قضا نہیں کہتے اگر ادائے حج سے قبل مر جائے تو اس کے مال سے حج بدل کرایا جائے۔

جو شخص آدمیوں کے حقوق قرض وغیرہ ادا نہ کرے اس سے اگر ممکن ہو جبراً وصول کرائے جائیں ورنہ قید کر دیا جائے اور اگر مفلس ہو تو مہلت دی جائے یہ ترک مفروضات کا حکم تھا۔ امتناع ممنوعات سے جو امور واجب ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ایک حقوق اللہ سے متعلق یہ چار ہیں۔ حد زنا حد خمر۔ حد سرقہ۔ حد محاربہ۔ دوسری حقوق الناس سے متعلق یہ دو ہیں حد قذف بالزنا۔ اور قذف فی الجنایات ہم ان کو بالتفصیل بیان کرتے ہیں:۔

فصل اول

(حدّ زنا)

زنا کی تعریف یہ ہے کہ عاقل بالغ کے ذکر کا حشفہ قُبل یا دُبر میں غائب ہو اور دونوں آپس میں باعصمت نہوں۔ نہ صورت شبہ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ زنا کو قُبل سے مخصوص فرماتے ہیں۔ حد زنا زانی اور زانیہ دونوں کیلیے یکساں ہے اور دونوں کی دو حالتیں ہیں بکر (غیر شادی شدہ) اور محصن (شادی شدہ) بکر وہ جسنے نکاح کر کے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا یہ اگر حر ہو اسکی حد سو تازیانے ہیں جو تمام بدن کے متفرق حصوں پر لگائے جائیں۔ چہرے کو اور ان اعضا کو جن پر ضرب لگنے سے انسان مرجاتا ہے محفوظ رکھیں۔ اس استثناء کے ساتھ ہر عضو پر حد جاری کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سزا میں ہر عضو اپنے سزاوار حصہ پالے۔ اس حد میں تازیانہ استعمال کیا جائے۔ لوہا نہ ہو ورنہ مرجائیگا۔ اور نہ بالکل آہستہ آہستہ ماریں کہ چوٹ ہی نہ لگے لوردہی نہو۔ سزائے تازیانہ کیساتھ جلا وطن کرنے کے متعلق اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف تازیانے کی سزا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں مرد کو جلا وطن کیا جائے عورت کو نہ کیا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مرد و عورت دونوں کو ایکسال کیلیے کم از کم ایک دن رات کی

مسافت پر جلاوطن کرنے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لو مجھ سے قانون سنو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیئے راستہ نکال دیا۔ بکر بکر سے زنا کرے تو سو تازیانے اور ایک سال جلاوطنی۔ ثیب ثیب سے زنا کرے تو سو تازیانے اور رجم کافر و مسلمان کی حد تازیانہ اور جلاوطنی میں امام شافعیؒ کے نزدیک مساوی ہے۔ غلام اور جو غلامی کے حکم میں ہوں جیسے مدبر۔ مکاتب۔ ام داران سب کی حد زنا پچاس تازیانہ یعنی حر کی سے نصف ہے کیونکہ غلامی کی وجہ سے ناقص ہیں ان کو جلاوطن کرنے میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ جلاوطن نہ کیئے جائیں اس میں ان کے آقا کا نقصان ہے یہی قول امام مالک کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حر کی طرح ایک سال کے لیئے جلاوطن کر دیئے جائیں امام شافعیؒ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ تازیانوں کی طرح جلاوطنی بھی نصف یعنی نصف کی جائے۔

محصن وہ ہے جو نکاح صحیح کرکے اپنی زوجہ سے جماع کر چکا ہو اس کی حد رجم ہے یعنی پتھروں یا ان کے قائم مقام چیزوں سے اتنا ماریں کہ مر جائے اس کو قتل سے بچانا ضروری نہیں کیونکہ رجم سے مقصود قتل ہے رجم کے ساتھ تازیانے لگائے جائیں داؤد کہتے ہیں کہ سو تازیانے لگا کر رجم کیا جائے۔ تازیانے کی سزا محصن کے حق میں منسوخ ہو گئی ہے ماعز رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رجم کیا تھا جلد (سزائے تازیانہ) نہیں فرمایا تھا احصان کے لیئے اسلام شرط نہیں لہذا کافر کو بھی مسلم کی طرح رجم کیا جائے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسلام شرط ہے لہذا اگر کافر زنا کرے تو جلد کیا جائے رجم نہ کیا جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زانی یہودیوں کو رجم فرمایا تھا۔ حریت احصان کی شرائط میں سے ہے اگر غلام زنا کا مرتکب ہو تو رجم نہ کیا جائے اگر بیوی رکھتا ہو تو پچاس تازیانے لگائے جائیں۔ داؤد کہتے ہیں کہ حر کی مثل غلام کو بھی رجم کیا جائے لواطت کرنا اور بہائم سے کرنا زنا ہے بکر کو جلد اور محصن کو رجم کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں بکر و محصن کو قتل کر دیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں کوئی

حد نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بہیمہ اور جو اس سے زنا کرے قتل کردو۔

اگر بکر محصنہ (عورت) سے یا محصن بکر عورت سے زنا کرے تو بکر کو جلد اور محصن کو رجم کریں اگر کوئی شخص سزائے حد کے بعد پھر زنا کا مرتکب ہو تو پھر حد لگائیں اگر حد سے پہلے چند بار زنا کر چکا ہے تو سب کی ایک ہی حد ہے۔

زنا کا ثبوت اقرار سے ہوتا ہے یا بینہ سے۔ اقرار کے متعلق یہ ہے کہ اگر عاقل بالغ خود بخود ایک مرتبہ زنا کا اقرار کرلے تو اس پر حد جاری کی جائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جبتک چار مرتبہ اقرار نہ کرے قابل مواخذہ نہیں ہے۔ جب اقرار سے حد واجب ہو جائے اور حد کے جاری کرنے سے پہلے رجوع کرلے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حد رجوع سے ساقط نہیں ہوتی۔

اور بینہ کی صورت یہ ہے کہ چار شاہد عدل مرد (عورت نہیں) ملزم کے خلاف فعل زنا کی شہادت دیں اور بیان کریں ہم نے اس کے ذکر کو اس کی فرج میں اس طرح داخل ہوتے دیکھا ہے جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اگر اس کیفیت سے نہ دیکھا ہو تو شہادت نہیں ہو سکتی۔ ادائے شہادت کے لیئے شاہد خواہ ایک ساتھ آئیں یا متفرق طور پر دونوں طرح قابل قبول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر متفرق ادا کریں تو میں قبول نہیں کرتا ان کو قاذف (تہمت باندھنے والا) قرار دیتا ہوں۔ اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ کے بعد شہادت دیں تو سنی جائے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال بعد کی شہادت نہیں سنتا اب ان کو قاذف قرار دیتا ہوں۔ اگر شہادت میں چار آدمی پورے نہ ہوں تو شاہد قاذف ہیں ایک قول پر حد لگائے جائیں اور دوسرے قول پر نہ لگائے جائیں اگر بینہ ملزم کے اقرار زنا پر شاہد ہو تو ایک قول پر دو شاہد پر اکتفا جائز ہے اور دوسرے قول پر چار سے کم پر اکتفا جائز نہیں۔

جب زانی کو بینہ سے ثبوت پر رجم کیا جائے تو اتنا گڑھا کھودیں کہ اس میں آدھا اتر جائے اور بھاگ نہ سکے اگر بھاگے تو تعاقب کریں اور یہاں تک پتھر ماریں کہ مر جائے۔ اور اس کے اقرار سے ثبوت ہو تو رجم کرنے کے لیئے گڑھا نہ کھودا جائے اور بھاگے تو تعاقب نہ کریں امام کو یا جس حاکم نے رجم کا حکم نافذ کیا رجم کے وقت موجود یا غیر موجود ہونا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس نے رجم کا حکم دیا اس کی موجودگی کے بغیر رجم جائز نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ اگر اعتراف کرلے تو اس کو رجم کرو۔ اور جائز ہے کہ شاہد موجود نہ ہوں۔ امام ابو حنیفہؒ ان کا موجود ہونا واجب فرماتے ہیں اور یہ کہ سب سے پہلے وہی رجم کریں حاملہ کو وضع حمل سے قبل یا بعد جب تک کوئی دودھ پلانے والی نہ ملے رجم نہ کریں۔

اگر ملزم ممکن اشتباہ مثلاً نکاح فاسد بیان کرے یا اپنی بیوی کے ساتھ شتبہ ہونا بیان کرے یا نو مسلم ہو کہ زنا کی حرمت سے واقف نہ ہو تو حد ساقط ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حدود کو شبہات سے ساقط کردو امام ابو حنیفہؒ فرماتے کہ اگر اجنبی عورت سے بیوی کا اشتباہ ہوا تو یہ شبہ نہیں ہے حد لگائی جائے۔ اگر اپنی محرم سے نکاح کرکے جماع کر بیٹھا تو حد لگائیں چونکہ اس کی تحریم منصوص ہے اس لیئے عقد نکاح حد ساقط کرنے کے لیئے شبہ نہیں ہے امام ابو حنیفہ شبہ قرار دے کر حد کو ساقط کرتے ہیں۔

اگر زانی گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے تو حد ساقط نہ ہوگی اور گرفتاری سے قبل توبہ کرے تو ظاہر قول یہ ہے کہ ساقط ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ثم ان ربک للذین عملوا السوء بجھالۃ ثم تابوا من بعد ذالک واصلحوا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم

ترجمہ:۔ جو لوگ ناواقفی سے گناہ کریں اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی حالت درست کرلیں تو بیشک تمہارا رب غفور رحیم ہے۔

لفظ بجھالۃ میں دو تاویلیں ہیں ایک بجھالۃ سوء (گناہ کی ناواقفی سے) اور دوسری لغلبۃ شھوۃ مع العلم بانہا سوء (غلبہ شہوت سے باوجود گناہ سمجھنے کے)

یہ تاویل پہلے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ جو شخص اس کے گناہوں سے ناواقف ہو وہ گناہگار نہیں۔

ذاتی یا غیر ذاتی کی حد ساقط کرانے کے لیئے سفارش کرنا جائز نہیں نہ حاکم کو سفارش قبول کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منہا ومن یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منہا

ترجمہ:۔ جو شخص نیک امر میں سفارش کرتا ہے وہ اس میں حصہ دار ہے اور جو برائی میں سفارش کرتا ہے وہ اس میں حصہ دار ہے۔

حسنہ اور سیئہ میں تین تاویلیں ہیں (پہلی) حسنہ سے مراد جس کی سفارش کرے اس کی خیر طلبی اور سیئہ سے مراد اس کی بدطلبی۔ یہ قول حسن اور مجاہد کا ہے دوسری حسنہ سے مراد مومن مرد وعورت کے لیئے دعائے خیر اور سیئہ سے مراد ان کے لیئے بددعا۔ تیسری تاویل جس کا آیت کے مناسب ہے کہ حسنہ سے مراد اس کو ظلم سے خلاصی دلانا۔ سیئہ سے مراد اس کو حق سے جدا کرنا کفل کے دو معنیٰ کرتے ہیں ایک گناہ یہ قول حسن کا ہے دوسرے حصہ یہ قول سدی کا ہے۔

دوسری فصل

سزائے سرقہ

اگر کسی محفوظ مال کو جس کی قیمت بقدر نصاب ہو کوئی عاقل بالغ جسے نہ مال میں شبہ ہو نہ اس کی حفاظت میں چرالے تو اس کا دایاں ہاتھ پہنچے پر سے قطع کر دیا جائے۔ اس قطع کے بعد پھر اسی محفوظ مال سے یا کسی اور سے چرائے تو بایاں پیر ٹخنے پر سے قطع کیا جائے۔ تیسری مرتبہ چوری کرے تو امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک اس میں قطع نہ کیا جائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک تیسری مرتبہ میں بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ میں دایاں پیر قطع کیا جائے۔ پانچویں مرتبہ چوری کرے تو تعزیر کیا جائے قتل نہ کیا جائے۔

اگر قطع سے پہلے چند مرتبہ سرقہ کر چکا ہے تو ایک ہی قطع واجب ہے مقدار نصاب میں جس سے قطع لازم ہو فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کے نزدیک جس کی قیمت ربع دینار یا اس سے زیادہ ہو مقدار نصاب ہے اور اس دینار کا اعتبار ہے جو کھرا اور مروج ہو امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار ہے اس سے کم میں قطع نہ کیا جائے۔ ابراہیم نخعی چالیس درہم یا چار دینار قرار دیتے ہیں ابن ابی لیلیٰ پانچ درہم امام مالکؒ تین درہم قرار دیتے ہیں داؤد کہتے ہیں نصاب کچھ نہیں قلیل و کثیر سب میں قطع واجب ہے جس مال میں قطع واجب ہے اس میں فقہا کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ ہر اس مال میں قطع واجب ہے جو چور پر حرام ہو امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ جس کی اصل مباح ہو اس میں قطع نہ کیا جائے جیسے شکار۔ لکڑی۔ گھانس۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جب ان کا کوئی مالک ہو جائے قطع واجب ہے امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ تر طعام میں قطع نہ کیا جائے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اس میں قطع کیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں سارق مصحف قطع نہ کیا جائے امام شافعیؒ کے نزدیک قطع کیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسجد کی قندیل یا کعبہ کے پردے چرانے پر قطع نہ کیا جائے امام شافعی کے نزدیک قطع کیا جائے۔ اگر صغیر سن غلام کو جو ناسمجھ ہو یا عجمی چرالے تو امام شافعیؒ کے نزدیک قطع کیا جائے امام ابو حنیفہ کے نزدیک قطع نہ کیا جائے اگر چھوٹے بچے کو چرالے تو قطع نہ کیا جائے امام مالک فرماتے ہیں قطع کیا جائے۔

حفاظت (حرز) کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ داؤد متفرد ہیں وہ حفاظت کا کچھ اعتبار نہیں کرتے ہر سارق کو خواہ حفاظت میں سے سرقہ کرے یا غیر حفاظت سے قطع کا حکم دیتے ہیں اور جمہور وجوب قطع میں حفاظت کا اعتبار کرتے ہیں۔ غیر حفاظت سے سرقہ کرنے والے کو قطع نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ گھوڑے کے سرقہ میں جب تک اصطبل میں نہ آئے قطع نہیں اسی طرح اگر مستعار لیکر انکار کردے قطع نہیں احمد بن حنبل قطع کا حکم دیتے ہیں۔ جو علماء حفاظت کو شرط کہتے ہیں وہ اس کی کیفیت میں مختلف ہیں

امام ابوحنیفہؒ ہر شے قیمتی اور غیر قیمتی کی حفاظت یکساں قرار دیتے ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک مال کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے اور عرف کا اعتبار کرتے ہیں لہٰذا کم قیمت اشیاء جیسے لکڑی وغیرہ کی حفاظت خفیف اور بیش قیمت جیسے سونا چاندی وغیرہ کی حفاظت شدید قرار دیتے ہیں لکڑی کی حفاظت سونے کی حفاظت کے برابر نہیں رکھتے۔ لہٰذا اگر اس حفاظت میں سے لکڑی چرالی جائے تو قطع واجب اور سونا چاندی اس حفاظت میں سے چرایا جائے تو قطع واجب نہیں۔ کفن چور کو قطع کیا جائے کیونکہ عرفاً قبریں کفن کے لیے محل حفاظت ہیں اگرچہ اور مالوں کے لیے نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کفن چور کو قطع نہ کیا جائے کیونکہ قبریں اور مالوں کے لیے محل حفاظت نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص چوپائے پر اپنا سامان لاد کر آگے چلتا کر دے جیسا کہ لوگ کرتے ہیں اور کوئی شخص اس میں سے ربع دینار کی قدر مال چرالے تو سارق کو قطع کیا جائے اور اگر چوپائے اور مال دونوں کو چرالے تو قطع واجب نہیں۔ کیونکہ محفوظ اور محل حفاظت دونوں کا سرقہ کیا ہے۔ سونے چاندی کے برتن کے سرقے میں اگرچہ ممنوع الاستعمال ہیں قطع واجب ہے خواہ اس میں کھانے کی چیز ہو یا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز موجود ہو اور سب کو چرالے تو قطع واجب نہیں اگر کھانے پینے کی چیز کو ان میں سے گرا کر چرالے تو قطع واجب ہے۔

اگر نقب میں دو آدمی شریک ہوں اور مال تنہا ایک اٹھائے تو اٹھانے والے کو قطع کیا جائے شریک نقب کو قطع نہ کیا جائے۔ اگر اس طرح شریک ہوں کہ ایک صرف نقب دے دوسرا صرف مال اٹھائے تو دونوں میں سے کسی کو قطع نہ کیا جائے۔ ایسی ہی صورت کے لیے امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ظریف چور قطع نہ کیا جائے۔

اگر چور کو قطع کر دیا جائے اور مال موجود ہو تو مالک کو واپس دیا جائے قطع کے بعد پھر اس مال کو محفوظ جگہ سے چرائے تو پھر قطع کیا جائے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مال پر دو مرتبہ قطع نہ کیا جائے۔ اگر چرا لینے کے بعد مال کو ہلاک

کرے تو قطع بھی کیا جائے اور تاوان بھی لیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قطع ہو تو تاوان نہیں اور تاوان لیں تو قطع نہیں ہے۔ اگر مال مسروقہ چور کو ہبہ کر دیا جائے تو قطع ساقط نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ ساقط ہو جاتا ہے۔ صاحب مال قطع معاف کرے تو معاف نہیں ہوتا صفوان بن امیہ نے اپنی چادر کے چور کو معاف کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں معاف کر دوں تو اللہ مجھے معاف نہ کرے گا آپ نے اس کے قطع کا حکم دیا کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے سامنے چند چوروں کو پیش کیا گیا جب سب کے ہاتھ قطع کر چکے اور ایک باقی رہ گیا اس کو قطع کے لیئے آگے کیا گیا تو اس نے یہ شعر پڑھے۔ (بحر طویل)

یمینی امیر المومنین اعیذھا　　بعفوک ان تلقی نکالا یبینھا

یدی کانت الحسناء لو تو ستر ھا　　ولا تقدم الحسناء عیبا یشینھا

فلا خیر فی الدنیا وکانت خبیثۃً　　اذا ما شمال فارقتھا یمینھا

ترجمہ:۔ اے امیر المومنین میں اپنے ہاتھ کو عذاب سے بچانے کے لیئے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں کاش میرا خوبصورت ہاتھ پورے طور پر پردے میں رہتا اور اس سے یہ عیب سرزد نہ ہوتا دنیا اس وقت کس کام کی بلکہ بہت بری ہوگی جبکہ بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے جدا ہو جائے گا۔

حضرت معاویہؓ نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے تیرے ساتھیوں کے ہاتھ قطع ہو چکے ہیں۔ اس کی ماں نے کہا یہ گناہ بھی آپ اپنے ان گناہوں پر سمجھیں جن سے آپ اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں گے یہ سن کر اس کو چھوڑ دیا یہ پہلی حد ہے جو اسلام میں ترک کی گئی۔ قطع سرقہ میں مرد عورت حر غلام مسلمان کافر سب برابر ہیں بچے کو قطع نہ کیا جائے مدہوش بحالت مدہوشی چوری کرے تو قطع نہ کیا جائے غلام اپنے آقا کے مال کی چوری کرے یا باپ بیٹے کے مال کی چوری کرے تو قطع نہ کئے جائیں داؤد کہتے ہیں کہ دونوں کو قطع کیا جائے۔

تیسری فصل

حد خمر

ہر خمر یا نبیذ جس کا کثیر یا قلیل نشہ لائے حرام ہے اس کے پینے والے کو حد لگائی جائے عام اس سے کہ نشہ ہو یا نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ خمر پینے سے حد لگائی جائے اگرچہ نشہ نہ کرے۔ اور نبیذ پینے سے جب تک نشہ نہ لائے حد نہیں ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ ہاتھوں اور کپڑوں کے پلوں سے چالیس بار ماریں اور زبان سے نہایت سخت و سست کہیں جھڑکیاں دیں کیونکہ حدیث میں اسی طرح منقول ہے ایک قول یہ ہے کہ دوسرے حدود کی طرح تازیانے لگائیں۔ اگر چالیس سے باز نہ آئے اسی تازیانہ تک لگا سکتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرابخوار کو چالیس لگاتے تھے مگر جب لوگوں کو زیادہ مبتلا دیکھا تو صحابہ سے اس کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے حضرت علیؓ نے کہا میری رائے میں اسی تازیانہ لگایا کیجئے کیونکہ شراب پیکر انسان مدہوش ہو جاتا ہے اور بیہودہ بکتا ہے بجواس میں افترا کرتا ہے افترا کی حد اسی تازیانے ہیں آیندہ سے حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا اور آپ کے بعد اور ائمہ کا عملدرآمد اسی پر رہا۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کے حد کے باعث مرنے پر مجھے اتنا خیال نہیں ہوتا جتنا کہ شرابی کے مرنے پر ہوتا ہے کیونکہ یہ (اسی تازیانے) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لگانے شروع کئے ہیں پس اگر چالیس تازیانوں سے شرابی مر جائے تو اس کا خون معاف ہے اور اگر اسی لگانے سے مر جائے تو خونبہا واجب ہے خونبہا کی مقدار میں ایک قول یہ ہے کہ کامل دیت ہے کیونکہ حد لگانے میں نص کے حکم سے تجاوز کیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ نصف دیت ہے کیونکہ حد منصوص ہے اور نصف مزید ہے اگر کسی کو جبراً شراب پلائی جائے یا حرام ہونے سے ناواقف ہو اور پی لے تو اس پر حد نہیں ہے اور پیاس کی وجہ سے پی لے تو حد لگائی جائے

کیونکہ سیراب نہیں کرتی مرض کے لیئے دوائی پیئے تو حد واجب نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات اس سے مرض جاتا رہتا ہے۔ نبیذ کی اباحت کا معتقد ہو تو حد لگائیں مگر اس کی عدالت میں فرق نہیں آتا۔

مدہوش کو اس وقت سزا دی جائے جب نشہ آور شراب کے پینے کا اقرار کرلے یا دو شخص شہادت دیں کہ اس نے باختیار خود مسکر جانتے ہوئے پی ہے۔

ابو عبید اللہ زبیری کہتے ہیں کہ میں نفس نشہ پر حد جاری کرتا ہوں مگر یہ سہو ہے کیونکہ بعض مرتبہ مسکر کے پینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر شراب معصیت سے پی ہے تو اس پر تمام احکام ہوش والے کے جاری ہونگے۔ اور اگر معصیت سے نہیں پی ہے جیسے جبراً یا مسکر نہ جان کر تو غشی والے کی طرح مرفوع القلم ہے۔

مسکر کی حد میں اختلاف ہے ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس سے عقل زائل ہوجائے اور آسمان و زمین اور ماں اور بیوی میں تمیز نہ کرسکے۔ علمائے شافعیہ نے اس کی حد یہ قرار دی ہے کہ اس کے پینے سے لڑکھڑاتی زبان سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ بولنے لگے الٹی سلٹی حرکتیں کرے اور جھومتا ہوا چلے۔ اور جب بات کے سمجھنے اور سمجھانے میں اضطراب اور اٹھنے بیٹھنے میں اضطراب جمع ہوجائیں تو یہ سکر کی حد ہے اور اس سے زیادہ کیفیت سکر کی حد پر زیادتی ہے۔

چوتھی فصل

حد قذف (تہمت) اور لعان کا بیان

قذف بالزنا کی حد اسّی تازیانے ہیں یہ منصوص اور مجمع علیہ ہے کمی اور بیشی نہیں ہوسکتی اور حق العباد ہے بلا مطالبہ واجب نہیں ہوتی معاف کرنے سے ساقط ہوجاتی ہے۔ جس کو زنا سے متہم کیا جائے اگر اس میں پانچ شرطیں

جمع ہوں اور متہم کرنے والے میں تین شرطیں جمع ہوں تو حد واجب ہے۔
متہم بالزنا کی پانچ شرطیں یہ ہیں بالغ ہو۔ عاقل ہو۔ مسلمان ہو۔ حر ہو۔ عفیف ہو
لہذا بچے یا مجنوں یا غلام یا کافر کو یا جو زنا کی حد لگنے سے ساقط العصمت ہو
اس کو متہم کرنے والے پر حد جاری نہ ہوگی ہاں تکلیف دہی اور بد زبانی کی وجہ
سے تعزیر کیا جائے۔ اور متہم کرنے والے کی تین شرطیں ہیں بالغ ہو۔ عاقل ہو
حر ہو اگر بچہ یا مجنون ہو تو نہ حد ہے نہ تعزیر اور غلام ہو تو حر کی نصف حد یعنی چالیس
تازیانے لگائے جائیں کیونکہ غلامی کی وجہ سے نصف رتبہ رکھتا ہے کافر کو
مسلمان کی طرح عورت کو مرد کی طرح حد لگائی جائے متہم کرنے والا فاسق ہو جاتا ہے
اس کی شہادت ناقابل عمل ہے توبہ سے فسق زائل اور شہادت مقبول ہو جاتی
ہے خواہ حد سے پہلے توبہ کرے یا بعد۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حد سے
پہلے توبہ کرے تو شہادت مقبول ہے اور حد کے بعد مقبول نہیں لواطت
اور بہائم سے کرنے سے متہم کرنے کی حد وہی ہے جو زنا سے متہم کرنے کی۔
کفر و سرقہ کے ساتھ متہم کرنے والے پر حد نہیں دل آزاری کی سزا دی جائے
زنا کی تہمت صریح الفاظ سے ہوتی ہے مثلاً یوں کہے اے زانی۔
یا تو نے زنا کیا ہے۔ میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا ہے اور اگر یوں کہے
اے فاجر یا اے فاسق۔ یا اے واطی تو احتمال کی وجہ سے کنایات ہیں ان سے
حد جب ہی واجب ہوگی جبکہ تہمت کا ارادہ کرے۔ اگر کہے اے عاہر
تو بعض شوافع کے نزدیک محتمل ہونے کی وجہ سے کنایہ ہے اور بعض کے
نزدیک صریح کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے الولد للفراش
والعاهر الحجر

ترجمہ - بچہ بستر والے کا ہے اور عاہر کے لیے پتھر ہے۔
اور امام مالکؒ تعریضاً قذف کو وجوب حد میں صریح کے مثل کہتے
ہیں تعریض کی صورت یہ ہے کہ غصہ اور لعن وطعن کے وقت کہے میں نے
زنا نہیں کیا جس کا مطلب یہ لیتا ہے کہ تو نے زنا کیا ہے اور امام شافعیؒ
اور امام ابوحنیفہؒ رحمہما اللہ کے نزدیک تعریض میں اس وقت تک

حد نہیں جب تک یہ اقرار کرے کہ میں نے تہمت کا ارادہ کیا تھا۔ اگر یوں کہے اے دوزانیوں کے بیٹے تو اس کو متہم نہیں کیا اس کے والدین کو کیا ہے لہٰذا وہ دونوں یا ان میں سے ایک مطالبہ کرے تو حد جاری کی جائے اور اگر دونوں مر چکے ہوں تو حد ان کی موروث ہے۔ امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ حد تہمت موروث نہیں۔

اگر متہم مال لیکر مصالحت کرنا چاہے تو جائز نہیں اگر بیٹا اپنے باپ کو متہم کرے تو حد لگائی جائے اور باپ بیٹے کو متہم کرے تو حد نہیں ہے اگر متہم کرنے والے کو حد لگنے سے پہلے متہم نے زنا کر لیا تو اس کی حد قذف ساقط نہ ہو گی۔ امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ ساقط ہو جائے گی۔ شوہر اپنی بیوی کو زنا سے متہم کرے تو حد لگائیں لیکن شوہر عورت سے لعان کرے تو نہیں۔ لعان کی صورت یہ ہے کہ جامع مسجد میں منبر پر یا اس کے قریب کھڑے ہو کر کم از کم چار شاہدوں کے سامنے کہے "میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو فلاں شخص سے زنا کے ساتھ متہم کرنے میں صادق اور یہ بچہ زنا سے ہے مجھ سے نہیں جب کہ اس سے ولد کی نفی کرنی مقصود ہو یہ الفاظ چار دفعہ کہہ کر پانچویں دفعہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں اس کو فلاں کے ساتھ (اگر زانی کا تذکرہ کرے) زنا سے متہم کرنے میں جھوٹا ہوں اور یہ بچہ زنا سے ہے مجھ سے نہیں ہے۔ یہ کہنے کے بعد لعان مکمل اور حد قذف اس سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اب اگر اس کی بیوی لعان نہ کرے تو اس پر حد زنا واجب ہوتی ہے وہ اس طرح کہے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ یہ میرا شوہر مجھے فلاں کے ساتھ زنا سے متہم کرنے میں جھوٹا ہے یہ بچہ اسی سے ہے زنا سے نہیں جب اس کو چار مرتبہ کہہ چکے تو پانچویں مرتبہ کہے مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر میرا یہ شوہر مجھے فلاں کے ساتھ متہم کرنے میں سچا ہو۔ اس کی تکمیل کے بعد اس سے حد زنا ساقط ہو جاتی ہے بچہ شوہر کا نہ رہے گا دونوں شوہر و بیوی میں فرقت اور دائمی حرمت واقع ہو جائے گی۔ فرقت کس سے ہوتی ہے؟

اس میں فقہا کا اختلاف ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فرقت صرف شوہر کے لعان سے ہوجاتی ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ دونوں کے لعان سے ہوتی ہے امام ابوحنیفہ رحمہ فرماتے ہیں کہ دونوں کے لعان سے نہیں ہوتی بلکہ حاکم کی تفریق کرنے سے ہوتی ہے۔ عورت اپنے شوہر کو متہم کرے تو حد لگائی جائے لعان نہ کرایا جائے۔ اگر شوہر لعان کے بعد اپنی تکذیب کرے تو بچہ کا نسب اس سے ہوجاتا ہے اور اس کو حدِ قذف لگائی جائے۔ مگر امام شافعیؒ کے نزدیک بیوی اس کے لیئے حلال نہ ہوگی امام ابوحنیفہ رحمہ حلال کر دیتے ہیں۔

پانچویں فصل

جنایات کے قصاص اور دیت کے بیان میں

جان پر جنایت کرنے کی تین صورتیں ہیں عمد۔ خطاء۔ عمد شبہ خطا عمد محض یہ ہے کہ دھار دار کاٹنے کی چیز مثلاً لوہے سے یا جو لوہے کی طرح گوشت میں گزر سکے یا جس کے وزن سے عام طور سے جان تلف ہوجائے جیسے پتھر لکڑی، کسی نفس کو عمداً قتل کیا جائے اس میں قصاص لازم آتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک عمد جس سے قصاص لازم آئے یہ ہے کہ دھاردار لوہے وغیرہ سے جو گوشت میں گھس جائے قتل کرے اور جس چیز کے وزن یا الم سے مثلاً پتھر اور لکڑی سے عمداً قتل کرے وہ قتل عمد نہیں ہے اس سے قصاص لازم نہیں آتا۔ قتل عمد کا حکم امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ ولی مقتول حر ہو اور قاتل و مقتول کے خون بحیثیت قصاص و دیت کے مساوی رتبہ رکھتے ہوں امام ابوحنیفہ رحمہ فرماتے ہیں کہ ولی مقتول صرف قصاص کا مطالبہ کرسکتا ہے اور دیت (خونبہا) قاتل اور ولی دم کی رضامندی سے مل سکتی ہے ولی دم مرد ہوں یا عورت ورثاء مال ہوتے ہیں

خواہ ذوی الفروض ہوں یا عصبہ۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں ولی دم صرف مذکر ہوتے ہیں مونث نہیں ہوتے۔ جب تک سب اولیاء دم جمع ہو کر مطالبہ نہ کریں قصاص نہ لیا جائے اگر ان میں سے ایک معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور دیت واجب ہوتی ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ساقط نہیں ہوتی۔ اگر ان میں سے کوئی نابالغ یا مجنون ہو تو صرف بالغ اور عاقل کو قصاص لینے کا حق نہیں۔

قاتل مقتول کے دم کی مساوات امام شافعیؒ کے نزدیک اس اعتبار سے ہے کہ قاتل کو مقتول پر حریت یا اسلام کی وجہ سے فضیلت نہ ہو اگر ان میں کسی بات میں اس پر کوئی فضیلت رکھتا ہو مثلاً حر نے غلام کو یا مسلمان نے کافر کو قتل کیا ہو تو قصاص واجب نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس مساوات کا کچھ اعتبار نہیں لہٰذا حر کو غلام کے عوض اور مسلمان کو کافر کے عوض قتل کیا جائے۔ مگر عام طور پر لوگ اس سے بچتے ہیں اور ابا کرتے ہیں حتیٰ کہ خود اس کے قائلین بھی اس پر عمل نہیں کرتے کہتے ہیں قاضی ابویوسفؒ کے اجلاس میں ایک مسلمان کو جس نے کافر کو قتل کیا تھا پیش کیا گیا آپ نے قصاص کا حکم دیدیا ایک شخص آیا اور آپ کے سامنے ایک رقعہ ڈال گیا جس میں لکھا ہوا تھا (بحر سریع)۔

یا قاتل المسلم بالکافر	جرت وما العادل کالجائر
یا من بیغداد واطرافہا	من علماء الناس او شاعر
استرجعوا وابکوا علی دینکم	واصطبروا فالاجر للصابر
جار علی الدین ابویوسف	بقتلہ المومن بالکافر

ترجمہ:- اے قتل کرنے والے مسلمان کو کافر کے عوض میں! تو نے ظلم کیا ہے، عادل ظالم کے برابر نہیں بغداد اور اس کے اطراف میں جس قدر علما اور شاعر ہیں انکو چاہیئے کہ وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھیں اور اپنے دین پر گریہ کریں اور صبر کریں کیونکہ صابر کو اجر ملتا ہے۔ ابویوسف نے کافر کے عوض مومن کے قتل کا فتویٰ دے کر دین پر ظلم کیا ہے۔

قاضی ابو یوسف ہارون رشید کے پاس گئے اور واقعہ بیان کرکے رقعہ سنایا ہارون رشید نے کہا کہ اس کے لئے کوئی مناسب تدبیر کرو تاکہ فتنہ برپا نہ ہو قاضی صاحب نے آکر اصحاب دم سے صحت ذمہ اور اس کے ثبوت پر بینہ طلب کی وہ اس کو پیش نہ کرسکے اس لئے قاضی صاحب نے قصاص ساقط کردیا۔ مصلحت کے وقت ایسی صورت اختیار کرنا جائز ہے غلام کے عوض غلام کو قتل کیا جائے اگرچہ قاتل مقتول سے بیش قیمت ہو امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ اگر قاتل مقتول سے بیش قیمت ہو تو اس پر قصاص نہیں مختلف المذہب کفار ایک دوسرے کے قصاص میں قتل کئے جائیں۔ مرد کو عورت کے عوض اور عورت کو مرد کے عوض بڑے کو بچہ کے عوض عاقل کو مجنوں کے عوض قتل کیا جائے۔ بچے اور مجنوں پر قصاص نہیں باپ سے بیٹے کا قصاص نہ لیا جائے۔ بیٹے سے باپ کا اور بھائی سے بھائی کا قصاص لیا جائے۔

خطاء المحض یہ ہے کہ بلا قصد قتل سرزد ہو اس میں قصاص نہیں مثلاً دیوار گرائی اور آدمی دب کر مرگیا کنواں کھودا اس میں کوئی گر پڑا چھجا نکالا اور وہ کسی پر آپڑا یا سواری پر چڑھا اور اس نے قابو سے نکل کر کسی آدمی کو روند دیا ان جیسی صورتوں سے اگر موت واقع ہو تو یہ قتل خطائے محض ہے جس سے دیت لازم آتی ہے۔ قصاص لازم نہیں ہوتا۔ اور جانی (جنایت کرنے والا) کے عاقلہ پر جب سے قتل ہوا ہے تین سال تک قسط وار واجب الادا ہوتی ہے خود جانی کے مال پر نہیں ہوتی اور امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں جب سے حاکم دیت کا حکم دے اسوقت سے قسط شروع کیا جائے۔ عاقلہ سے مراد باپ اور بیٹوں کے ماسوا اور عصبات ہیں لہذا باپ دادے اور اوپر تک بیٹے پوتے نیچے تک اس کے متحمل نہ ہونگے امام ابو حنیفہ رح باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں کو بھی عاقلہ میں داخل کرتے ہیں۔ قاتل ادائے دیت میں عاقلہ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح اس کو بھی ان میں کا ایک فرد قرار دیتے ہیں۔

ان میں سے دولت مند عاقلہ کے ذمے سالانہ نصف دینار یا اتنی قیمت کے اونٹ ہیں اور متوسط کے ذمے چوتھائی دینار یا اس کی مقدار کے اونٹ فقیر کے ذمے کچھ نہیں۔ جو شخص فقر کے بعد مالدار ہو جائے وہ ادا کرے اور جو دولت مندی کے بعد فقیر ہو جائے اس سے ساقط ہے۔

حر مسلمان کی دیت سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار کھرے اور زیادہ رواج والے ہیں۔ اور چاندی کے اعتبار سے بارہ ہزار درہم ہیں امام ابو حنیفہؒ دس ہزار درہم فرماتے ہیں اور اونٹ کے اعتبار سے پانچ طرح کے سو اونٹ ہیں۔ بیس بنت مخاض۔ بیس بنت لبون۔ بیس ابن لبون۔ بیس حقے اور بیس جذعے اصل دیت اونٹ سے ہے اسکے علاوہ اور سب اسکے بدل ہیں عورت کی جان اور دوسرے اعضا کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔

یہودی اور نصرانی کی دیت میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ مسلمان کی دیت کے برابر کہتے ہیں امام مالکؒ مسلمان کی دیت سے نصف کہتے ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک مسلمان کی دیت کا ثلث ہے اور مجوسی کی دیت مسلمان کی دیت کے دسویں حصے کی دو تہائی یعنی آٹھ سو درہم ہیں۔ غلام کی دیت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی قیمت ہے جہاں تک بھی پہنچے خواہ حر کی دیت سے کئی گونے بڑھ جائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر زیادہ ہو تو میں حر کی دیت تک نہیں پہنچاتا اس سے دس درہم کم رکھتا ہوں۔

عمد کا شبہ خطا یہ ہے کہ عمداً فعل سے بلا قصد قتل سرزد ہو۔ مثلاً کسی کو ایسی لکڑی یا پتھر سے مارے کہ جس سے بچنے اور مرنے دونوں کا احتمال ہے اور اس سے مر جائے یا جیسے معلم لڑکے کو عام دستور کے موافق مارے یا سلطان کسی قصور پر تعزیر کرے اور اس سے جان تلف ہو جائے تو اس قتل میں قصاص نہیں ہے۔

عاقلہ پر دیت مغلظ (شدیدہ) ہے سونے چاندی میں تغلیظ کی صورت یہ ہے کہ اس پر ثلث کی زیادتی کردی جائے اور اونٹ میں یہ ہے کہ اس کی تین قسمیں لی جائیں۔ تیس حقے۔ تیس جذعے۔ اور چالیس گیا بھن (حاملہ) اونٹنیاں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ عاقلہ غلام کے۔ عمد کے۔ صلح کے۔ اعتراف کے متحمل نہیں ہیں۔ خطائے محض جو اشہر حرم ہے حرم اور ذی رحم میں واقع ہو اس کی دیت مغلظہ ہے اگر عمد محض میں قصاص معاف کردیا جائے تو دیت مغلظ ہے جو قاتل کے مال سے فی الفور وصول کی جائے۔

اگر چند لوگ مل کر ایک شخص کو قتل کریں اور قصاص سب پر واجب ہو تو دیت سب کے ذمے ایک ہوگی خواہ زیادہ آدمی ہوں یا تھوڑے۔ ولی دم ان میں سے جس کو چاہے معاف اور باقی کو قتل کرسکتا ہے اگر سب کو معاف کردے تو سب پر ایک دیت ہے جس کی قسطیں ہر ایک کے ذمے مقرر کردی جائیں۔ اگر ان میں سے کوئی ذبح کرنے والا ہو اور کوئی زخمی کرنے والا اور پھاڑنے والا ہو تو جان کا قصاص ذبح کرنے والے زخمی کرنے والے۔ پھاڑنے والے پر زخموں کے لحاظ سے ہوگا جان کے لحاظ سے نہ ہوگا۔ اگر ایک شخص چند آدمیوں کو قتل کرے تو سب سے پہلے مقتول کے قصاص میں قتل کیا جائے اور دوسروں کے لیئے اس کے مال میں دیتیں ہوں گی۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سب کے قصاص میں قتل کیا جائے دیت کسی کے لیئے نہ ہوگی اگر سب کو ایک ساتھ قتل کرے تو قرعہ ڈالیں جس کے نام پر نکلے اس کے عوض قتل کریں البتہ اگر سب مقتولوں کے اولیاء رضامند ہو کر قصاص کا حق کسی ایک مقتول کے ولی کو دیدیں تو اس کے عوض قتل کیا جائے اور دوسروں کے لیئے اس کے مال میں دیات واجب ہوں گی۔

اگر کوئی مسلمان (جس کا حکم مانا جائے) کسی شخص کو قتل کا حکم دے تو قصاص آمر و مامور دونوں پر ہے اور اگر آمر مسلمان نہ ہو تو قصاص

صرف مامور پر ہے آمر پر نہیں۔ اگر قتل پر مجبور کیا جائے تو قصاص مجبور کرنیوالے پر ہے اور خود مجبور پر واجب ہونے میں دو قول ہیں۔

اعضاء کے متعلق یہ ہے کہ ہر عضو جس کو جوڑ پر سے قطع کیا جائے اس میں قصاص ہے ہاتھ کا قصاص ہاتھ پیر کا پیر انگلی کا انگلی۔ پورے کا پورا ہے اور دانت کا اس کے مثل دانت ہے۔ لہذا بائیں کے عوض دایاں اور نیچے کے عوض اوپر کا دانت کے عوض ڈاڑھ اور رباعیہ (پچھلی اور اگلے دانتوں کے درمیان والا) کے عوض اگلا دانت نہ لیا جائے۔ اور جس شخص کے دانت گر چکے ہوں اسکے دانت کے عوض میں اس شخص کا دانت نہ لیا جائے جسکا کوئی دانت ابھی نہیں گرا شل ہاتھ کے عوض درست ہاتھ نہ لیا جائے۔ گونگی زبان کے عوض بولتی زبان نہ لیجائے صنعت و کتابت کے ہاتھ کے عوض غیر صنعت و کتابت کا ہاتھ قطع کیا جائے آنکھ کے بدلے آنکھ لی جائے بھینگی اور چوندہی آنکھ کے عوض اچھی آنکھ لی جائے۔ غیر متحرک آنکھ اور شل ہاتھ کے عوض اس کا مثل لیا جائے غیر شامہ ناک کے عوض درست ناک لی جائے۔ بہرے کان کے عوض سنتا ہوا کان لیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس پر قصاص نہیں۔ عجمی کے بدلے عربی سے کمینے کے بدلے شریف سے قصاص لیا جائے۔

اگر اعضا میں قصاص معاف کر کے دیت لی جائے تو دونوں ہاتھ کی کامل دیت ہے ایک ہاتھ کی نصف ہر انگلی کی دسواں حصہ ہے یعنی دیت میں اونٹ ہوں تو دس۔ انگلیوں کے ہر پورے میں ۳⅓ اونٹ مگر انگوٹھے کے پورے میں پانچ اونٹ ہیں ہاتھوں کی طرح پیروں کی دیت ہے مگر پوروں میں فرق ہے ان کے ہر پورے میں پانچ اونٹ ہیں۔ دونوں آنکھوں میں پوری دیت ہے ایک میں نصف ہے۔ کانے اور غیر کانے کی آنکھ میں کچھ فرق نہیں امام مالکؒ کانے کی آنکھ میں پوری دیت واجب کرتے ہیں۔ چاروں پلکوں میں دیت ہے اور ہر ایک میں چوتھائی دیت ہے ناک میں ایک دیت ہے

دونوں کانوں میں ایک دیت ایک میں نصف ہے زبان میں دیت ہے دونوں ہونٹوں میں چوتھائی دیت ہے۔ ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں دانت کو داڑھ اور ثنیہ کو کیلی پر کوئی فوقیت نہیں ہے سماعت باطل ہونے میں ایک دیت ہے اگر کان کاٹنے سے سماعت باطل ہو جائے تو دو دیتیں ہیں اسی طرح اگر ناک کاٹنے سے قوت شامہ باطل ہو جائے تو دو دیتیں ہیں۔ گویائی جانے میں ایک دیت ہے اگر زبان کاٹنے سے گویائی جاتی رہے تو ایک دیت ہے عقل زائل ہونے میں دیت ہے ذکر جانے میں دیت ہے خصی وعنین اور دوسرں کے ذکر مساوی ہیں۔ ابو حنیفہ رحمہ فرماتے ہیں کہ خصی وعنین کے ذکر میں حکومت ہے۔ انثیین میں دیت ہے ایک میں نصف دیت ہے دونوں پستانوں میں ایک عورت کی دیت ہے ایک میں نصف ہے مرد کے پستانوں میں حکومت ہے ایک قول یہ ہے کہ دیت ہے۔

سر کے زخموں کی کئی قسمیں سب سے پہلا حارصہ ہے یہ وہ ہے جو جلد میں ہو۔ اس میں نہ قصاص ہے نہ دیت بلکہ حکومت ہے۔ پھر دامیہ یہ وہ ہے جلد میں ہو اور خون آلود ہو اس میں بھی حکومت ہے پھر دامغہ ہے یہ وہ ہے جس میں سے کھال قطع ہو خون نکل جائے جیسے دمغ اس میں حکومت ہے پھر متلاحمہ ہے یہ وہ ہے جو قطع ہو کر گوشت تک پہنچ جائے اس میں حکومت ہے۔ پھر باضعہ یہ وہ ہے جو جلد کے بعد گوشت کو بھی قطع کر دے اس میں بھی حکومت ہے۔ پھر سمحاق ہے یہ وہ ہے جو جلد کاٹ کر پورے گوشت کو کاٹ دے اور ہڈی کے ایک پردے کو چھوڑ دے اس میں حکومت ہے ان سب کی حکومتیں حسب ترتیب زیادہ ہوں گی۔

پھر موضحہ یہ وہ ہے جو جلد گوشت اور پردے کو کاٹ کر ہڈی ظاہر کر دے اس میں قصاص ہے اگر معاف کر دے تو پانچ اونٹ ہیں پھر ہاشمہ ہے یہ وہ ہے جو گوشت کو کھول دے اور ہڈی کو صدمہ پہنچا کر توڑ دے اس میں دس اونٹ ہیں اگر ہڈی کے صدمے کا قصاص لینا چاہے تو

اس کا اختیار نہیں ہاں موضحہ کا قصاص لے سکتا ہے اسی صورت میں ہڈی کے صدمے کا بدلا پانچ اونٹ دئے جائیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہڈی کے صدمے میں حکومت ہے پھر منقلہ یہ وہ ہے جو گوشت کھولنے کے ساتھ ہڈی کو صدمہ پہنچا کر جوڑ سے جدا کر دے جس سے اس کے منتقل کرنے اور جوڑ بیٹھلانے کی ضرورت ہو اس میں پندرہ اونٹ ہیں اور اگر موضحہ کا قصاص لیا تو ہڈی کو صدمہ پہنچنے اور جوڑ سے الگ ہونے کے دس اونٹ دے پھر مامومہ ہے اس کو دامغہ بھی کہتے ہیں یہ وہ ہے کہ زخم دماغ کی جڑ تک پہنچ جائے اس میں تہائی دیت ہے۔

باقی بدن کے زخموں میں جائفہ کے سوا کسی میں دیت نہیں جائفہ وہ زخم ہے جو جوف (پیٹ) کے اندر تک پہنچ جائے۔ اس میں ایک تہائی دیت ہے۔ بدن کے اور زخموں میں بجز موضحہ کے جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے قصاص نہیں ان میں حکومت ہے۔ اگر کسی کے ہاتھ پیر کاٹ دئے جائیں اور وہ مندمل ہو جائیں تو ان کی دیتیں واجب ہیں۔ اگرچہ جان کی دیت سے کئی گونے بڑھ جائیں اگر اندمال سے پہلے ان زخموں سے مر جائے تو ایک جان کی دیت دینی ہوگی اور ہاتھ پیر کی دیت ساقط ہو جائے گی۔ اگر بعض کے اندمال کے بعد مرے تو غیر مندمل میں جان کی دیت مع ہاتھ پیر کی دیت کے ادا کرنی ہوگی گونگی زبان شل ہاتھ۔ غیر متحرک آنکھ۔ اگر مندمل ہو جائیں تو ان میں حکومت ہے۔ ان سب میں حکومت کی صورت یہ ہے کہ حاکم زخمی کی قیمت کا اندازہ اس طرح کرے کہ اگر یہ تندرست غلام ہوتا تو کیا قیمت ہوتی اور زخمی ہونے کے بعد اگر غلام ہو تو کیا قیمت ہوگی ان دونوں قیمتوں کے فرق کو اس کی دیت قرار دے یہی مقدار اس کی جنایت کی حکومت ہے۔

اگر عورت کے پیٹ میں مارے اور اس کے صدمے سے مردہ جنین نکلے تو وہ اگر حر ہو تو ایک باندی ہے جو عاقلہ ادا کریں اور اگر

مملوک ہو تو باندی کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہے اس میں مذکر و مونث مساوی ہیں اگر روتا ہوا جنین خارج ہو تو پوری دیت ہے اس میں مذکر و مونث میں فرق کیا جائے ہر اس جان کے قاتل پر جسکی دیت مضمون ہے کفارہ ہوتا ہے عمداً قاتل ہو یا خطاءً اور ابو حنیفہؒ خاطی پر واجب کرتے ہیں عمد پر نہیں کرتے اور کفارہ ایک مومن کام میں حارج ہونے والے عیوب سے پاک رقبہ کا آزاد کرنا ہے اگر یہ نہ ملے تو دو ماہ کے متواتر روزے ہیں ان سے بھی عاجز ہو تو ایک قول پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اور دوسرے قول پر کچھ نہیں۔

جب ایک قوم دوسری قوم پر قتل کا دعویٰ کرے اور دعوے میں لوث ہو لوث کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کا دعویٰ دل کو سچا معلوم ہوتا ہو تو لوث کی وجہ سے مدعی کا قول معتبر ہوگا اگر مدعی پچاس قسمیں کھائے تو اس کے لیئے دیت کا حکم دیا جائے قصاص کا نہیں دیا جا سکتا اور اگر مدعی قسموں سے انکار کرے یا بعض قسموں سے انکار کرے تو مدعا علیہ پچاس قسمیں کھا کر بری ہو جائے۔

جب جان یا اعضاء کا قصاص واجب ہو جائے تو ولی خود بلا اذن سلطان اس کا استیفاء کرنے کا مجاز نہیں پس اگر عضو کا قصاص ہو تو سلطان اس کو اس وقت اجازت نہ دے جب تک اس کے سوا کوئی اور شخص قصاص کا کام کرنے پر طیار نہ ہو قصاص کرنے والے کی اجرت اس کے ذمے ہوگی جس کے لیئے قصاص لیا گیا اس کے ذمے نہ ہوگی جس سے قصاص لیا گیا امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ذمے ہوگی جس سے قصاص لیا گیا۔ اور جان کا قصاص ہو تو سلطان اس کے استیفاء کے لیئے خود ولی دم کو اجازت دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ دل پر قابو رکھتا ہو ورنہ خود سلطان نہایت تیز تلوار سے قصاص لے اگر ولی قصاص جان یا عضو کا قصاص بلا اذن سلطان خود لے لے اور اس میں کچھ زیادتی کا مرتکب نہ ہو تو سلطان اس کو خود بخود

ایسا کرنے پر تعزیر کرے اور چونکہ قصاص میں اپنا حق لیا ہے اس لیئے اس پر کچھ واجب نہیں۔

چھٹی فصل

تعزیر کے بیان میں

تعزیر ان گناہوں کی تادیب کو کہتے ہیں جن میں شرعاً حدود مقرر نہیں کئے گئے ہیں اس کا حکم گناہ اور مرتکب گناہ کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اس بات میں حدود سے متفق ہے کہ یہ اصلاح کے لیئے تادیب اور زجر ہے جو گناہ کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔ اور تین باتوں میں حدود کے خلاف ہے۔ (پہلی) یہ کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی تادیب اسفل طبقہ کے لوگوں سے خفیف ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بڑے لوگوں کی لغزشیں معاف کر دیا کرو لہذا تادیب میں فرق مراتب کا ضرور لحاظ رکھا جائے اگرچہ حدود معینہ میں سب مساوی ہیں پس بہت بڑے رتبے کے شخص کی تعزیر یہ ہے کہ اس سے اعراض کیا جائے اس سے کم رتبہ کی یہ ہے کہ اس سے ناک چڑھائی جائے اس سے کم رتبہ کی یہ ہے کہ اس کو جھڑکا اور برا بھلا کہا جائے جس میں تہمت یا گالی نہ ہو اس سے کم رتبہ ہوں تو قید کی سزا دے قید بھی جرائم کے اعتبار سے ہو لہذا بعض کو کم قید کرے بعض کو اس سے زیادہ ایک خاص مدت تک کے لئے شافعیہ میں سے ابو عبید اللہ زبیری قید کی غایت تفتیش اور برات کے لیئے ایک مہینہ اور تادیب کے لیئے چھ مہینے مقرر کرتے ہیں۔

اگر ان سے بھی اسفل ہوں جن کے جرائم متعدی اور مضرت رساں ہوں تو ان کو نکلنے اور جلا وطن کرنے کی سزا دی جائے اس کی مدت امام شافعیؒ کے نزدیک بظاہر ایک سال سے کم ہے خواہ ایک ہی دن

کم ہوتا کہ زنا کی تعزیر کے سال کے مساوی نہ ہو۔ مالکؒ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ حسب ضرورت ایک سال سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے اس سے کم رتبہ مجرمین کے لئے سزائے ضرب بضرب و توہین میں بھی مراتب جرائم کے لحاظ سے کمی بیشی کی جائے۔

تعزیری ضرب کی انتہائی مقدار میں اختلاف ہے امام شافعیؒ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ حر کے لیئے انتالیس تازیانے ہیں تاکہ شراب کی حد چالیس تازیانہ تک جو سب سے کم حد ہے نہ پہنچے لہذا حر کو چالیس اور غلام کو بیس نہ لگائے جائیں۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حر و غلام دونوں کے لیئے زیادہ سے زیادہ انتالیس تازیانے ہیں ابو یوسفؒ فرماتے ہیں پچھتر ہیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ کی مقدار معین نہیں بڑی سے بڑی حدود سے تجاوز جائز ہے۔

ابو عبید اللہ زبیری کہتے ہیں کہ ہر جرم کی تعزیر اس کی شرعی حد سے مستنبط ہے لہذا اگر زنا کے متعلق تعزیر ہو تو اس کے حالات کا اعتبار کیا جائے اور قذف زنا کی تعزیر سے پانچ کم رکھے جائیں۔ اگر دونوں کو اس حال میں پایا کہ مرد کا عضو ابھی فرج میں داخل ہونے کو ہے تو اعلیٰ تعزیر یعنی ۷۵ تازیانے لگائیں اور اگر ایک ازار میں بغیر حائل کے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں اور جماع کی تدبیر نہ کر رہے ہوں تو ساٹھ تازیانے لگائیں اور لپٹے ہوئے نہ ہوں تو چالیس اور خالی مکان میں اپنے اپنے کپڑوں میں ہوں تو تیس تازیانے اور راستے میں ایک دوسرے سے ہم کلام دیکھیں تو بیس لگائیں اور مرد کو عورت کے پیچھے پیچھے جاتے پائیں اور اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہو تو تحقیق کریں اور آپس میں بغیر گفتگو کے اشارے کرتے ہوئے دیکھیں تو دس تازیانے لگائیں یہی صورت سرقے میں ہے جرم کی نوبت قطع تک پہنچنے سے پہلے ہے کہ اگر غیر محفوظ جگہ سے نصاب کا سرقہ کرے تو اعلیٰ تعزیر یعنی ۷۵ تازیانے ہیں اور غیر محفوظ جگہ سے نصاب سے کم کا سرقہ کرے تو ۶۰ تازیانے ہیں اور اگر مال محل حفاظت میں جمع کرے اور باہر نکالنے سے پہلے واپس جائے تو چالیس تازیانے ہیں۔

اور نقب دے کر داخل ہو جائے اور کچھ نہ لے تو تیس تازیانے ہیں نقب دے اور داخل نہ ہو تو بیس تازیانے ہیں نقب دے رہا ہو یا دروازہ کھول رہا ہو اور ابھی مکمل نہ کیا ہو تو دس تازیانے ہیں ہاتھ میں آلۂ نقب رکھتا ہو یا مال کی تاک لگا رہا ہو تو تفتیش کی جائے علیٰ ہذا القیاس ان دونوں کے علاوہ اور جرائم میں سزا دی جائے یہ صورت اگرچہ مستحسن ہے لیکن اسکے لئے کوئی دلیل شرعی نہیں - حد و تعزیر کے اعتبار کی یہ پہلی وجہ تھی -

دوسری وجہ یہ ہے کہ حد میں معافی اور سفارش جائز نہیں اور تعزیر میں جائز ہیں اس لیئے اگر تعزیر کا تعلق حقوق سلطنت اور صلاح سے ہو حقوق العباد سے نہ ہو تو حاکم کو اختیار ہے کہ عفو اور تعزیر میں جو بہتر ہو اس کو اختیار کرے اس میں طالب عفو کی سفارش بھی جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے تم مجھ سے سفارش کرو خدا اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے فیصلہ کر دے گا اور اگر تعزیر حق العباد کے لئے ہو جیسے سب وشتم اور حملے پر تو ان میں ایک تو مشتوم اور مضروب کا حق ہے اور دوسرا اصلاح تہذیب کے اعتبار سے سلطنت کا حق ہے حاکم حق مشتوم یا مضروب کو معاف نہیں کر سکتا اس کے حق کا استیفاء حاکم پر واجب ہے اگر وہ معاف کر دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ حق سلطنت کو معاف کر دے یا سزا دے - اگر مرافعہ سے قبل شتم وضرب میں بیچ بچاؤ اور معافی کر لیں تو حق عبد ساقط ہو جاتا ہے اور حق سلطنت کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے ابو عبد اللہ زبیری کا قول یہ ہے کہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ سب وشتم کی تعزیر زیادہ شدید ہوتی ہے جب وہ عفو سے ساقط ہو جاتی ہے تو حق سلطنت بدرجۂ اولیٰ ساقط ہو جاتا ہے - لہٰذا والی حکومت کو تعزیر کرانے کا حق نہیں ہے - اور دوسرا قول جو زیادہ بہتر ہے یہ ہے کہ حاکم عفو قبل مرافعہ میں اسی طرح تعزیر کا مجاز ہے جس طرح عفو بعد مرافعہ کی صورت میں تاکہ یہ دونوں صورتیں حد قذف کے خلاف ہو جائیں کیونکہ اصلاح حقوق عامہ میں سے ہے -

اگر باپ بیٹے آپس میں گالی گلوچ اور مار پیٹ کریں تو باپ کے

ذمے بیٹے کے حق کی تعزیر ساقط ہے صرف حق سلطنت کی تعزیر واجب ہے جس میں بیٹے کا کچھ حق نہیں اس کو والی حکومت خود معاف کر سکتا ہے اور بیٹے کی تعزیر باپ اور سلطنت کے حق میں مشترک ہے لہذا اگر باپ تعزیر کا مطالبہ کرے تو حاکم تنہا معاف کرنے کا مجاز نہیں امتیاز حدود تعزیر کی یہ دوسری وجہ تھی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مستوجب فعل میں جو نقصان ہو وہ ہدر (ساقط) ہوتا ہے اور مستوجب تعزیر فعل کے نقصان کا ضمان واجب ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دھمکایا اس نے خوف سے اپنا پیٹ اندر کو دبا لیا جس سے اسقاط ہوگیا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرکے جنین کی دیت ادا کی تعزیر کی دیت کون دے اس میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ والی کے عاقلہ کے ذمے ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ بیت المال پر ہے اور کفارہ کے متعلق یہ ہے کہ اگر دیت عاقلہ پر مانی جائے تو خود اسکے مال میں ہے اور اگر دیت بیت المال پر مانی جائے تو دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ اس کے مال میں ہے دوسری یہ کہ بیت المال پر ہے۔ جبکہ یہ عام دستور کے موافق بچے کو مارے اور اس کی جان تلف ہو جائے تو دیت اس کے عاقلہ پر ہے اور کفارہ اس کے مال پر۔

اگر بیوی نافرمانی کرے تو شوہر اس کو مارنے کا مجاز ہے اگر اس سے جان ضائع ہو جائے تو شوہر کے عاقلہ پر دیت ہے اور اگر عمداً قتل کرے تو قصاص لیا جائے۔ ضرب تعزیری لاٹھی سے بھی جائز ہے اور تازیانے سے بھی اس کی گرہ ٹوٹی ہوئی ہو۔ گرہ نہ ٹوٹے ہوئے سے مارنے میں اختلاف ہے۔ زبیری جائز کہتے ہیں اگرچہ اس کی ضرب کی کیفیت حدود سے بڑھ جائے کیونکہ اس کی گرہ سے کبھی جان بھی ہلاک ہو جاتی ہے۔ اور جمہور شوافع ناجائز کہتے ہیں کیونکہ یہ حدود میں ممنوع ہے باوجودیکہ وہ زیادہ شدید ہوتی ہیں تو تعزیرات میں بدرجۂ اولی ممنوع ہو اور جان ضائع کرنا جائز نہ ہو۔

ضرب حد کا یہ حکم ہے کہ بدن پر متفرق کر کے لگائی جائے تاکہ تمام اعضا پر تقسیم ہو جائے اور مہلک مقامات پر یا ایک ہی جگہ نہ ماری جائے اور ضرب تعزیر میں اختلاف ہے جمہور شوافع کا قول یہ ہے کہ متفرق ماری جائے ایک ہی جگہ نہ ماریں اور زبیری ان کے خلاف ایک ہی جگہ مارنے کو جائز کہتے ہیں کیونکہ جب اس کو تمام بدن سے ساقط کرنا جائز ہے تو بعض بدن سے ساقط کرنا بھی جائز ہوا بخلاف حد کے اس کو ساقط کرنا جائز نہیں۔

تعزیر میں زندہ سولی پر چڑھانا بھی جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو پہاڑ ابوناب پر سولی دی تھی سولی پر چڑھانے کے بعد کھانا پینا پہنچانا اور نماز کے لیئے وضو ممنوع نہیں اشارے سے نماز پڑھے اگر چھوٹ جائے تو پھر چڑھا دیں سولی تین دن سے متجاوز نہ ہونے پائے شدت تعزیر کے لئے شرمگاہ کے سوا اور بدن کے کپڑے اتارنے جائز ہیں اگر بار بار جرم کا مرتکب ہوا اور توبہ نکرے تو لوگوں میں مشہور کیا جائے اور جرم کا اعلان کیا جائے۔ سر کے بال مونڈنا بھی جائز ہیں ڈاڑھی مونڈھنا جائز نہیں منہ کالا کرنے کے جواز میں اختلاف ہے اکثر جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں۔

بیسواں باب

احکام احتساب کے بیان میں

احتساب امر بالمعروف کو (جبکہ معروف (نیک کام) متروک ہوجائے اور نہی عن المنکر کو (جبکہ منکر یعنی برا کام ہونے لگے) کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر) ترجمہ :- تم میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی ہونا چاہیئے جو خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دے نیک کام کرنے کے لئے حکم دے اور برے کاموں سے روکے)

یہ کام اگرچہ ہر مسلمان کر سکتا ہے لیکن متطوع (غیر تنخواہ دار) اور محتسب (تنخواہ دار) میں دو وجہ سے فرق ہے۔ پہلی یہ کہ محتسب پر بحیثیت عہدہ فرض ہے اور دوسروں پر فرض کفایہ ہے دوسری یہ کہ محتسب پر یہ ایسا حق ہے جس سے تغافل جائز نہیں اور متطوع کے لیئے از قبیل نوافل ہے اس کو اس کے علاوہ اور کام میں مشغول ہونا جائز ہے تیسری یہ کہ محتسب کو اسی لیئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس سے منکرات کی شکایت کی جائے اور متطوع اس لیئے نہیں ہوتا۔ چوتھی یہ کہ محتسب پر شکایت کنندہ کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے متطوع پر ضروری نہیں۔ پانچویں یہ کہ

نیک وبد کاموں کی تحقیق و تفتیش کرتا رہے تاکہ بد کاموں کو بند کرے اور نیک پر پابند کرے۔ اور متطوع کے ذمے یہ نہیں ہے چھٹی یہ کہ محتسب منکرات کی بندش کے لیئے اعوان (پولیس) طلب کر سکتا ہے اور متطوع نہیں کر سکتا ساتویں یہ کہ وہ منکرات پر حدود سے کم سزا دے سکتا ہے متطوع نہیں دے سکتا آٹھویں یہ کہ محتسب کو بیت المال سے منصب احتساب کی تنخواہ دیجائے اور متطوع کو تنخواہ دینا جائز نہیں نویں یہ کہ جن امور کا تعلق عرف سے ہے شریعت سے نہیں ان میں اپنے اجتہاد رائے سے کام کر سکتا ہے مثلاً بازاروں میں بیٹھنے کی جگہیں اور چھجے بنانا اگر مناسب ہو باقی رکھے ورنہ روکدے اور متطوع کو یہ اختیار نہیں ہے ان وجوہ سے معلوم ہو گیا کہ اگرچہ متطوع امر بالمعروف کر سکتا ہے لیکن اس میں اور محتسب میں بڑا فرق ہے۔ لہٰذا محتسب میں حسب ذیل شرائط ہونی ضروری ہیں۔ حر۔ عدل ذی رائے و ذی عزم اور دین میں متشدد۔ اور منکرات سے واقف۔

شوافع کا اس امر میں اختلاف ہے کہ جن امور کا فقہاء کے نزدیک منکر ہونا مختلف فیہ ہے آیا محتسب ان میں بھی اجتہاد رائے سے کام لے یا نہیں ابو سعید اصطخری کا قول یہ ہے کہ اجتہاد رائے سے کام لے۔ اس قول پر ضروری ہے کہ محتسب مجتہد ہو تاکہ مختلف فیہ میں اجتہاد کر سکے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مختلف فیہ ہے سب کو اجتہاد کا حق ہے اس لیئے اپنے اجتہاد رائے پر لوگوں کو مجبور نہ کرے۔ اس قول پر محتسب کا مجتہد ہونا شرط نہیں غیر مجتہد بھی جبکہ متفق علیہ منکرات سے واقف ہو محتسب ہو سکتا ہے۔

فصل

جاننا چاہیے کہ احتساب، محکمۂ قضا اور محکمۂ مظالم کے درمیان ایک

محکمہ ہے اس کو محکمۂ قضاء سے یہ نسبت ہے کہ دو باتوں میں اس کے برابر ہے اور دو میں اس سے کم اور دو میں اس سے زائد ہے۔

جن میں برابر ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حقوق الناس میں سے تین قسم کے دعوے محتسب کے ہاں کئے جا سکتے ہیں اور محتسب سماعت کر سکتا ہے (۱) ناپ تول کی کمی کا دعویٰ (۲) مبیع یا ثمن میں دخل اور کھوٹ کا دعویٰ (۳) واجب الادا دین کو باوجود قدرت کے نہ دینے اور ٹالنے کا دعویٰ یہ تین دعوے ایسے ہیں کہ ان کا تعلق منکرات ظاہرہ سے ہے۔ اور چونکہ محتسب کا فرض منصبی یہ ہے کہ دینداری کی باتیں جاری کرے اور بری باتوں کا استیصال کرے بلکہ حسب ضرورت پولس سے امداد لے ان تینوں دعووں کی سماعت کرے ان کے علاوہ اور احکام اور انفصال مقدمات کرنے کا مجاز نہیں۔ دوسری بات جس میں محکمۂ قضاء کے برابر ہے یہ ہے کہ محتسب مدعا علیہ کو حق واجب شدہ سے عہدہ برآ ہونے پر مجبور کرے مگر یہ صرف ان حقوق میں کرنے کا مجاز ہے۔ جن کے دعاوی کی سماعت کرنے کا اسے حق ہے اعتراف و اقرار کے بعد اگر ممکن و سہل ہو تو مقر کو چاہیے کہ حق فوراً صاحب حق کے حوالے کر دے کیونکہ تاخیر حق منکر ہے اور محتسب اس کے ازالہ کے لئے مامور ہے اور جن دو باتوں میں محکمہ احتساب محکمۂ قضاء سے کم ہے ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ محتسب کو عام دعوؤں کی سماعت کا حق نہیں منکرات ظاہری کے علاوہ عقود و معاملات۔ حقوق و مطالبات کے تمام دعوے اس کے اجلاس میں نہ کئے جائیں نہ وہ اس قسم کے دعوؤں میں احکام نافذ کرنے کا مجاز ہے قلیل و کثیر حتیٰ کہ ایک درہم کے متعلق بھی کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا ہاں فرائض احتساب پر اگر یہ مزید اختیارات بصراحت دئے جائیں تو عہدہ قضاء اور عہدہ احتساب دونوں کو جامع ہوگا اس صورت میں ضروری ہے کہ اہل اجتہاد ہو اور اگر ایسا نہ کیا جائے صرف احتساب کے لئے مامور ہو تو جملہ مقدمات کے انفصال کا تعلق قضات اور حکام سے

ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ محکمہ احتساب کی کارروائی ان امور میں نافذ ہوتی ہے جن کا مجرم اعتراف کرے اور جن امور میں طرفین انکار و تجاہد کریں ان میں محکمہ احتساب کو ہاتھ ڈالنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ سماع بینہ اور حلف دینے پر موقوف ہیں اور یہ دونوں امر حکام اور قضات سے متعلق ہیں۔

جن دو باتوں میں محکمہ احتساب محکمہ قضاء سے زائد ہے ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ محتسب خود تلاش و تجسس کرکے ایسے مقدمات پکڑ سکتا ہے جن کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعلق ہے یہ ضروری نہیں کہ کوئی آنکھ دعویدار ہو اور قاضی تاوقتیکہ کوئی دعویدار اور داد خواہ نہ ہو ایسا نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی قاضی ایسا کرے تو وہ ظالم اور حدود اختیارات سے باہر قدم رکھنے والا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ محتسب اپنے فرض منصبی کو انجام دینے اور ازالہ منکرات میں سلطنت کے دباؤ اور سختی کو کام میں لاسکتا ہے ایسا کرنے سے جابر و ظالم نہیں ہوتا اور قاضی کا منصب عدل و انصاف ہے اس کے کام میں تحمل و وقار کی ضرورت ہے لہذا وہ اگر ایسا کرے ظالم و جابر ہوتا ہے محکمہ احتساب اور محکمہ مظالم میں مشابہت بھی ہے اور فرق بھی مشابہت دو حیثیت سے ہے ایک تو یہ کہ ان دونوں کی وضع میں سلطنت کا مخصوص رعب اور ہیبت داخل ہے دوسری یہ کہ ان دونوں محکموں کو از خود کھلم کھلا تعدی کا روکنا اور نیک چلنی اور امن قائم کرنا جائز ہے۔

اور فرق بھی دو حیثیت سے ہے۔ پہلی یہ کہ محکمہ مظالم ان امور کے لیئے ہے جن کی انجام دہی سے قاضی عاجز ہوں اور محکمہ احتساب ان امور کے لیئے جن سے قاضیوں کو روک دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ والی مظالم کا رتبہ اعلیٰ ہے اور محتسب کا رتبہ ادنیٰ لہذا والی مظالم قاضی اور محتسب کو فرمان بھیجے تو جائز ہے اور قاضی والی مظالم کو فرمان نہیں بھیج سکتا محتسب کو بھیج سکتا ہے اور محتسب ان دونوں میں سے کسی کو نہیں بھیج سکتا

اس ثانی فرق کا حاصل یہ ہے کہ والی مظالم حکم کر سکتا ہے اور محتسب حکم (فیصلہ) نہیں کر سکتا۔

فصل

احتساب اور قضاء و مظالم کی وضع اور فرق سمجھنے کے بعد جاننا چاہیے کہ احتساب کی دو فصلیں ہیں (۱) امر بالمعروف (۲) نہی عن المنکر۔

امر بالمعروف کی تین قسمیں ہیں ایک حقوق اللہ سے متعلق دوسری حقوق العباد سے متعلق تیسری مشترک حقوق سے متعلق حقوق اللہ کی دو نوع ہیں ایک یہ کہ امر بالمعروف کا لزوم افراد کے لیے نہ ہو بلکہ جماعت کے لیے ہو جیسے وطن سکونت میں جماعت کا ترک کرنا پس اگر اتنے آدمی ہوں کہ بالاتفاق ان سے جمعہ منعقد ہو سکتا ہے مثلاً چالیس یا اس سے زائد تو ان کو قائم کرنے پر مجبور و مامور کرے اور کوتاہی کرنے پر تادیب کرے اور اگر چالیس سے کم ہوں کہ ان سے جمعہ منعقد ہونے میں اختلاف ہو تو ان کی چار حالتیں ہیں پہلی حالت یہ کہ محتسب اور قوم کے مذہب میں اتنے لوگوں سے جمعہ منعقد ہو جاتا ہے اس صورت میں محتسب پر واجب ہے کہ ان کو انعقاد جمعہ کا حکم دے اور ان پر تعمیل ضروری ہے ان میں کوتاہی کرنے والوں کو سزا دی جائے مگر نہ اتنی جتنی کہ بالاجماع وجوب کے تارکین کو دوسری حالت یہ ہے کہ دونوں کے نزدیک اتنے افراد سے جمعہ منعقد نہیں ہو سکتا اس صورت میں انعقاد کا حکم نہ دے بلکہ اگر منعقد کریں تو منع کرنا بہتر ہے۔ تیسری حالت یہ ہے کہ قوم کے نزدیک منعقد ہو اور محتسب کے نزدیک نہ ہو اس صورت میں کچھ تعرض نہ کرے نہ انعقاد کا حکم دے کیونکہ خود اس کے نزدیک اتنے افراد سے منعقد نہیں ہوتا اور نہ ممانعت کرے کیونکہ وہ

اپنے ذمے فرض سمجھتے ہیں چوتھی حالت یہ ہے کہ محتسب کے نزدیک اپنے
افراد سے جمعہ کا انعقاد ضروری ہو اور قوم کے مذہب میں ضروری نہ ہو
اس صورت میں باوجود امتداد زمانہ اور افراد کی کمی وبیشی ہوتے رہنے کے
جمعہ کا ترک بالاستمرار لازم آتا ہے تو کیا ایسی حالت میں انعقاد کے لیے مامور
کرسکتا ہے یا نہیں؟ علمائے شافعیہ کے دو قول ہیں ایک یہ ہے اور یہی
ابو سعید اصطخری کے قول کا اقتضا ہے کہ بلحاظ مصلحت انعقاد کا امر کرسکتا
ہے تاکہ آنے والی نسلیں قلت عدد کی طرح کثرت عدد کی صورت میں بھی جمعہ کو ساقط
نہ سمجھنے لگیں کیونکہ زیاد نے بصرہ وکوفہ کی جامع مسجدوں میں اس قسم کی بات
ملحوظ رکھی ہے لوگ جب صحن میں نماز پڑھتے تو سجدے سے اٹھ کر اپنی
پیشانیوں سے مٹی صاف کیا کرتے زیاد نے صحن میں کنکریاں ڈلوا دیں
اور یہ کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ امتداد زمانہ کے بعد آئندہ نسلیں سمجھیں گی
کہ پیشانیوں کو صاف کرنا نماز میں مسنون ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے
کچھ تعرض نہ کرے کیونکہ اپنے مذہب واعتقاد پر مامور کرنے اور اجتہادی
مسئلے میں اپنے اجتہاد پر مواخذہ کرنے کا حق نہیں درآنحالیکہ ان کا اعتقاد
یہ ہو کہ اعداد کی کمی جمعہ کی صحت کو مانع ہے۔

نماز عید کے متعلق یہ ہے کہ محتسب اس کے انعقاد کا امر کرسکتا ہے
اور یہ بات کہ یہ امر حقوق لازمہ سے ہے یا حقوق جائزہ سے شوافع کے
اس اختلاف پر مبنی ہے کہ آیا نماز عید مسنون ہے یا فرض کفایہ اگر یہ کہا جائے
کہ نماز عید مسنون ہے تو اس کا امر کرنا مندوب ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے
کہ فرض کفایہ ہے تو اس کا امر کرنا واجب ہے۔

مساجد میں اذاں کہنا اور باجماعت نماز پڑھنا ان اسلامی شعائر اور
علامات تعبد سے ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دارالاسلام
اور دارالشرک میں مابہ الامتیاز قرار دیا ہے لہٰذا اگر کسی بستی یا محلے کے
سب مسلمان اپنی مساجد میں نماز باجماعت یا اذاں چھوڑ دیں تو محتسب
کے لیے مناسب ہے کہ ان کو اذاں وجماعت کا حکم دے رہی یہ بات

کہ یہ امر محتسب پر واجب ہے کہ ترک سے گنہگار ہو یا مستحب کے کرنے پر مستحق ثواب ہو شوافع کے اس اختلاف پر مبنی ہے کہ اگر کسی جگہ کے لوگ بالاتفاق اذان۔ اقامت۔ جماعت چھوڑ دیں تو سلطان کو ان سے محاربہ کرنا لازم ہے یا نہیں۔

اور اگر شخصی طور پر افراد نماز جمعہ یا اپنی نماز کے لیئے اذان واقامت ترک کردیں تو جبتک عادتاً ایسا نہ کرے محتسب کوئی تعرض نہ کرے کیونکہ ان سے مندوبات اعذار سے ساقط ہوجاتے ہیں اور اگر شک یا عادت کی وجہ سے ایسا کرے یا اندیشہ ہو کہ دوسرے اس کی اقتدا کرینگے تو مصلحتاً اس کو ادائے سنن میں سستی کرنے پر زجر کرے زجر کے مراتب اس کے حالات کے اعتبار سے ہونے چاہئیں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا کہ میں صحابہ کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور پھر حکم دوں کہ اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھیں اور خود ان لوگوں کے گھروں پر جاکر جو نماز میں شریک نہیں ہوئے آگ لگادوں۔

اور وہ امور جن کے مامور افراد ہیں جیسے نماز میں اتنی تاخیر کرنا کہ وقت نکلجائے اس کے متعلق یہ ہے کہ اس کو یاد دلایا جائے اور ادا کرنے کا حکم دیا جائے اگر یہ جواب دے کہ میں بھول گیا تھا تو تادیب نہ کرے یاد آنے پر پڑھنے کی تاکید کرے اور اگر کہے میں نے کسل و سستی سے چھوڑی ہے تو تادیب کرے اور پڑھنے پر مجبور کرے۔ اور جو شخص تاخیر کرے اور وقت باقی ہو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ تاخیر کی نفضیلت میں فقہا کا اختلاف ہے لیکن کسی جگہ کے لوگ بالاتفاق دیر سے نماز پڑھتے ہوں اور محتسب کے نزدیک تعجیل افضل ہو تو کیا تعجیل کا حکم کرسکتا ہے یا نہیں اس میں دونوں وجہ ہیں کیونکہ بالاتفاق تاخیر کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ بچوں کے ذہن میں یہ راسخ ہو جائے گا کہ موخر وقت ہی نماز کا وقت ہے اور اس سے پہلے نماز کا وقت نہیں ہوتا ہاں اگر بعض پہلے

پڑھیں تو تاخیر کرنے والوں اور ان کے مذہب تاخیر سے کچھ تعرض نہ کرے اذاں اور نمازوں میں قنوت پڑھنا اگر محتسب کے مذہب کے خلاف ہو تو وہ ان سے معترض نہ ہو کیونکہ ان میں اجتہاد کو دخل ہونے کی وجہ سے دونوں طرح کی گنجائش ہے اسی طرح طہارت میں اگر محتسب کے مذہب کے خلاف ہو مثلاً مائع (بہنے والی شے) سے نجاست زائل کرنا یا پاک شے ملے ہوئے پانی سے وضو کرنا یا پورے سر سے کم مسح کرنا یا بقدر درہم نجاسات کو معاف سمجھنا تو محتسب بامر یا نہی کچھ تعرض نہ کرے اور پانی موجود نہ ہو تو نبیذ تمر سے وضو کرنے پر محتسب کو تعرض کرنے میں دو وجہ ہیں کیونکہ اس سے اندیشہ ہے کہ وہ اس کو ہر طرح استعمال کرنا مباح سمجھیگا اور بعض اوقات پی کر مدہوش ہو جائے گا حقوق اللہ کے امر بالمعروف کی دو صورتیں مذکورہ بالا بیان پر قیاس کرنی چاہئیں۔

فصل

امر بالمعروف جو حقوق العباد سے متعلق ہے اس کی دو نوع ہیں عام۔ خاص۔ عام کی مثال یہ ہے کہ کسی شہر کی نہر وغیرہ بند ہو جائے یا شہر پناہ گر جائے یا حاجت مند مسافر گزریں اور ان کی اعانت نہ ہو ایسی صورت میں اگر بیت المال میں سرمایہ موجود ہو اور اس کے خرچ کرنے سے مسلمانوں کو مضرت نہ پہنچے تو اس کے روپے سے نہر کی اصلاح اور شہر پناہ کی تعمیر اور مسافروں کی حاجت روائی کا حکم دے کیونکہ یہ حقوق بیت المال پر واجب ہیں ان لوگوں پر نہیں ہیں یہی حکم مساجد اور جامع مساجد کے منہدم ہونے پر ہے اور بیت المال میں سرمایہ نہ ہو تو ان تمام امور کا اہتمام عام اہل وسعت پر عائد ہوتا ہے کسی خاص شخص کے ذمے نہیں اگر یہ لوگ اس کو انجام دینے لگیں تو محتسب سے فریضہ امر

ساقط ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کو مسافروں کی اعانت اور منہدم شدہ عمارتوں کی تعمیر کے لیئے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر پرانی یا شکستہ عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کرنا چاہیں تو جن کا تعلق عام اہل شہر سے ہے جیسے شہر پناہ یا جامع مسجد تو بلا اذن والی حکومت نہیں کر سکتے محتسب کی اجازت کافی نہیں تاکہ وہ گرانے کے بعد ان کو تعمیر کرنے کا ذمہ دار کر دے اور محلوں کے مساجد کے لیئے والی حکومت سے اجازت لینا لازمی نہیں۔ جن مساجد کو لوگ منہدم کریں ان کو پھر بنانے پر محتسب مجبور کرے جا یہ مساجد تعمیر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

اگر اصحاب مقدرت ان منہدم شدہ یا مرمت طلب عمارتوں کو نہ بنائیں اور شہر میں قیام ممکن ہو یانی اگرچہ کم ہو مگر ضرورت پوری ہو جاتی ہو تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دے اور اگر پانی نہ ہونے اور شہر پناہ ٹوٹنے سے وہاں قیام ممکن نہ ہو تو اگر سرحدی جگہ ہو کہ چھوڑنے سے دار الاسلام کو مضرت پہنچنے کا شبہ ہے تو یہ جائز نہیں کہ والی حکومت اس کو معطل چھوڑ دے بلکہ یہ ان حوادث میں سے ہے جس کا انتظام سب ذی وسعت مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ اس صورت میں محتسب کا کام یہ ہے کہ سلطان کو اسکی اطلاع دے اور اصحاب مقدرت کو اس کے انتظام و اصلاح کی ترغیب دے اور اگر سرحدی مقام نہ ہو جس سے دار الاسلام کو مضرت پہنچے تو اس کا حکم اتنا سخت نہیں لہذا محتسب کو یہ اختیار نہیں کہ باشندوں سے جبراً اصلاح کرائے کیونکہ یہ حق سلطان پر ہے اگر سلطان کے پاس سرمایہ نہ ہو تو محتسب باشندوں کو اختیار دے کہ خواہ تم یہاں سے منتقل ہو جاؤ اور خواہ یہاں رہ کر اس کی درستی کا بار اٹھاؤ تاکہ وہ اگر وطن بنانا ممکن ہو اگر وہ ثانی صورت پر آمادہ ہوں تو ان سب سے امدادی روپیہ جو کچھ بطیب خاطر دیں لے اور جبراً کسی سے تھوڑا یا بہت بالکل نہ لے بلکہ اعلان کر دے کہ جس قدر تم بہ سہولت اور بخوشی دے سکتے ہو دو۔ جس کے پاس مال نہ ہو وہ کام سے مدد کرے ان اقرار و مواعید کے بعد بلحاظ مصلحت ہر جماعت

میں ایک ضامن مقرر کرے تاکہ جو ذمہ داری اس جماعت نے لی ہے اس کو وقت پر پوری کرائے۔ اور معاملات خاصہ میں ایسے ضامن کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مصالح عامہ کے حکم میں وسعت ہے لہٰذا اس کے ضمان میں بھی وسعت ہے اس تمام کارروائی کے بعد محتسب کو چاہیئے کہ کام کرنے میں خود پیش قدمی نہ کرے پہلے سلطان سے اجازت حاصل کرے تاکہ خارج از اختیارات کارروائی لازم نہ آئے کیونکہ یہ کام احتساب کے فرائض سے جدا ہے اور اگر اجازت حاصل کرنا دشوار ہو یا حصول اجازت تک مضرت بڑھنے کا خطرہ ہو تو بلا اجازت ہی کام شروع کر سکتا ہے۔

اور خاص سے مراد ایک دوسرے کے حقوق اور دیون ہیں اگر ادا کرنے میں تاخیر کی جائے تو محتسب حکماً دلا سکتا ہے بشرطیکہ صاحب حق مطالبہ کرے اور صاحب ذمہ میں قدرت ہو قید کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ قید کرنا حکم ہے اور محتسب اس کا مجاز نہیں البتہ صاحب حق کی طرح اس کو روکتا ٹوکتا رہے اقارب کے نفقات ادا کرنے پر مواخذہ نہ کرے کیونکہ ان میں اجتہاد شرعی سے یہ بات معلوم کرنی ہوتی ہے کہ کس کے لیئے واجب ہوتا ہے ؟ کس پر واجب ہے اگر حاکم نے ان کی مقداریں معین کر دی ہوں تو مواخذہ کر سکتا ہے یہی حکم کفالت واجبہ (مثلاً چھوٹے بچوں کی کفالت) کا ہے کہ محتسب بلا حکم حاکم کچھ تعرض نہ کرے حکم کے بعد شرائط کے لحاظ سے انتظام کر سکتا ہے وصیتوں اور امانتوں کے قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہ کرے ہاں علی العموم سب کو خیر خواہی تعاون اور پرہیزگاری کا حکم دے اس مذکور الصدر تفصیل پر اور حقوق العباد کے امر بالمعروف کو قیاس کرنا چاہیئے۔

فصل

امر بالمعروف جو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں مشترک ہے

اس کی مثال یہ کہ اگر بیوہ عورتیں نکاح کی طالب ہوں تو اولیاء کو حکم دے کہ کفو میں شادی کریں۔ ایسے ہی جن عورتوں پر عدت واجب ہو ان کو عدت کے احکام کا پابند کرے اور خلاف ورزی کرنے والی کو سزا دے لیکن اگر عورتوں کے ولی نکاح کرانے کی ذمہ داری کو ادا نہ کریں تو ان کو تادیب نہیں کر سکتا۔ جو شخص اپنے بچے کے نسب کی نفی کرے اور بحکم الولد للفراش نسب اس سے ثابت ہو تو اس سے باپ کے احکام جبراً پورے کرائے اور نفی کرنے پر تادیباً سزا دے۔ اگر غلام اور باندیوں پر زیادتی ہو تو ان کے آقاؤں سے مواخذہ کرے اور حکم دے کہ ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیں۔ اسی طرح اگر مالک اپنے جانوروں کو پوری خوراک نہ دیں یا طاقت سے زیادہ کام لیں تو ان سے مواخذہ کرے جس شخص کو لقطہ (پڑی ہوئی شے) ملے اور وہ اس کی کفالت میں کوتاہی کرے تو اس کو حکم دے کہ یا تو اس کے اٹھانے کے حقوق یعنی کفالت وغیرہ پوری پوری ادا کرو یا کسی کفالت کرنے والے کے حوالے کرو اسی طرح بھٹکے ہوئے جانور کی کفالت اس کے پانے والے سے کرائے اگر جانور اس کی کوتاہی سے ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن ہوتا ہے اور لقطہ ضائع ہو جائے تو ضامن نہیں ہوتا۔ اگر بھٹکا ہوا جانور کسی کو دیدے تو ضامن ہوتا ہے اور لقطہ کسی کو دینے سے ضامن نہیں ہوتا حقوق مشترکہ کے امر بالمعروف کو اس پر قیاس کرو۔

فصل

نہی عن المنکرات کی تین قسمیں ہیں حقوق اللہ سے متعلق حقوق العباد سے متعلق اور مشترک۔ حقوق اللہ سے متعلق کی تین قسمیں ہیں عبادات سے متعلق۔ محظورات سے متعلق معاملات سے متعلق۔
عبادات سے متعلق کی یہ صورت کہ مثلاً کوئی عبادات کے طرز و طریقہ

اور ان کے اوصاف مسنونہ میں تبدیلی کرے مثلاً جہری نماز میں اسرار یا سری نمازوں میں جہر کرنے لگے یا نماز و اذان میں غیر مسنون ادعیہ زیادہ کرے۔ محتسب کو چاہیے کہ اگر وہ فعل کسی امام واجب التقلید کا قول نہ ہو تو مرتکب کو روکے اور معاند کو سزا دے علی ہذا القیاس اگر بدن کپڑے اور نماز کی جگہ ٹھیک طور سے پاک نہ کرے اور بالتحقیق معلوم ہو تو اس کو روکے محض کسی کے متہم کرنے اور گمان کرنے پر مواخذہ نکرے جیساکہ ایک محتسب کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص مسجد میں جوتے پہنے داخل ہوا تو اس سے پوچھا کیا تو اس کو پہنکر بیت الخلاء میں داخل ہوا ہے؟ اس نے انکار کیا تو کہا قسم کھاؤ لیکن یہ جہالت اور احکام احتساب میں تعدی اور سوء ظنی ہے۔

اسی طرح اگر کسی کے متعلق گمان ہو کہ وہ غسل جنابت نہیں کرتا یا نماز روزہ چھوڑتا ہے تو اس سے مواخذہ نہ کرے لیکن تہمت کی وجہ سے اس کو وعظ و نصیحت کرے اور حقوق اللہ کے چھوڑنے اور ان میں کوتاہی کرنے کی وعیدوں سے ڈرائے۔ اگر رمضان میں کھاتا ہوا دیکھے تو فوراً تادیب شروع نہ کرے اگر حال معلوم نہ ہو تو پہلے کھانے کی وجہ اور سبب دریافت کرے ممکن ہے مریض یا مسافر ہو اگر سوال کرنے سے ایسے عذر بیان کرے جن پر اس کی حالت شاہد ہو تو علی الاعلان کھانے سے روک دے اور پوشیدہ کھانے کا حکم دے تاکہ تہمت سے محفوظ رہے۔ اور اس کے قول میں شک ہو تو حلف نہ دے اسکے ایمان پر چھوڑ دے اور کوئی عذر نہ بیان کرسکے تو کھلم کھلا خوب ڈانٹے اور عبرت ناک سزا دے اور اگر اس کے عذر سے محتسب واقف ہو تو بھی علی الاعلان کھانے پینے سے روک دے تاکہ متہم نہ ہو اور جاہل جنھیں حالت عذر و غیر عذر کا فرق معلوم نہیں اس کی اقتدا نہ کریں۔

جس پر زکات واجب ہو اور ادا نہ کرے تو اگر اموال ظاہرہ کی

زکات ہو تو اس کی وصولیابی عامل صدقہ کے ذمے ہے وہ جبراً وصول کرے
اور بلا عذر کوتاہی کرنے والے کو سزا دے اور اموال باطنہ کی زکات ہو تو
ایک احتمال یہ ہے کہ اس کا انتظام محتسب سے متعلق ہے کیونکہ
عامل اموال باطنہ کی زکات پر کچھ تعرض نہیں کر سکتا اور دوسرا احتمال یہ ہے
کہ عامل صدقہ سے متعلق ہے کیونکہ اگر ان کی زکات عامل صدقہ کو دیجائے
تو درست ہے اس میں تادیب کے مدارج اس کے زکات نہ دینے
کے مدارج پر ہونے چاہئیں۔ اگر خفیہ ادا کرنے کا مدعی ہو تو اس کے ایمان
پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر کسی کو صدقہ مانگتے ہوئے دیکھے اور محتسب کو
اس کا غنی ہونا مال یا عمل سے معلوم ہو تو روک دے اور تادیب کرے
اس تادیب کا حق عامل صدقہ کی بہ نسبت محتسب کو زیادہ ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو تادیب فرمائی ہے۔ اگر ظاہری
حالت سے غنی معلوم ہو اور لوگوں سے سوال کرتا پائے تو اس کو
بتلائے کہ غنی کو سوال کرنا حرام ہے منع نہ کرے ممکن ہے باطناً
فقیر ہو۔

اگر مضبوط و توانا جو کام کر سکتا ہے سوال کرتا ہوا ملے تو روک دے
اور محنت و پیشہ کرنے کا حکم دے اگر پھر بھی سوال کرتا رہے تو تعزیر کرے
تاکہ سوال کرنا چھوڑ دے۔ اگر غنی بالمال یا بالعمل سوال سے باز نہ آئے
اور ضرورت ہو کہ اس کا مال جبراً اس پر خرچ کرے یا اس کو جبراً
مزدوری پر لگا کر اس کی اجرت اس پر خرچ کرے تو یہ کام محتسب کے
حیطۂ اختیار سے باہر ہے کیونکہ حکم ہے جس کو حکام ہی کر سکتے ہیں لہذا
اس کو حاکم کے سامنے پیش کرے یا تو وہ خود اس کا انتظام کرے یا محتسب
کو اجازت دے دے اگر کوئی نااہل علمی باتوں مثلاً فقہ یا وعظ میں مشغول
ہو اور اس کی غلط تاویلات سے لوگوں کے گمراہ ہونے اور غیر صحیح
جوابات دینے کا اندیشہ ہو تو اس کو منع کر دیا جائے اور سب کو مطلع
کر دیا جائے تاکہ کوئی دھوکہ میں مبتلا نہ ہو۔ اور جس کی حالت ٹھیک طور

سے معلوم نہ ہو اس کو امتحان سے پہلے منع نہ کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حسن بصری کے پاس سے گزرے وہ لوگوں سے علمی باتیں کر رہے تھے آپ نے ان کا امتحان لیا فرمایا دین کا ستون کیا ہے حسن نے عرض کیا ورع فرمایا دین کی آفت کس سے ہے عرض کیا طمع سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب بیان کر سکتے ہو۔

اسی طرح اگر منتسبین علم میں سے کوئی شخص بدعت پھیلائے اجماع اور نص کے خلاف باتیں کرے اور علمائے عصر اس کے خلاف ہوں تو ممانعت کرے اور دھمکائے اگر اس سے باز آجائے تو فبہا ورنہ سلطان کا کام ہے کہ دین کی حفاظت کرے۔

اگر کوئی مفسر قرآن کی ظاہری تاویل سے عدول کر کے بہ تکلف نئے معنی گھڑ کر بیان کرے یا کوئی راوی منکر احادیث روایت کرنے میں متفرد ہو اور دل ان سے متنفر ہوں تو اس کو روکنا اور منع کرنا محتسب کا فرض ہے اس صورت میں محتسب کو روکنے کا اس وقت حق ہے جبکہ خود عالم ہو اور حق و باطل معانی و روایات سے واقف ہو یا علمائے عصر بالاتفاق اس کا ابطال کریں اور اس کے قول کو بدعت کہیں اور محتسب کو توجہ دلائیں تو ان کے بالاتفاق قول پر اعتماد کر کے منع کرے۔

فصل

محظورات سے متعلق نہی کی یہ صورت ہے کہ لوگوں کو محل شبہ اور تہمت سے روکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شبہ والی چیز کو چھوڑ کر غیر شبہ والی کو اختیار کرو۔ تادیب میں جاری نہ کرے اس سے پہلے منع کرنا چاہیئے۔ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو عورتوں کے ساتھ پھرنے کی ممانعت کر دی تھی ایک شخص کو عورتوں کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تو اس کو درے لگائے اس نے

کہا خدا کی قسم اگر میں نے اچھا کام کیا تو تم نے مجھ پر ظلم کیا اور اگر میں نے
برا کام کیا تو تم نے مجھے اطلاع نہ کی تھی آپ نے فرمایا کیا تو میری ہدایت
کے وقت موجود نہ تھا اس نے کہا ہاں میں موجود نہ تھا آپ نے درّہ اسکے
سامنے ڈالدیا اور کہا مجھ سے بدلا لے اوس نے کہا آج نہیں لیتا آپ نے
فرمایا اچھا معاف کر اس نے کہا معاف بھی نہیں کرتا۔ اس کے بعد دونوں
جدا ہو گئے اگلے دن وہ شخص پھر ملا حضرت عمرؓ کا رنگ بدل گیا اس نے کہا
امیر المومنین! شاید آپ پر میری بات کا اثر ہوا ہے آپ نے فرمایا ہاں
اس نے کہا میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے آپ کو معاف کیا۔
اگر کسی مرد کو ایسے راستے میں عورت کے ساتھ کھڑا دیکھے جس میں
لوگوں کی آمد و رفت ہو اور کوئی شک پیدا نہ ہو تو زجر وانکار نہ کرے
کیونکہ اس کے بغیر ان لوگوں کو چارہ نہیں اور اگر خالی راستے میں دیکھے تو
خالی ہونا شبہ پیدا کرتا ہے لہذا ان کو اس سے روکے تادیب میں جلدی
نہ کرے ممکن ہے اس کی محرم ہو اس سے کہدے اگر تیری محرم ہے
تو اس کو محل تہمت سے بچا اور اجنبی ہے تو اللہ سے ڈر مبادا اس
کے ساتھ خلوت کرنے سے معصیت میں مبتلا ہو جائے لیکن زجر علامات
کے اعتبار سے کم و بیش کرے ابو الازہر بیان کرتے ہیں کہ ابن عائشہ نے
ایک شخص کو راستے میں ایک عورت سے باتیں کرتے دیکھ کر کہا اگر
یہ تیری محرم ہے تو بڑے شرم کی بات ہے کہ تو سب کے سامنے
اس سے باتیں کر رہا ہے اور اگر محرم نہیں تو یہ سب سے بدتر بات ہے
یہ کہکر واپس آگئے اور لوگوں میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے کہ اچانک آپ کی
گود میں ایک رقعہ آکر گرا جس میں لکھا ہوا تھا (بحر کامل)

ان التی ابصرتہ سحراً اکلمہا رسول
اذّت الی رسالۃ کادت لہا نفسی تسیل
من فاتر الالحاظ یجذ بحصرہ ردف ثقیل
متنکبا قوس الصبی یرمی ولیس لہ رسیل

فلو ان اذنك بيننا حتى تسمع ما نقول
لرأيت ما استقبحت من امري هو الحسن الجميل

ترجمہ جس عورت سے آج صبح کو تم نے مجھے باتیں کرتا دیکھا ہے وہ پیامبر تھی اس نے مجھے ایسا خط دیا جس کے لئے میری جان جا رہی تھی وہ خط میری محبوبہ کی طرف سے تھا جسکی نگاہیں غلط انداز میں جسکی کمر پتلی اور سُرین موٹے ہیں جو جوش جوانی میں کمان بنکر بغیر تیر کے شکار کرتی ہے۔

اگر تم ذرا دیر توقف کر کے ہماری باتوں کو سن لیتے تو میری جس بات کو تم نے بُرا سمجھا وہ تمکو ایک اچھی بات معلوم ہوتی۔

ابن عائشہ نے اس کو پڑھا اور سرے پر ابو نواس لکھا دیکھا ابن عائشہ نے کہا میں نے ابو نواس سے کیوں تعرض کیا ابن عائشہ کا ایسے امور کو اس قدر منع کرنا کافی ہے لیکن محتسب جو اسی کے لیئے مامور ہوتا ہے اتنی بات سے سبکدوش نہیں ہوتا ابو نواس کے قول سے بتصریح فسق و فجور کی بات معلوم نہیں ہوتی ممکن ہے وہ اس کی محرم ہو اگرچہ طرز کلام اور شواہد حال فجور پر دال ہیں لیکن ابو نواس کے سے انسان کے لئے یہ بھی نامناسب ہے اگرچہ کسی دوسرے کے لیئے نامناسب نہ ہو۔

جب محتسب ایسے منکرات کو دیکھے تو تامل اور تفتیش سے کام لے اور شواہد حالات سے اندازہ کرے تحقیق سے پہلے تعرض نہ کرے جیسے ابن ابی زناد ہشام بن عروہ سے راوی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت اپنے کاندھوں پر چڑھائے طواف کر رہا ہے اور یہ پڑھتا جاتا ہے۔ (بحر سریع)

قدت لهذي جملا ذلولا موطّأ اتبع السهولا
اعدلها بالكفان تميلا احذر ان تسقط او تزولا

اُرجو بِذٰ الِکَ نائلاً جزیلاً

ترجمہ میں اسکا سدھا ہوا مطیع اونٹ ہوں۔ ہر جگہ بے تکلف جاتا ہوں اور اس ڈر سے کہ یہ گر نہ پڑے اپنے کندھوں پر اسکا وزن برابر سنبھالتا ہوں اور اپنے اس کام سے مجھے بڑے صلہ کی توقع ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کے بندے یہ کون ہے جس کو تو نے اپنا حج بخشدیا اس نے کہا امیر المومنین! یہ میری بیوی ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو طلاق کیوں نہیں دیدیتا عرض کیا یہ خوبصورت اور بچوں کی ماں ہے علیحدگی ممکن نہیں آپ نے کہا تیری مرضی۔ ابوزید کہتے ہیں کہ یہ مقام یعنی مختلط الحواس تھا آپ نے تفتیش سے پہلے اسے کچھ نہیں کیا اور جب شبہ جاتا رہا تو آپ نرم پڑ گئے اگر کوئی علی الاعلان شراب رکھے تو اگر مسلمان ہو تو اس کی شراب بہادے اور اس کو تادیب کرے۔ اور ذمی ہو تو علی الاعلان رکھنے پر سزا دے اور گرانے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں نہ گرائی جائے کیونکہ امام موصوف کے نزدیک یہ ذمیوں کا حق اور مال مضمون ہے اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ گرادی جائے ان کے نزدیک نہ مسلمان کے لیئے مال مضمون ہے نہ کافر کے لیئے۔

اور نبیذ کو علی الاعلان رکھے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر مسلمانوں کی ملک ثابت ہو سکتی ہے لہذا گرانا ممنوع ہے البتہ اظہار پر تادیب کر سکتا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک خمر کی طرح مال نہیں ہے گرا دے تو ضمان لازم نہیں آتا۔ لہذا محتسب شواہد حال کا لحاظ رکھ کر اظہار پر ممانعت کرے اور شراب بنانے کے واسطے ہو تو زجر کرے اور جبتک اہل اجتہاد حاکم گرانے کا حکم نہ دے نہ گرائے تاکہ مرافعہ کیا جائے تو اس کو ضمان نہ دینا پڑے اگر کوئی ذمی نشے میں مست ہو کر باہر پھرے اور بکواس کرے تو نشے اور بکواس پر بے احتیاطی کی وجہ سے تعزیری سزا دے حد کی

سزا نہیں دے سکتا۔

حرام باجوں کے علی الاعلان بجانے پر یہ ہے کہ ان کے جوڑ جوڑ جدا کرے تاکہ خالی لکڑی رہ جائے اور باجے کے حکم سے نکل جائے۔ اور علی الاعلان بجانے پر تادیب کرے اگر لکڑی باجے کے سوا کسی اور کام آسکے تو اس کو نہ توڑے۔

گڑیوں سے مقصود معصیت نہیں ہوتی ان سے لڑکیوں کو تربیت اولاد کی تعلیم دی جاتی ہے اس کے ساتھ معصیت کا جزیہ ہوتا ہے کہ شوہر و بیوی صنم کی شکل پر بناتے ہیں۔ لہٰذا اس میں اجازت و عدم اجازت دونوں پہلو ہیں مقتضائے قرائن سے باقی رکھنا یا نہ رکھنا جیسا مناسب ہو کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے وہ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں آپ نے منع نہیں فرمایا۔ کہتے ہیں کہ ابو سعید اصطخری شافعی مقتدر کے عہد میں بغداد کے قاضی مقرر کئے گئے تو دادی کے بازار کو ہٹا دیا اور اس کو منع کر دیا اور یہ کہا یہ بنیذ کے کام آتا ہے جو حرام ہے اور گڑیوں کے بازار کو رہنے دیا اس کی ممانعت نہیں کی اور یہ کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گڑیوں سے کھیل رہی تھیں آپ نے منع نہیں فرمایا۔ گڑیوں کے متعلق ابو سعید کا قول بعید از اجتہاد نہیں لیکن سوق الدادی کے متعلق بعید ہے کیونکہ شاذ و نادر اس کو دوا میں بھی استعمال کرتے ہیں لہٰذا جس کے نزدیک بنیذ مباح ہے اس کے نزدیک دادی کا فروخت کرنا جائز غیر مکروہ ہے اور جو بنیذ کو حرام سمجھتا ہے وہ اور چیزوں میں جائز الاستعمال ہونے کی وجہ سے اس کی بیع جائز رکھتا ہے اور اغلب استعمال کی وجہ سے مکروہ کہتا ہے ابو سعید کا منع کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اس کی بیع حرام سمجھتے ہیں بلکہ علی الاعلان کھلم کھلا متفق علیہ مباح اشیا کی طرح مستقل بازار لگا کر فروخت کرنے کی ممانعت کی ہے تاکہ عوام کے نزدیک اس میں اور متفق علیہ مباحات میں فرق رہے کیونکہ بعض اور مباحات بھی ایسے

ہیں کہ ان کو علی الاعلان کرنا برا ہے جیسے اپنی بیوی اور باندی سے مباشرت کرنا۔

محظورات (بدافعالیاں) جب تک ظاہر نہ ہوں محتسب ان کا تجسس اور پردہ دری نہ کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص سے کوئی بدافعالی سرزد ہو تو وہ اللہ کے پردہ سے پوشیدہ رکھے کیونکہ جو شخص اپنی کرتوت ہمارے سامنے ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی انتقامی حد اس کے لیئے موجود ہوتی ہے۔ اگر آثار و علامات سے کسی کا چپکے چپکے بدافعالی کی تیاری کرنا معلوم ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس سے ایسی حرمت کے ضائع ہونے کا خیال ہو کہ اس کی تلافی نہ ہو سکے مثلاً ایک سچے اور معتبر شخص کی زبانی معلوم ہو کہ ایک آدمی ایک عورت کے پاس خلوت میں ہے اور زنا کیا چاہتا ہے یا کسی کو قتل کیا چاہتا ہے ایسی صورت میں محتسب کو تجسس اور تفتیش و تحقیق کرنا جائز ہے تاکہ ناقابل تلافی جرم اور ناموس دری نہ ہونے پائے متطوع بھی ایسے معاملات کی چھان بین اور روک تھام کر سکتا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ کے متعلق بعض لوگوں کا بیان ہے کہ بصرہ میں ان کے پاس بنو ہلال کی ایک عورت مسماۃ ام جمیل بنت محجم بن افقم آیا کرتی تھی اس کا شوہر قبیلہ ثقیف کا ایک شخص مسمی حجاج بن عبید تھا۔ اس کی اطلاع ابو بکرہ بن مسروح۔ سہل بن معبد نافع ابن حارث اور زیاد بن عبید کو ہوئی تو وہ گھات میں لگے رہے ایک روز جب وہ مغیرہ کے پاس آئی تو ایک دم اندر گھس گئے اور پھر انھوں نے جو شہادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی وہ مشہور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے ایسا کرنے پر ناخوشی کا اظہار نہیں کیا البتہ شہادت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے حد قذف جاری رکھی۔

دوسری قسم وہ ہے جو اس درجہ کی نہ ہو اس میں تجسس اور پردے کھولنا جائز نہیں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں داخل ہوئے

لوگوں کو دیکھا کہ شراب نوشی کر رہے تھے اور جھونپڑیوں میں آگ روشن کر رکھی تھی
آپ نے فرمایا میں نے تمھیں شراب پینے سے روکا تھا تم باز نہ آئے اور
جھونپڑیوں میں آگ روشن کرنے کی ممانعت کی تھی تم نے پھر روشن کی انھوں
نے کہا اے امیر المومنین! اللہ نے آپ کو تجسس سے روکا ہے آپ
تجسس کرتے ہیں بلا اجازت مکان میں داخل ہونے کی ممانعت کی
ہے اور بلا اجازت داخل ہوئے آپ نے فرمایا اچھا وہ دونوں قصور
ان دونوں کے عوض سمجھو اور واپس ہو گئے۔ اگر کسی کے مکان سے کسی
جماعت کی نامناسب آوازیں اور شور سننے میں آئے تو ان کو باہر سے
منع کرے اندر داخل نہ ہو کیونکہ امر منکر ظاہر ہے اس کے علاوہ اندرونی حالت
سے تعرض کرنا اس کے ذمہ نہیں ہے۔

فصل

غیر مشروع معاملات

مثلاً زنا۔ بیع فاسد یا اور کسی نامشروع فعل پر دونوں متعاقد (معاملہ
کرنے والے) رضامند ہو جائیں تو اگر وہ فعل بالاتفاق ممنوع ہو تو محتسب
پر ان کو شرم دلانا اور روکنا واجب ہے تادیب میں بحیثیت شدت
حرمت اور عدم شدت فرق رکھے۔

اور جن افعال کی حرمت واباحت میں فقہا کا اختلاف ہو ان سے
تعرض نہ کرے لیکن جن میں اختلاف بہت ضعیف ہو اور اس سے
متفق علیہ حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو جیسے نقد معاملے میں سود لینا کہ ایسا
نہایت کمزور اختلاف ہے اور یہ ذریعہ ہو سکتا ہے ادھار معاملے میں سود
لینے کا کہ جس کی حرمت بالاتفاق ہے آیا وہ محتسب کے اختیار میں داخل
ہیں یا نہیں حسب بیان سابق دونوں باتیں ہو سکتی ہیں۔

عقد نکاح اگرچہ معاملات نہیں لیکن ان کے قریب قریب ضرور ہے پس اگر کوئی نکاح بالاتفاق علماء حرام ہو تو اس کو روک دے اور فقہا مختلف ہوں تو تعرض نہ کرے اور اگر خلاف بہت کمزور ہو اور وہ متفق علیہ حرام کے ارتکاب کا ذریعہ ہو جیسے متعہ کیونکہ بعض اوقات زنا کو مباح سمجھنے کا ذریعہ ہوتا ہے تو اس کو روکنے کی بابت دو رائیں ہیں لہٰذا محتسب کو چاہیے کہ ان میں بجائے تنبیہ کرنے کے متفق علیہ معاملات کی ترغیب دے بیع و ثمن میں دغل اور کھوٹ کرنا بھی معاملات سے تعلق رکھتا ہے محتسب اس کا انسداد کرے اور حسب ضرورت تادیب کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کھوٹ ملانے والا ہم میں سے نہیں ہے۔ اگر یہ کھوٹ مشتری کے لیئے نقصان دہ ہو اور مشتری کو معلوم نہ ہو سکے تو اس کی حرمت شدید اور گناہ عظیم ہے مجرم کو سخت سزا دی جائے اور اگر مشتری کو معلوم ہو سکے تو اس کا گناہ خفیف ہے نرمی سے روکا جائے اور مشتری کے متعلق دریافت کیا جائے اگر وہ فروخت کرنے کے لیے خریدتا ہے تو بائع کے ساتھ وہ خریدنے کا مجرم ہے کیونکہ ممکن ہے وہ کسی ایسے شخص سے فروخت کرے جو اس کی خرابی سے ناواقف ہو اور اگر اپنے استعمال کے لیئے خریدے تو وہ مجرم نہیں صرف بائع کو تنبیہ کی جائے یہی حکم ثمن میں کھوٹ ملانے کا ہے۔

بعض لوگ جانور کو فروخت کرنے سے پہلے اس کا دودھ دوہنا ترک کر دیتے ہیں تاکہ تھن بڑھ جائیں یہ بھی ایک طرح کی فریب کاری ہے اس سے روک دے۔

محتسب کا یہ اہم فریضہ ہے کہ ناپ تول اور پیمائش کم کرنے کا قطعی انسداد کرے خدائے تعالیٰ نے اس کی سخت وعید بیان فرمائی ہے اس پر سخت سزا دے اور سب کے سامنے دے اگر کسی کے باٹ یا پیمانے کے کم ہونے کا شبہ ہو تو اس کا امتحان کرے اور ملا کر دیکھے اور جس باٹ یا پیمانے سے ملائے اگر وہ محتسب کا مہر شدہ ہو اور سب کو حکم ہو کہ

اس کے ساتھ معاملات کیا کریں تو یہ زیادہ بہتر اور احتیاط کی صورت ہے
پس اگر کوئی غیر مہر شدہ کے ساتھ معاملہ کرتا ہوا پایا جائے اور وہ کم ہو تو اس کو
دو جرموں کی سزا دی جائے ایک غیر مہر شدہ کو استعمال کرنے کی اس کی سزا
بحق سرکار ہے اور دوسرے حق کو کم تولنے یا کم ناپنے کی اس کی سزا بحق شریعت
ہے۔ اور اگر غیر مہر شدہ ہو اور مہر شدہ سے کم نہ ہو تو سرکاری حکم کے خلاف
کرنے پر صرف بحق سرکار سزا کا مستحق ہے۔

اگر کوئی شخص سرکاری مہر شدہ کی شکل پر جعلی باٹ یا پیمانہ بنائے تو
وہ جعلی درہم و دینار بنانے والے کی طرح مجرم ہے اگر ناقص بھی ہے تو
دو حیثیت سے سزا کا مستحق ہے ایک بحق سرکار جعلسازی کی وجہ سے
دوسری بحق شریعت ناقص رکھنے کی وجہ سے یہ پہلی سے زیادہ سخت
ہونی چاہیے۔ اور اگر جعل کیا ہو اور کمی نہ ہو تو صرف بحق سرکار سزا دیجائے

اگر شہر میں کاروبار کی ترقی کی وجہ سے ضرورت ہو کہ ناپ تول
کرنے والے اور روپیہ وغیرہ پرکھنے والے مقرر کئے جائیں تو ان کا انتخاب
محتسب کرے جب تک وہ کسی معتبر امانت دار کو مقرر نہ کرے کوئی شخص
یہ کام نہ کرے اور بیت المال سے بشرط گنجائش ان کی تنخواہیں مقرر کرے
اور گنجائش نہ ہو تو ان کی اجرت معین کر دے تاکہ کمی بیشی نہ ہو کیونکہ کمی بیشی
کی صورت میں ان کو کم تولنے اور کم ناپنے کی رغبت ہو گی۔ پہلے حکام
ان لوگوں کا خاص اہتمام کر کے ان کے نام رجسٹروں میں لکھ لیتے تھے
اس سے اصل کارکن اور دوسرے غیر معتبر لوگوں کا پتہ چل جاتا تھا اگر
ان منتخب شدہ لوگوں میں کسی کی بابت یہ معلوم ہو کہ وہ ناپ تول میں کمی
کرتا ہے یا زیادہ اجرت مانگتا ہے تو اس کو تادیب کرے اور برخاست
کر دے اور آیندہ کے لیئے لوگوں کی چیزیں ناپنے اور تولنے کی قطعاً
ممانعت کر دے۔

دلالوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ امانت دار آدمی نصب کرے
اور خائنوں کو ممانعت کر دے یہ وہ امور ہیں کہ اگر والی ان کا انتظام نہ کریں تو

محتسبین کو کرنا چاہیے۔

زمینوں کی تقسیم اور پیمائش کرنے والے بہتر یہ ہے کہ بجائے محتسب کے قاضی مقرر کرے کیونکہ بعض اوقات قاضی غائب اور یتیم کے مال میں نائب کر دیا جاتا ہے۔

بازاروں اور محلوں میں محافظ سپاہیوں کا تعین افسران پولس کے ذمے ہے۔ اگر تول یا پیمانے میں کمی ہونے پر نزاع ہو تو محتسب کی کارروائی اس وقت درست ہے جبکہ طرفین سے انکار و تجاحد نہ ہو اگر انکار و تجاحد تک نوبت پہنچے تو قاضی تصفیہ کرے اس لیئے کہ احکام کا تعلق اسی سے ہے لیکن تادیب کا حق محتسب کو ہے اگر قاضی تادیب کر دے تو جائز ہے کیونکہ اس کے حکم سے متعلق ہے۔

محتسب جن امور کو علی العموم روک سکتا ہے خاص کر کے نہیں روک سکتا ان میں ایسے اوزان اور پیمانوں سے معاملہ کرنا بھی داخل ہے جو اس شہر میں مروج اور معروف نہ ہوں اگرچہ کسی اور جگہ ان کا رواج ہو۔ اگر دو آدمی ان کے ساتھ معاملہ کرنے پر رضامند ہوں تو ان سے تعرض نہ کرے لیکن عام طور پر ان سے ناپ تول کی ممانعت کر دے ممکن ہے کوئی شخص ان سے واقف نہ ہو اور دھوکے اور نقصان میں مبتلا ہو جائے۔

فصل

جو منکرات محض حقوق الناس سے متعلق ہیں ان کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ہمسائے کی حد یا مکان کے صحن میں کچھ تعمیر کرے یا اس کی دیوار پر شہتیر رکھے اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ استغاثہ نہ کرے محتسب کچھ دخل نہ دے کیونکہ یہ اس کا اپنا حق ہے معاف بھی کر سکتا اور مطالبہ بھی کر سکتا ہے اگر استغاثہ کرے اور آپس میں منکر حقوق نہ ہوں تو

محتسب انتظام کرے تعدی کرنے والے سے اس کا حق دلائے اور اگر ضرورت ہو تو حسب حال تادیب بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر منکر حقوق ہوں تو ان کا مقدمہ حاکم طے کرے اگر ہمسایہ اس کی تعدی کو باقی رکھے اور اس کے گرانے کے متعلق اپنے حق کو معاف کر دے تو اسے اس کے بعد بھی اس مطالبہ کا حق رہتا ہے اگر پھر مطالبہ کرے تو تعدی کرنے والے کو حکم دیا جائے کہ اپنی تعمیر منہدم کر دے۔

اور اگر ابتداً ہی اس کی اجازت سے تعمیر کی ہے یا شہتیر رکھا ہے تو اب اس کو اپنی اجازت سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہے لہٰذا تعمیر وغیرہ گرانے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اگر درخت کی شاخیں ہمسائے کے مکان پر پھیل جائیں تو وہ محتسب سے کہہ کر ان کو قطع کرانے پر مجبور کر سکتا ہے اس میں سزا کچھ نہیں کیونکہ شاخوں کا پھیلنا اس کا فعل نہیں ہے۔ اور اگر درخت کی جڑیں پھیل کر ہمسائے کی زمین میں داخل ہو جائیں تو ان کو قطع کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہاں اپنی زمین میں ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے اگر کوئی شخص اپنی زمین میں تنور لگائے اور اس کے دھوئیں سے ہمسائے کو اذیت ہو تو اعتراض یا ممانعت کا حق نہیں۔ اسی طرح اگر مکان میں چکی نصب کرے یا لوہاروں اور دھوبیوں کو رکھے تو ممانعت نہیں کر سکتے کیونکہ ہر شخص کو اپنی ملک میں تصرف کرنے کا حق ہے اور ان کاموں کے بدون چارہ بھی نہیں۔

اگر کوئی شخص اجیر پر زیادتی کرے مثلاً اجرت کم دے یا کام زیادہ لے تو محتسب ایسا کرنے سے روکے اور دھمکانے کے مراتب حالات کے اعتبار سے (شدید و خفیف) ہوں۔ اور اگر زیادتی اجیر کی طرف سے ہو مثلاً کم کام کرے اور اجرت زیادہ مانگے تو اس کو بھی روکے اور دھمکائے اور اگر ایک دوسرے کی بات کا انکار کریں تو فیصلے کا حق حاکم کو ہے۔

تین قسم کے پیشہ وروں کی نگرانی بھی محتسب سے متعلق ہے ایک

وہ جن کے کام میں افراط تفریط کا اندیشہ ہو۔ دوسرے وہ جن کے کام میں امانت وخیانت کا پہلو ہو تیسرے وہ جو کام کو عمدہ اور ردّی کر سکیں۔ پہلی قسم میں طبیب اور معلمین ہیں کیونکہ طبیب کی افراط و تفریط سے مرض کا اشتداد یا جان ضائع ہو جاتی ہے اور معلمین کی تربیت پر بچوں کی آئندہ اچھی بری زندگی اور عادات و اخلاق کا مدار ہے کہ اس کے بعد تبدیل ہونا سخت دشوار ہے لہذا جو شخص خوب عالم دیندار اور اچھی خصائل سے آراستہ ہو اس کو برقرار رکھے اور جو ایسا نہ ہو اس کو ممانعت کر دے ورنہ خباثت نفس اور بدخصائل کی تخم ریزی اور اشاعت ہوگی۔

دوسری قسم میں سنار جولاہے دھوبی رنگریز داخل ہیں یہ بعض مرتبہ لوگوں کی چیزیں لیکر فرار ہو جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ معتبر امانت داروں کو اپنا پیشہ کرنے دے اور جس کی ایک مرتبہ خیانت ظاہر ہو اسے ممانعت کر دے اور اس کے فعل کو مشہور کر دے تاکہ لوگ ناواقفی سے اس کے دھوکے میں گرفتار نہ ہوں ایک قول یہ ہے کہ ان کا انتظام محکمہ پولیس سے متعلق ہو تو بہتر ہے بظاہر صحیح بھی ہے کیونکہ خیانت سرقہ کے تابع ہے اور تیسری قسم یعنی جو کام کو عمدہ اور ردّی کر سکیں ان کا انتظام صرف محتسب کے ذمے ہے لہذا علی العموم سب کو خراب اور ردی کام کرنے کی ممانعت کرے اس کے لئے کسی کا شکایت کرنا شرط نہیں اگر کوئی خاص پیشہ ور کام خراب کرنے کا عادی ہو جائے تو استغاثہ کرنے پر اس سے مواخذہ کرے اگر تاوان دلانے کی صورت ہو تو اگر اس شئے کی قیمت کسی انداز سے پر موقوف ہو تو یہ کارروائی محتسب کے اختیارات سے باہر ہے اور یہ قاضی کے اختیارات میں ہے البتہ قیمت کے اندازہ کرنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اس کی مثل شئے دینی ہو کہ جس میں اجتہاد یا نزاع نہیں ہوتا تو محتسب کی کارروائی درست ہے۔ اس لئے تاوان عائد کرے اور اس جرم کی سزا دے کیونکہ محتسب کا کام ہے کہ وہ حقوق کی نگہداشت کرے اور تعدی پر سزا دے۔

غلوں اور دوسری چیزوں کا نرخ معین کرنا جائز نہیں خواہ موسم ارزانی کا ہو یا گرانی کا امام مالکؒ کی رائے ہے کہ گرانی کے زمانے میں صرف غلوں کا نرخ مقرر کرنا جائز ہے۔

فصل

ایسی باتوں کی مخالفت جو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں مشترک ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ لوگوں کے گھروں کی طرف جھانکنے کی ممانعت کی جائے جس کا مکان بلند ہو اس پر اپنی چھت کی چار دیواری بنانا لازم نہیں لیکن یہ لازم ہے کہ دوسروں کی طرف نہ جھانکے ذمیوں کو مسلمانوں سے بلند مکانات تعمیر کرنے کی ممانعت کی جائے اور اگر اونچے مکانات کے مالک ہو جائیں تو رہنے دے لیکن مسلمانوں کے مکانات کی طرف دیکھنے کی ممانعت ہو ذمیوں سے شرائط معاہدہ پوری کرائی جائیں مثلاً لباس اور ہیئت میں فرق رکھنا عزیر و مسیح کے متعلق علی الاعلان کچھ نہ کہنا۔

اگر کوئی ذمی مسلمان کو گالی دے یا اذیت پہنچائے تو اس کو منع کیا جائے اس کے خلاف کرنے والے کو تادیب کی جائے راستے کی مسجدوں اور جامع مسجدوں کے امام اگر قرأت اتنی طویل کرتے ہوں کہ ضعیف برداشت نہ کر سکیں اور لوگوں کے کاروبار میں حرج واقع ہو تو ممانعت کی جائے۔ معاذ بن جبل اپنے لوگوں کے ساتھ نماز میں طویل قراوت پڑھتے تھے شکایت کی گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا معاذ! کیا تم فتنہ پھیلاتے ہو اگر امام باز نہ آئے تو سزا دینا جائز نہیں اس کو علیحدہ کر کے دوسرے کم پڑھنے والے کو مقرر کرے۔

اگر قاضی اپنے دروازوں پر دربان مقرر کرے دادخواہ مقدمات لیکر آئیں اور وہ تصفیہ نہ کرے اور اس سے توانین میں خلل دادخواہوں کو مضرت ہو تو محتسب کو حق ہے کہ بلا عذر ایسا کرنے والے سے باز پرس

کرے اور فرائض منصبی کو انجام دینے کی تاکید کرے اور رفعت مراتب کا خیال کرکے اس کی کوتاہی سے چشم پوشی نہ کرے۔ ابراہیم بن بطحا محتسب بغداد ابو عمر بن حماد کے مکان سے گزرے جو اس وقت قاضی القضات تھے اہل مقدمات کو دیکھا کہ ان کے انتظار میں دروازہ پر بیٹھے ہیں دن چڑھ گیا دھوپ میں گرمی آگئی دربان کو بلا کر کہا کہ قاضی القضات سے جاکر کہو کہ اہل مقدمات دھوپ میں بیٹھے ہوئے آپ کے انتظار کی تکلیف اٹھا رہے ہیں یا تو اجلاس میں آکر کام کیجئے یا ان کو عذر سے آگاہ کیجئے تاکہ پھر کسی وقت آئیں۔

اگر کسی غلام کا آقا اس سے اتنا کام لے کہ وہ اسے ہمیشہ انجام دینے سے عاجز ہو تو جب تک غلام استغاثہ نہ کرے بطور نصیحت کے روکے اور جب محتسب سے دادخواہ ہو تو اس وقت سختی سے ممانعت اور تنبیہ کرے۔ مواشی سے اگر ایسا کام لیا جائے کہ دوام اس کو نہ کر سکیں تو اس کا انسداد اور آئندہ کو ممانعت کردے اگرچہ کوئی استغاثہ یا شکایت نہ کرے۔

اگر مالک کا دعویٰ ہو کہ اس کا جانور اس کام کا متحمل ہے تو محتسب اس کا امتحان کر سکتا ہے اگرچہ اس میں اجتہاد کی ضرورت ہے لیکن یہ عرفی ہے لوگوں کے عرف و رواج سے معلوم کرسکتا ہے محتسب کو اجتہاد شرعی کی ممانعت ہے اجتہاد عرفی نہیں اگر غلام شاکی ہو کہ اس کا آقا کھانا کپڑا بالکل نہیں دیتا تو محتسب آقا سے باز پرس کرے اور ہمیشہ دینے کا حکم دے اور اگر ان دونوں چیزوں میں کمی کی شکایت کرے تو محتسب کے اختیارات سے خارج ہے کیونکہ ان کی مقدار معین کرنے میں اجتہاد شرعی کی ضرورت ہے اور اصل کے لازم کرنے میں اجتہاد شرعی کی ضرورت نہیں کیونکہ مطلقاً معین کرنا منصوص علیہ ہے اور خاص مقدار منصوص علیہ نہیں ہے۔

ملاحوں کو کشتیوں میں اتنا لادنے کی کہ اس کی وسعت نہ ہو اور غرق ہونے کا خطرہ ہو ممانعت کردے اسی طرح شدید ہوا کے وقت نہ چلنے دے اگر کشتی میں مرد اور عورتیں دونوں سوار ہوں تو دونوں کے درمیان پردہ ڈلوا دے اور کشتیوں میں وسعت ہو تو عورتوں کے لیے بول و براز کی جگہ بنوا دے تاکہ ضرورت کے وقت بے پردہ نہ ہوں۔

اگر معمولی بازاروں میں کوئی ایسا شخص ہو کہ اس سے صرف عورتیں معاملہ کریں تو محتسب تحقیق کرے اگر نیک چلن ثابت ہو تو تعرض نہ کرے اور اگر بدچلن معلوم ہو تو سزا دے اور ان سے معاملہ کرنے کی ممانعت کر دے ایک قول یہ ہے کہ سزا افسران پولیس دیں اور ممانعت محتسب کرے کیونکہ یہ فعل زنا کے توابع میں سے ہے راستے کی دوکانوں کے متعلق محتسب یہ انتظام کرے کہ جن سے گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو ان کو رہنے دے اور جن سے مضرت ہو ان کو اٹھا دے یہ استغاثہ پر موقوف نہیں امام ابوحنیفہؒ استغاثہ پر موقوف فرماتے ہیں راستے میں عمارت بنانے کی ممانعت کردے اگرچہ راستہ وسیع ہو اگر کوئی بنائے تو منہدم کرا دے خواہ مسجد کیوں نہ بنائیں کیونکہ راستے چلنے کی منفعت کے لیئے ہوتے ہیں تعمیرات کے لیے نہیں ہوتے۔

اگر لوگ بوقت ضرورت سڑک پر اپنی چیزیں یا سامان عمارت ڈالیں تاکہ وہاں سے تھوڑی دیر بعد منتقل کریں اور راہ سے چلنے والوں کو مضرت نہ ہو تو ایسا کرنے کی اجازت ہے اگر مضرت پہنچے تو ممانعت کردی جائے اسی طرح چھجے نکالنے چھتے بنانے پرنالے لگانے سنڈاس سے کے کنوئیں بنانے کا حکم ہے مضرت نہ ہو تو رہنے دیں اور مضرت ہو تو ممانعت کردے اور مضرت و عدم مضرت محتسب اپنے اجتہاد سے معلوم کرے کیونکہ اجتہاد عرفی ہے شرعی نہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اجتہاد شرعی تو وہ ہے کہ

اس کی اصل کا حکم شریعت سے ثابت ہوا اور اجتہاد عرفی وہ ہے کہ اس کی اصل کا حکم عرف پر مبنی ہوا اور یہ فرق ان مثالوں کے فرق سے زیادہ واضح ہوتا ہے جس میں محتسب کا اجتہاد چلتا ہے اور جس میں نہیں چلتا۔

جب مردے مملوکہ زمین یا مباح زمین میں دفن کر دئے جائیں تو پھر محتسب وہاں سے منتقل نہ کرنے دے اور اگر مغصوبہ زمین میں دفن ہو تو مالک زمین منتقل کرا سکتا ہے اور اگر زمین میں سیلاب یا نمی آجائے تو منتقل کرنے کے جواز میں اختلاف ہے زبیری جائز اور دوسرے علما ناجائز کہتے ہیں۔ آدمیوں اور چوپایوں کو خصی کرنے کی ممانعت کر دے اگر اس سے قصاص یا دیت واجب ہو تو صاحب حق کو دلائے بشرطیکہ انکار و نزاع نہ ہو (اور اگر انکار و نزاع ہو تو حاکم فیصلہ کرے)

سیاہ خضاب کی ممانعت کر دے البتہ مجاہدین کے لئے اجازت ہے اور عورتوں کے لئے بھی اس قسم کے خضاب بنانے والے کو سزا دے ہاں مہندی اور کتم کا خضاب جائز ہے۔ کہانت (غیب کی باتیں بتلا کر) اور کھیلوں سے کمانے کی ممانعت کر دے۔ اور دینے اور لینے والوں دونوں کو سزا دے۔

اس فصل کو بسط سے بیان کرنا مشکل ہے کیونکہ منکرات کی جزئیات غیر محصور ہیں تاہم ہمارے مختصر بیان سے باقی تمام صورتوں کے احکام روشنی میں آسکتے ہیں احتساب درحقیقت اساس دین ہے صدر اول کے آئمہ عام فوائد اور اجر جزیل کے خیال سے اس کے فرائض خود بنفس نفیس انجام دیتے تھے لیکن جب سلاطین نے چھوڑ کر معمولی لوگوں کے حوالے کر دیا تو کھانے کمانے اور رشوت لینے کا ذریعہ ہو گیا لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت و ہیبت جاتی رہی۔

لیکن کسی قانون پر عمل نہ رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا حکم ساقط ہو گیا فقہا نے اس کے بیان میں نامناسب بے توجہی سے کام لیا ہے

اگرچہ ہماری کتاب میں بیشتر مباحث ایسے ہی ہیں جن سے فقہاء نے
یا تو قطعاً اعراض کیا ہے یا پوری طرح ذکر نہیں کیا۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ محض اپنے احسان و کرم سے ہمارے
ارادے اور مقصود کو پورا فرمائے وہ ہمارے لئے کافی اور بہتر وکیل
ہے۔

تمت

صحت نامہ

احکام السلطانیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۸	انتخاب کرنے	انتخاب کرلے	۵۴	۱۲	عزم کی کی ضرورت	عزم کی ضرورت
۲۲	۱۲	موتمتہ	موتنہ	۶۰	۸	فرائص منصبی کو	فرائض منصبی کی
۲۵	۶	صوت	صورت	۶۵	۲	استنفا	استیفا
۳۰	۲۴	لھدّا	بھدّا	”	۴	اسکے	جیسکے
۳۲	۱۹	روال	زوال	۶۸	۸	تدابیرآلی	تدابیرآلی پر
”	۲۰	بیہوشی	بیہوشی	۷۴	۸	تاولیں	تاویلیں
۳۴	۱۱	پیہراین	بیہراین	۷۸	۲۴	قمراشہ	خراشہ
۳۵	۴	حس	جس	۷۹	۳	پڑھتے ہوئے	پڑھتا ہوا
”	۱۷	سدًا	سیدًا	”	۱۴	قتل وزخمی	قتیل وزخمی
”	۱۸	ملفظ	بلفظ	۸۴	۳	ذکر فرمائی ہیں	ذکر فرمائی ہیں
۳۹	۲۰	بیعت کرچلے	بیعت کرچکے	”	۱۳	فنادہ	قتادہ
۴۶	”	منظر	نظر	۸۸	۸	ابوامیہ	ابوالیسر
۵۲	۶	قیقظتہ	نیقظتہ	۹۱	۱۳	ٹکریں	بکریں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۲	۶	خیانت رنیامیں	خیانت دنیامیں	۲۴۸	۲۱	جزبہ	جزیہ
؍؍	۱۴	مقابلہ پرحمارہے	متابلہ پرجارہے	۲۴۸	۸	اشکال	اشکال میں
۹۳	۲۳	ا سے	اسے	۲۴۹	۷	دی جائے	دی جائیں
۹۷	۳	ہیں	رہیں	۲۵۰	۹	اور	×
۱۰۴	۲۳	ابوجفص	ابوحفص	؍؍	۱۳	اہوار	اہواد
۱۰۵	۱۲	غلام باند	غلام باندیں	۲۵۳	۱۷	تعریر	تعزیر
۱۱۵	۲۰	مطالبہ ہوا	مطالبہ ہو	؍؍	۲۴	محمول کرتے	محمول کرتے ہیں
۱۲۳	۱۶	غیت ہیں میں	غیبت میں	۲۶۷	۲	اواذقال	واذقال
۱۲۹	۱۴	کے	لے	؍؍	۱۹	کر	کو
۱۳۸	۲۱	سمجھنے تھے	سمجھتے تھے	۲۷۷	۱۰	بے	فی
۱۳۹	۲۵	معدواً	صدواً	۳۰۵	۲۳	حقدار ہوجائے جائز ہے	حقدار بنجائے توجائز ہے
۱۴۳	۹	داخل تاخارج	داخل یاخارج	۳۱۲	۲۰	انکے تبادلہ اورعزل	انکے تبادلہ وعزل
؍؍	۲۴	انگرانی	نگرانی	۳۱۴	۱۷	کنول	کنووں
۱۶۱	۱۳	کی	کے	۳۲۵	۱۹	حالانکہ سے	حالانکہ حریف سے
۱۶۷	۱۳	نقہہ	فقیہ	۳۵۱	۶	ام داران	ام ولد
۲۰۶	۲۲	کی ہے	کیا ہے	۳۶۳	۲۲	عادل	حالانکہ عادل
۲۲۴	۱۸	اورسی کا	اوربسی کا	۳۸۴	۲۳	تھوڑ ا	تھوڑا
۲۳۰	۲۵	حبادہ	عبادہ	۴۰۳	۱۱	دوکانوں	وکانوں
۲۳۷	۶	ابوحنیف	ابوحنیفہ	۴۰۴	۲۰	آئمہ	ائمہ
؍؍	۱۱	صابئیں	صابئین	؍؍	۲۱	نفس نفیس	بنفس نفیس